وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

گناہوں سے کیسے بچیں؟

جنّت چاہنے والے عِفّت وعصمت اور پاکدامنی کے تحفّظ
کے لیے گُناہوں وبدکاریوں سے بچنے کا کونسا طریقہ اپنائیں؟

تالیف:
مولانا مُحمد ظفیرُالدین

نظرثانی:
حافظ صلاحُ الدّین یوسفؔ
ابوالحسن مُبشّر احمد ربّانی



قرآن وحدیث طبّ وحکمت اور
جدید سائنس کی روشنی میں

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

www.KitaboSunnat.com



گناہوں سے کیسے بچیں؟

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

گناہوں سے کیسے بچیں؟

تالیف : .... مولانا محمد ظفیر الدین

نظر ثانی .... حافظ صلاح الدین یوسف

.... ابو الحسن مبشر احمد ربانی

اشاعت اول .... اپریل 2013ء

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

لاہور: دارالاندلس 37230549 - دارالسلام شوروم 37232400 - مکتبہ قدوسیہ 37230585 - مکتبہ سلفیہ 37237184 - کتب سرائے 37320318 - اسلامی اکیڈمی 37357587 - نعمانی کتب خانہ 37321865 - مکتبہ رحمانیہ 37224228 - مکتبہ دارالھدیٰ 37639557 - البلاغ 35717842 - البلاغ (جیل روڈ 042-35717842 گلبرگ 042-35717842 ماڈل ٹاؤن 042-35942233)

راولپنڈی: تجلیات طیبہ کشمیری بازار 5535108 - دارالفکر اسلامی 0321-5216287 - مکتبہ عائشہ 0321-5075075، 051-5551014 -

اسلام آباد: المسعود اسلامک بکس 2261356 - البلاغ 2281420 - دارالسلام شوروم 0321-5370378 - الھدیٰ انٹرنیشنل 0321-8014008، 051-4434615 -

کراچی: فضلی منز 32212991 - مکتبہ دارالقرآن 021-32211996 - علمی کتب خانہ اردو بازار 37728919 -

فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار 631204 - مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 041-2629292، 0300-6628021

پشاور: سراج کتب خانہ 214720 - حیدر آباد: مکتبہ ثنات السلفیہ 0333-2607264 - واہ کینٹ: البلاغ 051-4541148

سیالکوٹ: مکتبہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ 052-4591911 مکتبہ الاذان 0332-8787866

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0300-4453358, 042-37361428

ضروری نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انسانی بساط وطاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی عبارات میں تصحیح الفاظ میں پوری طرح احتیاط کی ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں (سب کے) لیے اللہ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(الاحزاب: ۳۳/۳۵)

گناہوں سے کیسے بچیں؟

جنت چاہنے والے عفت وعصمت اور پاکدامنی کے تحفظ
کے لیے گناہوں وبدکاریوں سے بچنے کا کونسا طریقہ اپنائیں

تالیف
مولانا محمد ظفیر الدین

نظر ثانی
حافظ صلاح الدین یوسف
ابوالحسن مبشر احمد ربانی

قرآن وحدیث طب وحکمت اور
جدید سائنس کی روشنی میں

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

دار الابلاغ
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، لاہور
0300-4453358, 042-37361428

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے
اور ذکر کرنے والیاں (سب کے) لیے اللہ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے
(الاحزاب: ۳۳/۳۵)

آئینہ

گناہوں سے کیسے بچیں؟

- تقریظ: ابوالحسن مبشر احمد ربانی ۲۱
- تقریظ: حافظ صلاح الدین یوسف ۲۳
- حرفِ تمنا: محمد طاہر نقاش ۲۷

قبل از اسلام عورتوں کا مقام ومرتبہ

- عورتوں کی مظلومیت ۳۲
- بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر ۳۳
- بچیوں کا بے رحمانہ قتل ۳۴
- عفت وعصمت کی بربادی ۳۵
- جاہلیت کے نکاح ۳۶
- نسوانی ناموس کا حشر غیر عرب میں ۳۷
- روم ویونان میں ۳۸
- یہودی قانون میں ۳۸
- ہندو قانون میں ۳۹
- مسیحی قانون ۴۳
- عورتوں سے متعلق مختلف اقوام کے مثالی فقرے ۴۶
- غیر مذاہب میں ازواجی تعلقات ۴۶

مومنات کے حق میں اسلام کی اصلاحی تدابیر

- عورتوں کی حیثیت کا اعلان ۴۸

- عورتوں کا مقصد ۵۰
- بچیوں کے قتل کی روک تھام ۵۳
- لڑکیوں سے حسنِ سلوک کی ترغیب ۵۴
- میراث میں عورتوں کا حصہ ۵۸
- عورت کا ماں کی حیثیت سے حصہ ۶۰
- عورت کا بیوی کی حیثیت سے حصہ ۶۰
- وراثت کی تقسیم میں عورت خسارے میں نہیں ۶۱
- ماں کے روپ میں عورت کا احترام ۶۱

بدکاری کی ہلاکتیں اور بربادیاں

- انسانیت سوز رواج کا خاتمہ ۶۳
- زنا اور اس کے مفاسد ۶۶
- ایک نوجوان کو رسول اللہ ﷺ کی نصیحت ۶۷
- زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے متصادم ہے ۷۱
- عفت پر بیعت ۷۱
- زنا جرمِ عظیم ہے ۷۲
- شرک کے بعد بڑا گناہ "زنا" ہے ۷۳
- بوقت زنا ایمان کی حالت ۷۴
- زنا کاری اور غیرتِ حق ۷۵
- پاک دامن یوسف علیہ السلام کا اعلان حق ۷۶
- زنا مظالم کی جڑ ۷۷
- زنا پر کال کوٹھری کو ترجیح ۸۰
- زنا کے سلسلے میں ارشاداتِ نبوی ﷺ ۸۰
- زنا کی ہلاکتیں ۸۱
- زنا باعث مصیبت ۸۴

○ کثرتِ اموات اور طاعون ۸۵
○ زنا کی وجہ سے خشک سالی ۸۵

اسلامی تعلیمات سے بغاوت کا عبرتناک انجام

○ امریکہ میں زنا اور اس کے نتائج ۸۷
○ آتشک' سوزاک اور دوسری برائیاں ۹۲
○ کنسے رپورٹ کے مطابق امریکہ کی حالت ۹۷
○ انگلستان میں زنا کی وبا ۹۸
○ فرانس میں بدکاری ۱۰۳

''نکاح'' پاکدامنی کے تحفظ کا ضامن

○ نکاح کا حکم ۱۰۷
○ نکاح قرآن وسنت کے آئینہ میں ۱۰۸
○ نکاح میں تحفظِ عصمت ۱۰۹
○ نکاح اور افزائشِ نسل ۱۰۹
○ نکاح اور پاکدامنی ۱۱۰
○ نکاح رسولوں کی سنت ہے ۱۱۱
○ غیر شادی شدہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ۱۱۲
○ رہبانیت پیغمبرِ اسلام کی نظر میں ۱۱۲
○ پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ کی نظر میں ۱۱۴
○ ترغیبِ نکاح کے ساتھ وعدۂ غناء (مالداری) ۱۱۵
○ فقر و فاقہ کے شکوک و شبہات کا حل ۱۱۷
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تاثر ۱۱۸
○ حالتِ فقر میں اجازتِ نکاح ۱۱۹

○ نکاح سے بالکل مجبوری میں عفت کی تاکید ۱۲۰

نکاح سے فرار کے نقصانات و بربادیاں

○ مقاصدِ نکاح ۱۲۱
○ مادۂ تولید اور اس کا اخراج ۱۲۳
○ مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات ۱۲۴
○ آوارگی اور زنا کا راستہ ۱۲۵
○ ہم بستری کے فائدے ۱۲۶
○ جائز ہم بستری اور تزکیہ قلب ۱۲۶
○ ہم بستری میں اعتدال ۱۲۶
○ جائز راستوں کا ترک اور اس کا عبرت ناک انجام ۱۲۷
○ غیر فطری طریقوں کے نقصانات ۱۲۷
○ غیر فطری طریقوں سے تکمیلِ شہوت اسلام کی نظر میں ۱۲۹
○ اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت ۱۳۱
○ شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں ۱۳۱
○ بھارتی مفکرین کا بیان ۱۳۱
○ ایک انگریز عورت کی رائے ۱۳۲
○ مغربی مفکر کا مشورہ ۱۳۲

پاکدامنی کا حصول اور نکاح کے مقاصد

○ نکاح میں چار ضروری شرطیں ۱۳۹
○ نکاح سے حصولِ عفت ۱۴۰
○ عفت وعصمت کی اہمیت ۱۴۲
○ محبت ورحمت ۱۴۳

- ہیجانی کیفیت کا علاج ۱۴۴
- یارانہ شادی (لومیرج) ۱۴۵

پاک دامن رہنے کی فضیلت واہمیت

- فلاحِ کامل کی بشارت ۱۴۷
- عفت جزوِ نبوت کی حیثیت میں ۱۴۸
- پاکیزہ نفس کا مرتبہ ۱۵۰
- عورتوں سے عفت وعصمت پر بیعت ۱۵۰
- رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بسلسلہ عفت ۱۵۱
- پاکدامنی کی تبلیغ ۱۵۲
- عفیف پر ظلِ رحمانی ۱۵۲
- عفیف کے لیے جنت کی ضمانت ۱۵۲
- رودادِ عفت اور اس کا اثر ۱۵۳
- عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا ۱۵۴
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ عفت ۱۵۴
- سرورِ کائنات اور دعائے عفت ۱۵۶
- دشمنِ عفت پر عذابِ الٰہی ۱۵۷

پاک دامنی کا دفاع اور تعدد زوجات

- تعدد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ ۱۵۹
- ازواج کے بارے میں عدل ومساوات ۱۶۱
- عدم مساوات میں اندیشہ کے وقت صرف ایک بیوی کا حکم ۱۶۲
- اسلام کا قانون تعدد ازدواج اور مخالفین ۱۶۳
- اہل یورپ کا اعترافِ حق ۱۶۳

○ ایک بصیرت افروز واقعہ ١٦٥
○ ہندوؤں کا اعترافِ حق ١٦٦
○ تعددِ ازدواج میں عدل ومساوات ١٦٦
○ اختیاری شے میں عدل ١٦٧
○ رسول اللہ ﷺ کا آخری لمحاتِ حیات میں عدل ومساوات ١٦٩
○ مانوس کرنے کے لیے نئی بیوی کے ساتھ رعایت ١٦٩
○ سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ ١٧٠
○ اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی ١٧١
○ بیوی کی خوشنودی ١٧١
○ چند عورتوں سے بیک وقت شادی ١٧٢
○ سارے قوانین کا ماحصل عفت وعصمت ١٧٣
○ بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں ١٧٣

آئیڈیل دولہا اور آئیڈیل دلہن کا انتخاب

○ حقِ انتخاب ١٧٥
○ ظلم وجور کی بیخ کنی ١٧٦
○ ولی کو مشورہ کا حق ١٧٦
○ عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار ١٧٧
○ ولی کا فریضہ ١٧٨
○ عورت کی عدم رضاء سے نکاح کا رد عہدِ نبویؐ میں ١٧٩
○ باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں ١٧٩
○ ولی کا حق مشورہ اور اس کا لحاظ ١٨٠
○ اختلاف کے وقت عورت کی پسند قابلِ ترجیح ١٨٢
○ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک تبصرہ ١٨٣
○ خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابلِ غور ہے ١٨٤

- اس مسئلہ میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی توجیہہ ۱۸۴
- اس مسئلہ میں امام نووی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۵
- بالغہ لڑکی کی رائے ہر حال میں قابلِ ترجیح ۱۸۵
- مردوں کو اختیارات ۱۸۶
- عورت کے انتخاب میں ہدایتِ نبوی ۱۸۶
- محض دولت پرستی ۱۸۷
- نسل ونسب کے بت پر جان دینا ۱۸۸
- حُسن پرستی ۱۸۸
- معیارِ انتخاب دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو ۱۸۹
- اخلاق واعمال سے صرفِ نظر اور اس کا نتیجہ ۱۹۰
- بیوی کا انتخاب اور خلاصہ احادیث ۱۹۰
- بیوی کے انتخاب کے متعلق بعض علماء کی آراء ۱۹۱
- شوہر کا انتخاب ۱۹۲
- ہم عمری کا لحاظ ۱۹۲
- سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ ۱۹۳
- کنواری عورت ۱۹۳
- نوجوان عورت کی خصوصیات ۱۹۴
- دین اور حُسن کا اجتماع ۱۹۵
- خوبصورتی کا معیار ۱۹۶
- بیوہ عورت سے شادی ۱۹۶
- بیوہ سے شادی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ۱۹۷

دلہن بننے والی دوشیزہ کو نکاح سے قبل دیکھنا

- دیکھنے کے لیے مشورہ نبوی ۱۹۸
- امام نووی رحمہ اللہ کی تشریح ۱۹۹

○ دیکھنے میں اخلاص واعتدال ۲۰۱
○ شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے ۲۰۱
○ دیکھنے کا شرعی طریقہ ۲۰۲
○ عشق ومحبت علامہ رشید رضاء مصری کے تجربہ کی روشنی میں ۲۱۰

پاک دامنی کے دفاع کے لیے بالغ ہوتے ہی شادی کا حکم

○ بلوغت کے بعد شادی کی تاکید ۲۱۲
○ لڑکے اور لڑکی کی شادی کی ذمہ داری والد پر ۲۱۳
○ شادی کی اہمیت ۲۱۴
○ رشتۂ ازدواج کی ایمان وتوحید پر استواری ۲۱۴
○ مسئلہ کفائت (برابری) ۲۱۶
○ نسبی کفو زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ۲۱۷
○ نسبی کفو کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اور آپ کے عہد کا عمل ۲۱۸
○ نکاح کا اعلان ۲۱۹
○ اعلان کی ضرورت ۲۲۰
○ نکاح کی شہرت بذریعہ دعوت ولیمہ ۲۲۰
○ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا ۲۲۱
○ مفلس کو بھی دعوت دی جائے ۲۲۲

بذریعہ نکاح جائز لطف اندوزی اور پاک دامنی کا حصول

○ صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت ۲۲۳
○ حیض ونفاس ۲۲۴
○ عورت سے تمتع کا بلیغ بیان ۲۲۶

○ لواطت کی حرمت ۲۲۷
○ محبت اور پیار ۲۲۸
○ بیوی بچوں کی بے جا محبت اور اس پر تنبیہ ۲۲۹

دولہا کے فرائض واختیارات اور ذمہ داریاں

○ صبر وتحمل ۲۳۱
○ سرور کائنات ﷺ کی وصیت ۲۳۲
○ رفق وملاطفت ۲۳۳
○ عورت کی تلوّن مزاجی ۲۳۴
○ جدید تحقیقات اور عورت ۲۳۵
○ عورت کے عضلات ۲۳۶
○ عورت میں خوبیاں ۲۳۶
○ ظلم وتعدی کی ممانعت ۲۳۷
○ عورت میں ہیجان ۲۳۸
○ زدوکوب کی ممانعت ۲۳۸
○ سرزنش کی اجازت اور اس کا مطلب ۲۳۹
○ خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبوی ﷺ ۲۴۱

دولہا دلہن کا دل کیسے جیتے؟

○ رسول رحمت ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں ۲۴۴
○ بیویوں سے سرورِ کائنات ﷺ کی محبت ۲۴۵
○ بیویوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ۲۴۵

- بیویوں کے حقوق کی اہمیت ۲۴۷
- بیویوں کے لیے نظافت کا اہتمام ۲۴۷
- بیوی کے لیے سامانِ طہارت ونفاست ۲۴۸
- بیوی کی بیماری یا مصیبت میں اظہارِ وفاداری ۲۴۹
- بیوی کے جذبات کا پاس ۲۵۰
- بیوی پر اعتماد ۲۵۲
- بیوی کی راز داری ۲۵۲
- بیوی کا نفقہ ۲۵۳
- مقدارِ نفقہ ۲۵۴
- رسول اللہ ﷺ کا نظام نفقہ ۲۵۴
- بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت ۲۵۵
- زن وشوہر میں اختلاف کے وقت حکم ۲۵۶

دلہن کے فرائض واختیارات اور ذمہ داریاں

- قانون کا معیارِ کمال ۲۵۹
- نظامِ منزلی کی صدارت ۲۵۹
- مرد کی صدارت کی وجہ ۲۶۰
- جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت ۲۶۰
- عورت کا دماغ ۲۶۱
- مرد کی صدارت کے باوجود دونوں کے حقوق برابر ہیں ۲۶۵
- ایک فلاسفر کا قول ۲۶۵
- صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم ۲۶۶

- موجودہ دور میں ضد کی وجہ سے ہم آہنگی کا ختم ہو جانا ۲۶۶
- زوجۂ صالحہ اور اس کا فریضہ ۲۶۷
- شوہر کی تعظیم وتکریم ۲۶۸
- اطاعت وفرمانبرداری ۲۶۹
- شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں ۲۷۰
- شوہر کی خوشنودی ۲۷۱
- جنسی میلان میں حکم کی بجا آوری ۲۷۲
- جنسی میلان میں بیوی کی صحت کا لحاظ ۲۷۳
- شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں ۲۷۴
- ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ۲۷۴
- صحابیات رضی اللہ عنہن کی اپنے شوہروں سے محبت ۲۷۵
- شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے ۲۷۶
- شوہر اور گھر کی خدمت ۲۷۶
- ضد اور ہٹ دھرمی سے پرہیز ۲۷۷

پاکیزگی وپاکدامنی کے تحفظ کے لیے اقدامات وقوانین

- میاں بیوی کی محبت میں حائل ہونے کی مذمت ۲۷۹
- میاں بیوی میں تفریق سے شیطان کی مسرت ۲۸۰
- زن وشوہر کے تعلقات کو بگاڑنے کی مذمت ۲۸۰
- رشتہ نکاح ختم کرنے کی اجازت ۲۸۱
- ناگہانی مصائب ۲۸۱
- شوہر کا نامرد ہونا ۲۸۲
- شوہر کا مجبوب (عضو بریدہ) ہونا ۲۸۴
- خصی شوہر کا حکم ۲۸۴
- حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کا ارشاد ۲۸۵

اسلام کا قانون خلع ۲۸۵
عہدِ نبوی ﷺ میں خلع ۲۸۶
مفقود الخبر (گمشدہ خاوند) کی بیوی کا حکم ۲۸۷

اسلام کا قانون طلاق اور عفت وعصمت کی حفاظت

طلاق کا قانون یہود میں ۲۸۹
طلاق کا قانون عیسائیوں میں ۲۹۰
قانون طلاق کی اصلاح ۲۹۱
رپورٹ شاہی کمیشن ۲۹۲
انسانی قانون کا انجام ۲۹۳
جاہلیت کا قانونِ طلاق ۲۹۸
اسلام کا قانونِ طلاق ۲۹۸
طلاق فقہاء کی نظر میں ۲۹۹
طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں ۲۹۹
طلاق رجعی اور مسئلہ عدت ۳۰۰
لعان ۳۰۱

عفت وعصمت اور پاکدامنی کے لوازمات

شرم وحیاء ۳۰۳
شرم وحیاء اسلام میں ۳۰۴
بیباک نگاہ اور اس کے متعلق ہدایات ۳۰۵
عورتوں کو ہدایت ۳۰۹
نگاہ کی حفاظت کا حکم ۳۱۱
نگاہ کے فتنے ۳۱۲
پست نگاہی کی تاکید ۳۱۵

- نگاہ پست رکھنے کے فائدے ۳۱۸
- جاہلی بے پردگی کی ممانعت ۳۱۹
- نزولِ حکم حجاب ۳۲۰
- عورتوں سے پردہ کی اوٹ سے استفادہ کا حکم ۳۲۱
- مخلوط سوسائٹی مضر ہے ۳۲۱
- مخلوط تعلیم کا اثر عفت وعصمت پر ۳۲۲
- پاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت ۳۲۴
- عہد نبوی میں امتیازی لباس کا حکم ۳۲۶
- گھر سے باہر آنے کے شرعی آداب ۳۲۷
- چادر اوڑھنے کا طریقہ ۳۲۸
- اظہارِ زینت وغیرہ کی ممانعت ۳۲۸
- خوشبو مل کر نکلنے کی ممانعت ۳۳۰
- عام گزرگاہ سے اجتناب کا حکم ۳۳۱
- اسلام میں احترام عفت ۳۳۲
- بات کرنے میں لوچ یا نزاکت نہ ہو ۳۳۲
- محرم کے لیے رعایت ۳۳۳
- مخنث (ہیجڑہ) عورتوں میں نہ آئے ۳۳۵
- مراہق (قریب البلوغت) کے لیے ہدایت ۳۳۵
- شوہر کے عزیز واقارب سے اجتناب ۳۳۵
- کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے ۳۳۶
- جن کے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو ۳۳۶
- جدید تحقیقات ہماری تائید میں ۳۳۸
- عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ ۳۳۸
- مرد وعورت کے آزادانہ میل جول کا انجام ۳۳۹
- عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے ۳۴۱
- سماج کا فریضہ ۳۴۱

- عورتوں کی آزادی خود ان کے لیے طوق ہے ۳۴۱
- عورتوں کی آزادی مردوں کے حق میں بھی نقصان دہ ہے ۳۴۲
- عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے ۳۴۲
- پردہ میں ضعف اعصاب کا شکوہ غلط ہے ۳۴۳
- غیر عورت کی حالت غیر مرد سے بیان نہ کی جائے ۳۴۳
- مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے ۳۴۴
- ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب ۳۴۴
- ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں ۳۴۵
- ستر اور اس کی پردہ پوشی ۳۴۶
- عورت تنہا سفر نہ کرے ۳۴۷
- سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت ۳۴۸
- مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال ۳۴۹

گھر میں داخل ہونے والے غیر محرموں سے عزت کیسے بچائیں؟

- گھروں میں داخلہ ۳۵۱
- گھروں میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع ہے ۳۵۲
- طلبِ اجازت کا شرعی طریقہ ۳۵۲
- طلبِ اذن کی حکمت ۳۵۳
- طلبِ اذن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم ۳۵۴
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ۳۵۵
- دروازہ پر تاک جھانک کی ممانعت ۳۵۵
- طلب اذن پر اپنا مشہور نام بتائے ۳۵۷
- محرم بھی اجازت حاصل کرے ۳۵۷
- ماں سے بھی طلب اذن ۳۵۸
- سلف صالحین کا طریقہ ۳۵۸

- عفت کا لحاظ اسلام میں ۳۵۹
- موجودہ دور میں غفلت ۳۵۹
- خاص اوقات میں سب کے لیے استیذان ۳۶۰
- نابالغ بھی بعد بلوغت اجازت لیں ۳۶۴
- مَاظَهَرَ کی تفسیر ۳۶۵
- چہرہ چھپانے کا حکم ۳۶۶
- باریک کپڑے کا استعمال مشکوۃ نبوت کی روشنی میں ۳۶۷

بدکاروں کی زندگی کا دنیا میں ہی عبرتناک انجام

- اتہام لگانا ۳۷۰
- اتہام لگانے کی سزا ۳۷۱
- مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں ۳۷۱
- اسلام میں حدود (شرعی سزاؤں) کی نوعیت ۳۷۲
- زنا کی سزا اور جرم کی نوعیت ۳۷۳
- زنا کار کو سزا کی تاکید ۳۷۴
- زنا کار کی سزا کی تشہیر ۳۷۶
- بے حیاء عورت پر پابندی ۳۷۶
- اسلام کا قانونِ رجم ۳۷۸
- رجم کی حقانیت ۳۷۹
- رجم کا طریقہ ۳۸۰
- زبردستی زنا اور اس کا حکم ۳۸۰
- پاگل کا حکم ۳۸۱

قوم لوط کے عمل سے کیسے بچیں؟

- وطی فی الدبر ۳۸۲

- استلذاذ بالمثل ۳۸۴
- قوم لوط اور اس کا انجام ۳۸۵
- قوم لوط کے بعد ۳۸۶
- استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں ۳۹۱
- قوم لوط کا سا فعل کرنے والا نقل وعقل کی روشنی میں ۳۹۲
- لوطی کی سزا ۳۹۴
- سزا عقل کی روشنی میں ۳۹۶
- عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ ۳۹۶
- غیر فطری افعال سے بچنے کی تدبیر ۳۹۷
- امرد (بے ریش لڑکے) سے پرہیز ۳۹۷
- امرد کا چہرہ دیکھنا ۳۹۸
- دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا یا سونا ۳۹۹

تقریظ

یہ کتاب ہر خاتون کے لیے مشعل راہ ہے

از

فضیلۃ الشیخ ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ تعالیٰ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام میں جس طرح مردوں کے لیے تزکیہ وتطہیر کا طریقہ کار دیا گیا اسی طرح عورتوں کی عفت و عصمت اور پاکدامنی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو انتہائی ذلت و رسوائی سے دوچار کیا جاتا تھا اور ٹشو پیپر سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی تھی۔

اسلام نے طہارت و پاکیزگی کا ایسا گراں مایہ گوہر عطاء کیا کہ جس کے باعث اسے قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اور اسے اخلاقی و دینی اعتبار سے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا' اور گھر کی چار دیواری میں محصور کر کے ایک انمول موتی اور ہیرا بنا دیا۔ زمانہ جاہلیت کی طرح آج مغربیت (یورپی و امریکی تہذیب و تمدن اور حیاء باختہ ثقافت سے مرعوب لوگ) اور اس کے دلدادہ افراد عورت کو پھر سے بازاروں' چوکوں' چوراہوں' تفریح گاہوں' فائیو سٹار ہوٹلوں اور ہواؤں میں اڑا کر شرمناک مناظر دکھانا چاہتے ہیں۔ یوں وہ اس کو انسانیت کے عظیم منصب سے نکال کر حیوانیت کا لبادہ پہنانا چاہتے ہیں۔ تحریک نسوانیت اور تحریک آزادی جیسے خوشنما اور دل فریب نعروں کے سائے تلے اسے حیاء باختگی اور ایمان سوز مناظر کا رسیا بنانا چاہتے ہیں۔

ان حالات میں اسلام کے نظام عفت وعصمت اور پاکیزگی و پاکدامنی کو اجاگر کرنا بہت ضروری ہے' تاکہ بنتِ آدم قرونِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح صاف ستھری اور ایمان کی بلندیوں کو چھونے والی عورت بن سکے۔ اور ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کے مرتبہ عالیہ پر فائز رہتے ہوئے صالحیت و نیک نامی سے کنارہ کش نہ ہو۔

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب نے اس سلگتے ہوئے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس کے جنایا و خدایا کو صفحہ قرطاس پر اتار دیا۔ انہوں نے موضوع کے تمام گوشوں کو تشنہ نہیں چھوڑا البتہ بعض

مقامات پر کمزور اور ضعیف روایات کا سہارا لیا۔ محترم المقام گرامی قدر فاضل نوجوان بھائی طاہر نقاش حفظہ اللہ نے اس کتاب کی تہذیب و تنقیح کی اور کمزور ضعیف روایات نکالنے کی بھرپور سعی کی' تاکہ قارئین کو عمدہ اور تشکیک و اعتراض سے پاک مواد فراہم کیا جا سکے۔ یہ ان کی مساعی جمیلہ کا قابل قدر حصہ ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب و کامران نظر آتے ہیں۔ کتاب مرتب کرنا سہل و آسان ہے البتہ مرتب شدہ کتاب کی تہذیب و تنقیح قدرے مشکل وصعب ہے۔ لیکن فاضل موصوف صعب و ذلول کی گھاٹیوں پر سوار ہو کر کتاب کو بہترین اور عمدہ بنانے میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس طرح کی کئی ایک اصلاحی کتب کو منصۂ شہود پر لا کر قارئین سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں۔ و لا یضل و لا ینسی کی زد سے کون محفوظ ہو سکتا ہے۔

موصوف نے اس کتاب پر اس انداز سے تحقیقی و توضیحی نوعیت کا کام کیا ہے کہ پاک و ہند میں اس طرح کا کام ابھی تک نہیں ہو سکا۔ فللّٰہِ الحمد۔ یہ ان کی علم دوستی اور ایک عرصہ تک انتھک جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اور پاکستان و ہندوستان میں شائع ہونے والی تمام اشاعتوں پر اپنی افادیت اور اثر پذیری کے اعتبار سے فوقیت حاصل کر گئی ہے۔ اور اپنے معیار اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے سب سے آگے نکل گئی ہے۔ کتاب میں موصوف نے تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل مفید توضیحی فٹ نوٹ لکھے ہیں۔ یوں یہ کتاب اب تک شائع ہونے والی اشاعتوں میں سب سے مفصل محقق جامع اور معیاری ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی جہود و مساعی میں برکات و انوار کا حظ وافر رکھ دے اور ان کے اعمال صالحہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے۔ اس کتاب کو ہر خاتون کے لیے مشعل راہ اور نجات کا ذریعہ و وسیلہ بنائے۔ اور بے حجابی و بے پردگی' عریانی و فحاشی کے قعر مذلت سے نکال کر منہاج سدید اور جادہ مستقیم پر گامزن کر دے۔ آمین

اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف مہذب و منقح' ناشر و طابع کی حسنات قبول فرمائے اور سیأت سے درگزر و تجاوز فرمائے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفاء اللہ عنہ
سکیم موڑ سبزہ زار لاہور

تقریظ

یہ کتاب پڑھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے!

از

مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
(مشیر وفاقی شرعی عدالت)

اسلام نے ستر و حجاب اور حیاء و عفت کا جو تصور دیا ہے' اس کی رو سے عورت مرد کے لیے ماں ہے یا بیٹی' بیوی ہے یا بہن۔ اور یہ چاروں ہی رشتے نہایت مقدس و محترم ہیں۔ اسی طرح مرد عورت کے لیے باپ ہے بیٹا' شوہر ہے یا بھائی۔ ان چاروں رشتوں کے ساتھ بھی تقدس و احترام ہی کے جذبات وابستہ ہیں۔

جس انسانی معاشرے میں بھی مرد و عورت کے درمیان تعلق کی نوعیت ان چہار گونہ حیثیات کے دائرے میں محصور رہی' وہ معاشرہ بے حیائی' آبرو باختگی' بدکاری اور ہر قسم کی خفیہ یا اعلانیہ فحاشی سے محفوظ رہا۔ جس کی بہترین مثال وہ اسلامی معاشرہ ہے جو صدیوں تک دنیا کے سامنے ایک نمونے کے طور پر موجود رہا ہے' تا آنکہ ترکی کے مرد بیمار مصطفیٰ کمال نے ۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کا وہ ادارۂ خلافت ختم کر دیا جو مسلمانوں کی وحدت و مرکزیت کی علامت اور اسلام کے معاشرتی تصورات کا امین و محافظ تھا۔

اس خاتمۂ خلافت کے ساتھ ہی مسلمانوں کا سیاسی اضمحلال' جس کا آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا' بڑھتا چلا گیا اور اس کی جگہ مغرب و یورپ کا سیاسی غلبہ روز افزوں رہا۔ اور اس سیاسی استیلاء و تسلط کی وجہ سے اس کا تہذیبی غلبہ بھی عالم اسلام میں ہو گیا۔ مغرب و یورپ کی اس تہذیبی یلغار نے اسلامی معاشروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے وہاں سے اسلامی تصورات کی بالادستی کو ختم اور اس کے تقدس کو مجروح کر دیا۔

مغربی اور یورپی تہذیب و ثقافت کی بنیاد عورت کے تقدس پر مبنی نہیں ہے' جیسا کہ اسلام

کے مذکورہ چہار گونہ تصورات کی بنیاد اسی تقدس پر ہے' بلکہ اس کی ساری بنیاد عورت کی عریانیت یا نسائیت کی خصوصیات سے محرومی پر ہے۔ مغرب عورت کو پردے میں رکھنے کا قائل ہے' نہ اس کو اس وقت تک کچھ دینے کا قائل جب تک عورت اپنی نسائی خصوصیات سے اپنے آپ کو محروم نہ کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت وہاں عریاں ہو کر جنسِ بازار اور ایک شوپیس بن کر رہ گئی ہے۔ جبکہ اسلامی معاشرے میں وہ اپنی چاروں حیثیتوں میں گھر کی ملکہ اور رانی ہے۔ اسی طرح عورت وہاں کچھ حاصل کرنے کے لیے مرد بننے پر مجبور ہے۔ چنانچہ وہ مردوں کی طرح کارخانوں' ملوں اور فیکٹریوں میں مزدور ہے۔ دفتروں میں وہ اسٹینوگرافر' کلرک' ٹائپسٹ' کمپوزر یا زیادہ سے زیادہ کسی افسر کا بچہ جمہورا یعنی سیکرٹری ہے۔ دکانوں اور جنرل اسٹوروں میں وہ ماڈل گرلز' سیل گرلز' ریسپشنسٹ' ٹیلی فون آپریٹر وغیرہ ہے' کینٹینوں میں وہ چائے فروش اور بسکٹ فروش ہے' ہوٹلوں اور ہوائی جہازوں وغیرہ میں وہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے دل کا بہلاوا اور ان کی مہمان نواز ہے۔

عورت کی اس تنزلی اور عریانیت نے مغرب میں مرد اور عورت کے لیے ایک اور رشتہ پیدا کیا' جس کی بنیاد تقدس یا پاکیزہ جذبات پر نہیں' بلکہ محض جنسی ہوس اور حیوانی و شہوانی جذبات کی تسکین پر ہے اور وہ رشتہ ہے دوستانہ تعلق کا۔ اس کے لیے عورت وہاں بوائے فرینڈ کی تلاش میں رہتی ہے اور مرد گرل فرینڈ کی جستجو میں۔ حتیٰ کہ عورت کئی کئی بچوں کی ماں بن کر بھی بوائے فرینڈ بنانے کی فکر میں رہتی ہے اور ایک مرد کئی بچوں کا باپ بن کر بھی گرل فرینڈ کی جستجو میں رہتا ہے۔ نہ عورت صرف خاوند کی وفادار بن کر رہنے کے لیے تیار ہے اور نہ مرد اپنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف بیوی پر قناعت کرنے کے لیے تیار۔

مرد اور عورت کے درمیان یہ فرینڈ شپ (دوستانہ تعلق) وہاں اتنا عام اور وسعت پذیر ہے کہ اس کی وجہ سے ایک تو ان کا خاندانی نظام برباد ہو گیا اور دوسرے حیاء و عفت کا تصور یکسر ختم ہو گیا' اور زناکاری نہ صرف یہ کہ برائی نہ رہی بلکہ اس کی تہذیب کا ایک لازمی جز بن گئی۔ اب وہاں باہم رضامندی سے زنا کوئی جرم نہیں ہے' حتیٰ کہ کوئی نوجوان لڑکی اپنے ماں باپ کی موجودگی میں اپنے والدین کے گھر اپنے بوائے فرینڈ کو بلا کر اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے' تو والدین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی بچی کو اس شیطنت سے روک سکیں۔ اگر وہ روکیں گے تو یہ اس لڑکی کے حق آزادی میں مداخلت تصور ہو گی اور اس کی سزا جیل ہو گی۔ والدین جیل کی ہوا کھائیں گے اور نوجوان لڑکی اپنے ''دوست'' کے ساتھ ''خلوت'' کے مزے لوٹے گی۔

یہ ہے مغرب کی وہ تہذیب' جسے مغرب زدہ مرد وخواتین یہاں پاکستان میں فروغ دینے کی مذموم کوشش کررہے ہیں' حکومتی پالیسیاں بھی ان کی پشت پناہی کررہی ہیں بلکہ اب تو باقاعدہ نئی نسل کے نصابِ تعلیم میں جنسی تعلیم کو شامل کردیا گیا ہے' جس کی وجہ سے والدین اپنی اولاد خاص طور پر اپنی بچیوں کے بارے میں بہت پریشان ومضطرب ہیں۔اس تعلیمی نصاب میں بوائے فرینڈ بنانے اور پھر حمل سے بچنے کے طریقے تک کھول کر بیان کردیئے گئے ہیں۔اور حکومتی ذرائع ابلاغ شب وروز اس کے پھیلانے میں مصروف ہیں۔قومی اخبارات اور بہت سے رسائل بھی چند ٹکوں کی خاطر مغرب کی ان گندگیوں کو گھر گھر پہنچا رہے ہیں۔اس کے نتیجے میں ہمارے ملک میں بھی بے حیائی' بے پردگی' عریانی وفحاشی اور عصمت فروشی روز افزوں ہے۔

ظاہر بات ہے یہ صورت حال اہل ایمان واہل دین کے لیے سخت قلق واضطراب کا باعث اور نہایت پریشان کن ہے۔زیرنظر کتاب اسی قلق واضطراب کا ایک اظہار اور اسلامی معاشرے کو مغرب کی حیاء باختگی اور بے راہ راوی سے بچانے کی ایک مخلصانہ سعی وکاوش ہے۔مصنف مرحوم کی بھی اور ناشر واضافہ کنندہ کی بھی۔

فاضل مصنف رحمہ اللہ نے اسلام کے حجاب اور حیاء وعفت کے بے مثال نظام کو قدرے تفصیل سے واضح کیا ہے کہ ہم سب مسلمان مرد وزن خاص طور پر خواتینِ اسلام گناہوں سے کیسے بچ سکتی ہیں، اور اپنی زندگی اللہ کریم کے احکامات کے مطابق گزار کر اور کامیاب بنا کر اللہ کی رضا حاصل کرسکتی ہیں۔عزیزم طاہر نقاش ڈپٹی ایڈیٹر ہفت روزہ غزوہ لاہور نے حواشی میں مغرب کی بے حیاء تہذیب کی کچھ تفصیلات مہیا کی ہیں' جن سے بہ مصداق۔ تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا (چیزوں کی حقیقت اس وقت آشکارا ہوتی ہے جب اس کے بالکل مخالف چیزیں بھی سامنے ہوں) اسلامی تہذیب کی خوبیاں بھی واضح ہوجاتی ہیں' جس کی بنیاد حیاء وعفت کے تصورات پر قائم ہے اور مغربی تہذیب کی برائیاں بھی کہ جس کی بنیاد بے حیائی اور بے عفتی پر قائم ہے۔یوں اس کتاب میں دو آئینے ہیں کہ جن میں انسانیت کے سامنے دونوں رخ آجاتے ہیں۔ایک رخ وہ ہے جس میں شرم وحیاء کی پاکیزگی ہے' عفت وعصمت کی پاسداری ہے' گناہوں سے بچنے کے لیے کامل راہنمائی ہے، آبگینہ عفت پر کلوخ اندازی ہے' عورت کی بے توقیری ہے...... اور اس کے حسن وجمال کی ارزانی۔تہذیبی کشمکش کے اس دور میں انسانیت کے لیے کون سا رخ بہتر ہے' کس میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے اور دین ودنیا کی سعادتوں اور خوش بختیوں کا امین کون ہے؟ اس کا فیصلہ یہ کتاب پڑھ کر ہر عقل مند کرسکتا ہے۔لیکن اگر عقل پر جذبات کا غلبہ ہوجائے یا اس پر پردہ

پڑ جائے تو پھر بوالہوسی ہی اس کا مقصدِ زندگی قرار پاتا ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

لیکن جو اہل نظر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئی کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

یہ اہل نظر کون ہیں؟ اقبال کے الفاظ میں یہ وہ ہیں جن کی بابت اقبال نے خود ہی کہا ۔

خیرہ نہ کر دے مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ

حافظ صلاح الدین یوسف
۱۲۴/۴۰۔ شاداب کالونی
علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو۔ لاہور

جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ۔ اگست ۲۰۰۴ء لاہور

❀❀❀

حرف تمنا

مومنات صالحات، عابدات بہنیں

عفت وعصمت کا موتی چکنا چور ہونے سے بچائیں

خاتونِ اسلام کے پاس ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی دولت اس کی عفت وعصمت ہوتی ہے۔ عورت کی عفت وعصمت وہ گوہر گراں مایہ ہے کہ جس کے دم سے انسانیت کے تاج کی زیب وزینت اور رونق برقرار ہے..... عورت کی عفت وعصمت اگر محفوظ ہے تو وہ ایک انمول ہیرا ہے..... اگر اس عفت پر کسی قسم کی ہلکی یا شدید قسم کی کمی وکوتاہی واقع ہوگئی..... کسی قسم کی آنچ آ گئی..... اس عفت کے نازک شیشہ میں ہلکی سی بھی درز یا دراڑ آ گئی..... تو وہ کوڑیوں کی ہو جاتی ہے..... عفت وعصمت کا موتی محفوظ ہو تو تب اس کی قدر و قیمت اور اہمیت اوج ثریا تک جا پہنچتی ہے..... اگر یہ موتی چکنا چور ہو جائے تو..... پھر وہ گھٹ گھٹ کر خود بھی مرتی ہے..... اور اپنے ساتھ خاندان و برادری کے دیگر کئی افراد کو..... زندہ رہتے ہوئے بھی قبر میں پہنچا دیتی ہے..... اس موتی کا بے داغ رہنا قوموں کو بہادر و جرأت مند اور کسی عظیم مقصد کے لیے مر مٹنے اور دشمن کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ و جذبہ بخشتا ہے..... زندگی کو باوقار، پرسکون، روح پرور اور باعثِ راحت و رحمت بناتا ہے۔

اسی بنا پر اسلام نے عفت کے موتی کے تحفظ کے لیے اور گناہوں سے بچ کر کامیاب و سعادت مند زندگی گزارنے کے متعلق خاص طور پر رہنمائی فرمائی ہے..... احکامات وضع فرمائے..... گناہوں سے بچنے کے لیے خاص طور پر قوانین بنائے گئے..... حد بندیاں مقرر کی گئیں..... آزادیوں کو محدود کیا گیا..... تاکہ عفت کا موتی..... جتنا ہو سکے محفوظ و مامون بنایا جا سکے..... قرآن پاک میں خاص طور پر اس مقصد کو واضح کرنے کے لیے سورتیں نازل ہوئیں..... رسول اللہ نے (احادیث میں) بار بار اس کی طرف توجہ دلائی..... حتی کہ اس مقصد میں کامیابی یعنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھنے کو دنیا و آخرت کی کامیابی قرار دیا گیا..... اور غیر محفوظ کرنے والوں کو عبرتناک سزا کا مژدہ سنایا گیا۔

اس مقصد کی اہمیت کے پیش نظر مولانا ظفیر الدین رحمہ اللہ نے خاص طور پر تحقیقی کام کیا' جو کتابی شکل میں ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اللہ کریم نے اس کتاب کو اس قدر مقبولیت بخشی کہ سعودی عرب کے ادارہ مکتبہ الدعوۃ کی طرف سے یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر ایک عرصہ تک تبلیغی نقطہ نظر سے عوام میں بلا قیمت تقسیم ہوتی رہی۔ ایک عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس کتاب پر تحقیقی نوعیت کا کام ہونا چاہیے اور اس میں پائے جانے والے بعض سقم دور ہونے چاہئیں۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے دارالابلاغ کو بخشی کہ اس کے تحت علماء کی ایک ٹیم نے دو سال کی محنت اور تحقیق کے بعد اس کتاب کو ایک جدید خوبصورت شکل دی ہے۔ اور چونکہ اس میں تمام تر بحثوں اور تحقیقات کا مرکزی نکتہ گناہوں سے بچ کر اپنی عزت وعصمت کا تحفظ کرنا ہے اس لیے ہم نے اس نئی کتاب کا نیا نام بھی ''گناہوں سے کیسے بچیں؟'' رکھا ہے۔ اب اس کتاب کا یہ ایڈیشن مندرجہ ذیل خوبیوں کی بنا پر آج تک وقوع پذیر ہونے والی اشاعتوں پر فوقیت لے گیا ہے فللہ الحمد حمداً کثیراً۔

- ہر بات کا تفصیلی حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔
- احادیث مبارکہ کی تخریج کرنے کے ساتھ ساتھ حکم بھی لگا دیا گیا ہے
- بعض وضاحت طلب مقامات پر فٹ نوٹ میں
- اور بعض جگہوں پر متن میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔
- سند اور متن کے اعتبار سے صحیح روایات کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے۔
- موضوع روایات کو تخریج کے بعد خارج کر دیا گیا ہے۔
- آیات کے حوالے درست اور مکمل کر دیئے ہیں۔
- کتاب کی زبان کو جدید قالب میں ڈھال کر سہل وسلیس کر دیا گیا ہے یعنی اس کی تسہیل کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔
- بعض وضاحت طلب مقامات پر ہم نے عصر حاضر کے محقق مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان اور مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے تفسیری حواشی بھی دے دیئے ہیں۔
- اسی طرح حافظ عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی ''تیسیر القرآن'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور اس سے بھی بعض مفید نکات درج کیے گئے ہیں۔
- اسلام کے قوانین عفت وعصمت سے بغاوت کرنے کے نتیجہ میں انجام کار بد اور عبرتناک ہلاکت کس طرح واقع ہوتی ہے؟..... اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ہم نے کتاب میں

یورپ کی عفت وعصمت کے قوانین کو پامال کرنے کے بعد اور گناہوں کے بے دریغ ارتکاب کے بعد برپا ہونے والی عبرتناک ہولناک اور خوفناک تباہی کے مناظر کا عکاس تقریباً ۷۰ صفحات پر مشتمل مواد فٹ نوٹس کی شکل میں کتاب میں شامل کردیا ہے۔

- کتاب کی نظر ثانی کے لیے محترم جناب مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے اس کتاب پر بھرپور محنت کی اور بعض جگہ فٹ نوٹ میں اپنے وضاحتی نوٹس بھی درج کیے ہیں۔
- اسی طرح محترم مفسر قرآن صاحب احسن البیان فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بھی اس کی نظر ثانی کی اور کتاب کے حرف بحرف تنقیدی مطالعے کے بعد اس کو مزید مفید بنانے میں ہماری معاونت کی' اور مزید مفید مشورے دیئے۔
- بھائی نصیر احمد کاشف صاحب نے اس کی تخریج میں اور ابوالفردوس مولانا مطیع اللہ صاحب نے اس کی تسہیل میں میری ہر طرح سے مدد کی۔
- اسی طرح کتاب کو ہر طرح سے خوبصورت اور جاذب نظر بنانے کے لیے بھائی محمد جاوید اور علی حیدر صاحبان نے اپنی تمام فنی صلاحیتوں کے ذریعہ سے ساتھ دیا۔ میں ان تمام شیوخ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے زندگی کی بھاگ دوڑ میں سے اور دعوتی سرگرمیوں میں سے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو مفید بنانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ ان مذکورہ امور کے علاوہ اور بھی کئی طرح کا کام اس کتاب پر کیا گیا فللہ الحمد لیکن طوالت کے خوف سے ان کا ذکر چھوڑتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ تمام مذکورہ شیوخ کرام اور ان بھائیوں کو جن کا ذکر نہیں کر سکا جبکہ انہوں نے اس کتاب کی تحقیق وترتیب میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا' سب کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بہترین صلہ واجر دے اور اس کو ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

آخر میں بندہ اپنے والد مرحوم کے لئے دعاء گو ہے کہ ان کی انتھک محنتوں اور کوششوں سے بندہ اس مقام تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں' محنتوں اور کوششوں کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں خاص مقام عطاء فرمائے۔ آمین۔ اور بندہ کے لئے بھی اس کتاب کو ذریعہ نجات بنائے اور عامۃ الناس کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے عفت وعصمت کے موتی کے تحفظ اور گناہوں کے ارتکاب سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یارب العالمین

خادم کتاب وسنت

محمد طاہر نقاش

۱۳ مارچ ۲۰۱۳ء لاہور

قبل از اسلام عورتوں کا مقام و مرتبہ

انسان مجموعہ اضداد ہے۔ خیر و شر' محبت وعداوت اور ملکیت وشیطنت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ انسانوں میں سے ہی وہ برگزیدہ ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں جنہیں ہم انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اولاد آدم ہی سے تھے جو ہامان وشداد' فرعون ونمرود بن بن کر وہ سب کچھ کرتے رہے' جس کے خیال سے آج بھی ہم کانپ اٹھتے ہیں۔

رحمتِ الٰہی:

مگر رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے' کہ اس کی رحمت بے پایاں ہمیشہ سایہ فگن رہی۔ اور ہر زمانہ میں غیب سے کچھ ایسے ساز وسامان مہیا ہوتے رہے' جن سے بگاڑ' سنوار اور فساد' صلاح کی شکل اختیار کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں خاتم المرسلین رسول رب العالمین محمد ﷺ کی ذات گرامی کو رحمت للعالمین بنا کر ارحم الراحمین نے انسانی نسلوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا۔ اور خالقِ کائنات کی طرف سے یہ اعلان ہوا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۞ ﴾ (المائدہ : ۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''

اس طرح سے قرآن اور اس کا بیان (یعنی حدیث رسول) آخری دستور العمل کی حیثیت سے بنی آدم کے سپرد کیے گئے۔ جو انسانی زندگی کے لیے ہمہ گیر جامع نظام حیات پر مشتمل ہیں۔ کوئی شعبہ آدمی کی زندگی کا ایسا نہیں' جس کے متعلق کتاب وسنت میں راہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔

نظام نسل انسانی:

نوع انسانی کی بقاء اور اس کے تحفظ کے لیے رب العزت نے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری کیا اور مرد اور عورت کے نام سے دو جنسیں پیدا کیں۔ دونوں میں باہم جذب وکشش کے فطری جذبات ودیعت کئے اور ہر صنف میں دوسری صنف کی طلب کا تقاضا محفوظ کیا جس کا نتیجہ ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کو اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھنے پر مجبور ہے اور یہ ایک لاریب حقیقت ہے کہ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد' کامل مرد رہتے ہوئے' عورت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا' اسی طرح عورت' عورت کے لباس میں رہتے ہوئے' مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گزار سکتی۔ مگر انسان جلد باز اور عجلت پسند واقع ہوا ہے۔ اس نے زندگی کے اس اجتماعی شعبہ میں بھی افراط وتفریط پیدا کی اور جنسی خواہشوں کی راہوں میں ان قدرتی نشان زدہ حدود سے ہٹتا رہا۔ جن سے تجاوز میں خود انسانیت اور انسانی نسلوں کی بربادی تھی۔

پس اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں فطرت کو انسانیت کی حدود پر کھینچ کھینچ کر پہنچایا۔ وہیں جنسی میلان کی راہوں میں بھی اعتدال کا جو فطری وطبعی نقطہ ہوسکتا تھا اس پر چاہا کہ حدود سے ہٹنے والوں کو واپس لایا جائے۔ اس سلسلہ میں آئین وقوانین کا ایک مستقل ضابطہ عطاء کیا گیا ہے۔ ہم ایک خاص رنگ میں اسی ''ضابطہ حیات'' کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں کہ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر' اپنے رسول کی عظمت اور آخرت کا خوف ہوگا۔ یہ معروضات ان کی اصلاح کا ذریعہ بن جائیں گی۔ ان شاء اللہ

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جس زمانہ میں اس شعبۂ زندگی کی آئینی دفعات کو لوگوں کے سامنے رکھا تھا' یہ وہ زمانہ تھا کہ رشتۂ ازدواج کا بنیادی مقصد بھلایا جا چکا تھا۔ سکون اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن وشوہر کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ باہمی محبت ورافت کا وہ جذبہ ختم ہو چکا تھا' جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور اسی طرح اس رشتہ کا کوئی اور نیک اثر بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اللہ اکبر! ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی ''روح'' عفت وعصمت تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی!! چھلکے رہ گئے تھے' مغز غائب ہو چکا تھا۔

عورتوں کی مظلومیت:

ہر جگہ صنفِ نازک (عورتیں) مردوں کے ظلم وجور کی شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد' مرد نہیں بلکہ

نازک وکمزور صنف کے مقابلہ میں جنگل کا درندہ بنا ہوا تھا۔ توہینِ نسواں کرۂ زمین کی انسانی بستیوں کا ایک عام حادثہ تھا۔ اس سلسلہ میں شائستہ وناشائستہ متمدن وغیر متمدن اقوام وافراد میں سچ پوچھیے تو کچھ بھی فرق باقی نہ رہا تھا۔ چوپاؤں اور گھر کے دوسرے ساز وسامان کی طرح عورتیں خریدی اور بیچی جانے لگیں۔ حتیٰ کہ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جبر وتشدد پر اُتر آیا۔ اور حد یہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کا پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ یعنی اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ مردوں نے ان غریب عورتوں کو دولت کمانے کا ذریعہ بھی بنالیا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان کی ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جس کا مقصد نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعثِ ننگ وعار سمجھی جاتی تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ہی بچی کو زندہ درگور کردینا' اسی کو بعض ظالموں نے اپنی شرافت وافتخار کا تقاضا اور معیار وکسوٹی قرار دے رکھا تھا۔ جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق جو معلومات قرآن سے حاصل ہوتی ہیں' عبرت کے لیے تو وہی کافی ووافی ہیں۔

بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر

باپ کے دل میں لڑکی کی ولادت کی خبر جس اثر کو پیدا کرتی تھی قرآن میں اس کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝﴾ (النحل: ۱۶/ ۵۸، ۵۹)

''اور جب ان (مشرکین) میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے (تو اس کے) چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غصے کے گھونٹ پیتا ہے اور محض اس خبر کی بنا پر خاندان سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس بچی کو گھر رکھ کر ذلت برداشت کروں یا کہ اسے زندہ ہی درگور (دفن) کردوں۔ خبردار! ان کے یہ کیسے برے فیصلے ہیں۔''

اجمالاً اسی کا اعادہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝﴾

(الزخرف: ۴۳/ ۱۷)

''اوران کافروں میں سے جب کسی کو اس چیز کے (پیدا) ہونے کی خبر دی جائے جس کو وہ اللہ کیلئے بیان کرتا ہے (یعنی بیٹی پیدا ہونے کی خبر) تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصے میں بھر جاتا ہے۔''

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ جاہلیت والے ایک طرف فرشتوں کو اللہ کریم کی بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ (یعنی مقدس ''دیویوں'' کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا) اور دوسری طرف ان میں سے کوئی لڑکیوں کا باپ بننے کی ذلت کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ اسی ''فرضی تضاد'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں پوچھا گیا ہے:

﴿ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۷/ ۴۰)

''کیا تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بیٹے دے دیئے اور خود اپنے لیے (فرشتوں کو) بیٹیاں بنالیا ہے؟! بے شک تم بہت بڑی (غلط) بات کہہ رہے ہو!۔''

اور خبر کے رنگ میں اسی کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (النحل : ۱۶/ ۵۷)

''اور وہ اللہ کے لیے تو (فرشتوں کو) بیٹیاں تجویز کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس (بیٹوں اور بیٹیوں کے چکر) سے پاک ہے۔ لیکن اپنے لیے وہ جو وہ چاہیں (یعنی بیٹے)''۔

بچیوں کا بے رحمانہ قتل:

یہ احساس تھا جاہلیت میں غریب لڑکیوں کے متعلق!! پھر کون سا تعجب ہے کہ اگر اکثر لوگ اس ذلت سے بچنے کے لیے بچیوں کو مار ڈالتے ہوں۔ انہی سنگ دلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ ﴾ (التکویر : ۸۱/ ۸،۹)

''اور جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کردی گئی تھی' پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی؟۔''

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذلت ورسوائی کے علاوہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی لوگوں کو ''قتلِ اولاد'' کے جرم کا مجرم بنائے ہوئے تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے قرآن میں حکم دیا گیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۝﴾

(الانعام : ٦/ ١٥١)

''اور اپنی اولاد کو افلاس (ناداری' غربت' بھوک) کے خوف سے قتل نہ کرو' ہم ہی تم کو روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی (دیں گے)''

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝﴾ (بنی اسرائیل : ١٧/ ٣١)

''اور اپنی اولاد کو غربت و افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو اور ہم ان کو اور تم کو دونوں کو روزی دیتے ہیں (اور مستقبل میں بھی دیتے رہیں گے) بے شک ان بچوں کو مار ڈالنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔''

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی غیر فطری حرکات کی وجہ سے عورتوں کی تعداد زمانہ جاہلیت میں گھٹتے ہوئے اس حد کو پہنچ گئی تھی' جو حال میں ہندوستان کی بعض قوموں میں ''دختر کشی'' کی ظالمانہ رسم نے پیدا کر دی ہے حتیٰ کہ بھاری بھاری قیمتیں ایک ایک عورت کے لیے ان کو ادا کرنی پڑتی ہیں اور یوں ''نسوانی وجود'' کو ان میں بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے عرب جاہلیت کی بعض روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''بیوی'' کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کے حاصل کرنے میں کافی قیمت صرف کرنا پڑتی تھی۔

عفت وعصمت کی بربادی:

مگر جاہلیت کے جس دور کے لوگوں پر قرآن میں اس حکم کے نافذ کرنے کی ضرورت ہوئی یعنی:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝﴾ (النور : ٢٤/ ٣٣)

''اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو' بالخصوص اس وقت جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں (سوچو تو سہی کہ تم یہ صرف اس لیے کرتے ہو کہ) تم کو دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل ہو جائے؟۔''

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''نسوانیت'' کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا؟

صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں رہن بھی رکھی جاتی تھیں۔ جیسے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف (یہودی سردار) کی طرف گیا اور غلہ قرض دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا:

((اِرْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ))[1]

''اس نے کہا: ''تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو' (قرض طلب کرنے والوں نے) کہا: ''ہم تمہارے ہاں اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں جب کہ تم عرب میں سب سے خوبصورت ہو؟''

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایئے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی؟!

جاہلیت میں نکاح کا نام تو ضرور تھا مگر اس کی حالت کیا تھی؟ کہنا تو یہ چاہیے کہ اس کی اکثر صورتیں زنا کی تھیں ورنہ اتنی بات تو بہر حال ہے کہ عورت کی عصمت وعفت کی کوئی قدر نہ تھی۔

جاہلیت کے نکاح:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں رہیں:

1. ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے۔
2. اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ تیرا حیض کا خون بند ہو جائے تو فلاں مرد کے پاس چلی جانا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہونا اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا۔ جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا' چنانچہ جب غیر مرد کا حمل نمودار ہو جاتا' اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا۔ ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو۔ اس کو ''نکاح استبضاع'' کہا جاتا تھا۔ گویا تخم حاصل کرنے کا ایک طریقہ تھا۔
3. تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے۔ مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی۔ عورت کو جب حمل ظاہر ہوتا' بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ دن گزر

[1] بخاری۔ کتاب فی الرھن فی الحضر: باب رھن السلاح (ح ۲۵۱۰)

جاتے تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی' کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے تو یہ عورت کہتی: ''تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے۔ اور اب میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اے فلاں شخص! یہ تمہارا بچہ ہے' تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو'' چنانچہ یہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

④ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم سے جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں کہ: ''ان تمام ناجائز صورتوں کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بند کر دیا۔

((فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ))[1]

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے تمام جاہلی نکاحوں کو بند کر دیا صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت وعفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی۔ جہاں اپنی رضاء مندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے اس سے اندازہ کیجئے کہ عورت اور اس کی عفت وعصمت کے متعلق جاہلی احساسات' دناءت' ورزالت کی کن حدود تک پہنچ چکے تھے؟ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔

نسوانی ناموس کا حشر غیر عرب میں

یہ تو آپ نے جاہلیت کی ظلمت میں عرب کا حال دیکھا۔ اب بتانا یہ ہے کہ عرب سے باہر

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب من قال لانکاح الابولی (ح ۵۱۲۷)

عورتوں کے ساتھ اور ان کی عفت و عصمت کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمایئے:

''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔''[1]

''اسپارٹا میں اس بد نصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے۔ جس وقت کسی عورت کا بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد ملکی کی غرض سے اسے (عورت کو) دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے۔''[2]

یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طوائف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔[3]

''عہد قدیم'' کے ''باب واعظ'' میں لکھا ہے:

''جو کوئی اللہ کا پیارا ہے وہ اپنے آپ کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا ہے۔ لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو اللہ کی پیاری ہوتی۔''[4]

روم و یونان میں:

''روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی اور اس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا جبکہ شوہر کو اس کی جان پر بھی پورا حق حاصل تھا۔ اور یہی حال یونان کا تھا۔''[5]

یہودی قانون میں:

توریت استثناء باب ۲۵ نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے:

''اگر دو بھائی یکجا رہتے ہوں اور ان میں سے ایک بے اولاد مر جائے تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اسے ادا کرے۔ اور یوں ہوگا کہ پہلوٹھا جو

---

۱ تمدن عرب: ص ۳۷۲۔ ۲ تمدن عرب: ص ۳۷۲۔
۳ تمدن عرب: ص ۳۷۲ ۴ تمدن عرب: ص ۳۷۲۔
۵ ایضاً

اس سے پیدا ہو تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہوگا۔ تا کہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے اس کے نزدیک (پہنچ کر) اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور کہے کہ: ''اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بنائے گا' یہی کیا جائے گا۔ اور اسرائیل میں اس کا یہ نام رکھا جائے گا کہ ''یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا۔''[1]

نیز کتاب مقدس میں لکھا ہے:

''عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔''[2]

ہندو قانون میں:

ہندوؤں کے قانون میں عورت اور اس کی عصمت وعفت کی کیا قدر تھی؟ اس سلسلہ میں پہلے ''ستیارتھ پرکاش'' مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے: ایک براہم' دوسرا دیو' تیسرا آرش' چوتھا پرجاپت' پانچواں آسر' چھٹا گاندھرب' ساتواں راکشش' آٹھواں پیشاچ۔

ان بیاہوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1. دولہا دلہن کامل برہمچاری' پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں تو ان کا باہم رضاء مندی سے بیاہ کرنا ''براہم'' کہلاتا ہے۔
2. بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا ''دیو۔''
3. دولہا سے کچھ لے کر بیاہ ہونا ''آرش۔''
4. دونوں کا دواہ دھرم کی ترقی کے لیے بیاہ ہونا ''پرجاپت۔''
5. دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا ''آسر۔''
6. بے قاعدہ' بے موقع کسی وجہ سے دولہا دلہن کا بامرضی میل ہونا ''گاندھرب۔''
7. لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا ''راکشش۔''
8. سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی' یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہمبستر ہونا ''پیشاچ''

---

[1] حاشیہ اسلام کے سیاسی نظریئے: ج۱' ص۲۱۸۔ [2] تمدن عرب: ص۳۷۳

بیاہ کہلاتا ہے۔[1]

خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے۔[2] منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

برہمنوں کے ہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کے حکم کو پا کر عورت رشتہ دار سے یا دیور سے حسب دلخواہ اولاد حاصل کرے۔[3]

''ستیارتھ پرکاش'' میں ہے:

''بانجھ عورت ہو تو آٹھویں برس (بیاہ سے آٹھ برس تک عورت کو حمل نہ ٹھہرے) اور ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب اولاد ہو' تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس تک اور جو بد کلام ہونے والی ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔''[4]

''ایسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے' اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد پیدا کرے۔''[5]

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو' تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ:

''اے نیک بخت! اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر' کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجیے۔''[6]

نیوگ کے اور بھی بیسوں مواقع اس کتاب میں مذکور ہیں۔[7] یہ تو شادی بیاہ کا حال تھا۔

---

1. ستیارتھ پرکاش: باب ۴ص ۱۱۷' ۱۱۸۔
2. تمدن عرب: ص ۳۶۸۔
3. حاشیہ اسلام کے معاشی نظریے: ص ۲۱۸۔
4. ستیارتھ پرکاش: باب ۴' ص ۱۵۲' ۱۵۳۔
5. ایضاً 6. ایضاً
7. ہندوؤں کا ایک فرقہ آریہ سماج جو کہ خود کو روشن خیال اور ترقی یافتہ سمجھتا ہے' اس امر کی کھلم کھلا اجازت دیتا ←

اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سنئے:

''ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر' طوفان' موت' جہنم' زہر' زہریلے سانپ

ہے کہ دونوں مرد اور عورت نیوگ کر سکتے ہیں۔ اب سنئے کہ نیوگ کیا بلا ہے۔ اس سلسلہ میں ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں جو دیا نند جی اس کی مذہبی تصنیف ''ستیارتھ پرکاش'' سے ہوبہو نقل کیے جاتے ہیں' دیانند جی لکھتے ہیں:

''نیوگ شدہ عورت یا مرد دو چار سے زیادہ اولاد پیدا نہیں کر سکتے۔ جب نیوگ شدہ عورت کو حمل ٹھہر جائے تو اس دن سے عورت کا تعلق قطع ہو جاتا ہے ہاں نیوگ شدہ عورت دو تین برس تک ان لڑکوں کی پرورش کر کے نیوگ شدہ مرد کو دے دے۔ ایک بیوہ عورت دو اولاد اپنے لیے اور دو دو دیگر چار نیوگ شدہ مردوں کے لیے پیدا کر سکتی ہے۔ اور ایک رنڈا مرد بھی دو اولاد اپنے لیے اور دو اور دیگر چار بیوگان کے لیے پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت دید میں ہے''۔

دیانند جی بتلاتے ہیں:

''ویدشاستروں کے فرمان کے مطابق' نیوگ میں زنا کاری اور شرم نہ ماننی چاہیے''۔ (صفحہ ۱۹۲)

ثابت ہوا کہ ''نیوگ'' ہندو مذہب کی طرف سے دو اجنبی مرد و عورت کے عارضی شادی کے نام پر باہم زنا کاری اور بدکاری کرنے کی اجازت کا نام ہے۔

''وید'' ہندوؤں کے نزدیک الہامی کلام پر مبنی مقدس کتب ہیں' جنہیں وہ الہامی قرار دیتے ہوئے' اسی سے وہ نیوگ (زنا کاری) کرنے کو ثابت کرتے ہیں۔ دیانند جی ''نیوگ'' کرنے کو باعث ثواب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''نیوگ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ نیوگ کا اعلان ہونا چاہیے۔ مرد اور عورت کی رضاءمندی ضروری ہے۔ جب عورت مرد کا نیوگ ہونا ہو تب اپنے خاندان میں عورتوں اور مردوں کے سامنے ظاہر کریں''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اعلان کرے کہ وہ فلاں مرد کے ساتھ ہم بستر ہوگی۔ اس لیے کہ پہلے خاوند سے بیوہ ہونے کی صورت میں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے وہ فلاں مرد سے نیوگ کروائے گی۔ معاشرے کی کونسی عورت' کس طبقے کے مرد سے ملاپ کر سکتی ہے' دیانند جی کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ بھی ضروری ہے کہ ویش عورت ویش' کھتری اور برہمن مرد کے ساتھ۔ اور کھشتری عورت کھشتری اور برہمن مرد کے ساتھ۔ اور برہمن عورت صرف برہمن مرد کے ساتھ نیوگ کر سکتی ہے''۔

دیانند جی نیوگ کی تائید میں شاستروں سے ہی حوالے پیش کرتے ہیں۔ جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اور پڑھیے اور ویدک دھرم کی انوکھی تہذیب کا اندازہ لگائیے کہ آیا یہ تہذیب ہے یا اخلاق انسانی کی تخریب ہے؟ نیکوکاری ہے یا بدکاری ہے۔

ان میں کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت!"[1]

"ہنو کا قانون کہتا ہے: عورت صغر سنی میں باپ کے مطیع ہے۔ جوانی میں شوہر کی۔ شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی۔ اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی۔ کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کر سکے۔"[2]

ظہور اسلام سے پہلے ہندوستانی مقنن قدیم نے اس بے اعتباری کو صاف ظاہر کیا ہے کہ

اپنے خاوند کو چھوڑ' دوسرے مرد تلاش کر!:

دیانندی جی ص ۱۹۵ پر رقمطراز ہیں:

"اے بیوہ عورت! تو اس مرے ہوئے خاوند کی امید چھوڑ کر باقی مردوں میں سے دوسرے زندہ خاوند کو حاصل کر۔ اور اس بات کا خیال اور یقین رکھ کہ اگر تجھ بیوہ سے نیوگ کرنے والے خاوند کے لیے نیوگ ہوگا تو پیدا شدہ بچہ اس نیوگ کرنے والے خاوند کا ہوگا۔ اور اگر تو اپنے لیے نیوگ کرے گی تو اولاد تیری ہوگی اور نیوگ کرنے والا مرد اسی اصول کی پابندی کرے"۔

صفحہ ۱۹۶ پر مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

"اے بانجھ عورت! جو تیرا پہلا بیاہتا خاوند بنتا ہے اس کا کنوار پن وغیرہ اوصاف والا ہونے سے سوم (محروم) ہوتا ہے۔ جو دوسرے نیوگ (ملاپ) سے حاصل ہوتا ہے وہ گندوھر۔ جو دو کے پیچھے تیسرا خاوند ہوتا ہے وہ بہت حرارت رکھنے سے اگنی نام والا' جو چوتھے سے لے کر گیارہویں تک نیوگ سے خاوند ہوتے ہیں وہ منش کے نام سے موسوم ہوتے ہیں"۔

اب حساب سمجھ لیجئے کہ اس منتر کی رو سے گیارہویں مرد تک عورت نیوگ کر سکتی ہے۔ یعنی زنا کاری کے ٹٹو پال سکتی ہے۔ ویسے مرد بھی گیارہویں عورت تک نیوگ کرتا ہے۔

بہرحال ویدمت کی یہ آ گیا ہے کہ اولاد جس طرح ہو سکے پیدا کی جائے۔ اصل عبارت از ستیارتھ پرکاش مصنفہ دیانند جی صفحات ۲۰۰' ۲۰۱ مطبوعہ آریہ پستکالیہ لاہور یکم اپریل ۱۹۳۰ء ملاحظہ ہو' کہتے ہیں:

"اگر حاملہ عورت سے ایک ایک سال مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لیے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زنا کاری کبھی نہ کریں"۔

اسے کہتے ہیں چتر و دیا کہ زنا کرو مگر اسے زنا نہ کہو۔ بدکاری کرو مگر اسے نیکوکاری کہو۔ حرام کرو مگر اسے جائز کہو بے شرم خاوند کو عالی حوصلہ کہو۔

[1] ستیارتھ پرکاش: باب ۴' ص ۱۵۲' ۱۵۳۔

[2] ایضاً۔

کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں انڈا تلا جا سکتا ہے۔[۱]

مسیحی قانون:

ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے' وہ مسیحی تصور کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتا ہے:

''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے' وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی' خدا کے قانون کو توڑنے والی' اور خدا کی تصویر' مرد کو غارت کرنے والی ہے۔''[۲]

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے' عورت کے حق میں کہتا ہے:

''ایک ناگزیر برائی' ایک پیدائشی وسوسہ' ایک مرغوب آفت'[۳] ایک خانگی خطرہ'

---

[۱] تمدن: ص۳۷۴۔

[۲] پردہ از مولانا مودودیؒ: ص۱۲۔ نیا ایڈیشن اسلامک پبلی کیشنز لاہور ص ۲۵

[۳] اسی طرح مختلف اقوام میں دیگر مختلف فقرے رائج ہیں مثلاً:

''اے کمزوری تیرا دوسرا نام عورت ہے۔''

''عورت دراصل فطرت کی مرد بنانے میں ناکامی ہے۔''

''عورت رکی ہوئی نشوونما ہے۔''

''خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے عورت نہیں بنایا۔''

''عورت ایک کوتاہ قد' تنگ کندھوں' چوڑے کولہوں اور چھوٹی ٹانگوں والی جنس ہے۔''

''جب تم عورت کے پاس جاؤ تو اپنا چابک لینا نہ بھولنا۔''

اسی طرح مختلف فلسفیوں اور ادیبوں کے سینکڑوں دیگر جملے ہیں جن سے عورت کی اہانت وتحقیر کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

امریکہ ویورپ میں اگر کہیں کہیں اکا دکا خاندان کا وجود پایا جاتا ہے کہ خاندان کے افراد کا مختلف مقامات پر رہتے ہوئے بھی آپس میں رابطہ ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے دو تصویریں آپ کے سامنے رکھی جاتی ہیں:

پہلی تصویر: بیٹی باپ کے در پہ بیٹھی رو رہی تھی۔

دوسری تصویر: بیٹی نے باپ کو ڈنڈے مار مار کر گھر سے نکال دیا۔

امریکہ ویورپ میں اگرچہ عورت کی آزادی کے پرفریب نعرے لگائے جا رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں عورت کو اب پہلے سے بھی زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس سوچ وفکر کا اثر معاشرتی یونٹ ''خاندان'' پر پڑا ہے اور اس نے اس کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اب وہاں خاندان کی شکل میں زندگی گزارنا [illegible] بن کر رہ گیا ہے ←

ہے۔

امریکہ اور یورپ کے اکثر ملکوں میں خاندانی زندگی تباہ و برباد ہو چکی ہے اور خصوصاً برطانوی معاشرے کا حلیہ تیزی سے بگڑ رہا ہے۔ برطانیہ میں 20 ہزار افراد سے بات چیت کر کے BBC نے جو جائزہ مرتب کیا' اس کے مطابق وہاں ایک چوتھائی گھرانوں میں روایتی کنبے رہتے ہیں باقی دو تہائی بغیر شادی کے اکٹھے رہتے ہیں یا تنہا زندگی گزارتے ہیں۔'' (جنگ لاہور 28 ستمبر 19ء) خاندانی زندگی کی تباہی کا اندازہ ایک اس واقعے سے بھی ہوتا ہے' جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی عصری محفل میں سنایا تھا۔ انہوں نے فرمایا' کہ پیرس میں ایک شخص کسی دوسرے شخص سے ملنے اس کے گھر گیا۔ اس نے دیکھا کہ مکان کی سیڑھیوں پر ایک جوان لڑکی بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ اس شخص نے رک کر لڑکی سے رونے کی وجہ معلوم کی تو اس نے جواب دیا' کہ جس شخص سے آپ مل کر آ رہے ہیں وہ میرا باپ ہے۔ میں اس کے پاس اس مکان کا ایک کمرہ کرائے پر لینے آئی تھی۔ لیکن اس نے مجھے یہ کہہ کر کمرہ کرائے پر دینے سے انکار کر دیا ہے کہ ایک دوسری جگہ سے اسے زیادہ کرایہ مل رہا ہے' اس لیے وہ مجھے کمرہ کرایہ پر نہیں دے گا۔ لڑکی ہچکیاں لے کر روتے ہوئے بولی: اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟'' (ماہنامہ ''قافلۂ حق'' لاہور نمبر ۱۹ ص ۳۵)

تنظیم اساتذہ کے ایک رفیق پروفیسر سید بہادر شاہ پولینڈ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے ہوئے ہیں اور وہاں کے مشاہدات تنظیم اساتذہ کے ماہنامہ مجلّہ ''افکار معلم'' میں لکھتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے لکھا کہ ایک بوڑھا اپنی بیٹی کے گھر آیا اور وہاں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر بیٹی نے صاف انکار کر دیا اور بوڑھے کے اصرار پر اسے ڈنڈے مار مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔ شور سن کر لوگ جمع ہوئے تو بیٹی نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے مجھے رقم کی ضرورت پڑی تو میرے اس باپ نے باقاعدہ شرح سود طے کر کے رقم دی اور اصل زر کے ساتھ سود بھی وصول کیا۔ اب میں اسے اپنے گھر میں کیوں ٹھہراؤں؟ (''افکار معلم'' فروری 92ء ص 64)

جن دنوں عورت کو تاریخ اسلام میں پہلی بار انسانی حقوق سے نوازا جا رہا تھا ''ماکون'' کی مجلس اس مسئلہ پر غور و فکر کر رہی تھی' کہ عورت بغیر روح کے جسم ہے' یا اس کے اندر روح بھی ہے؟ آخر میں انہوں نے یہ تجویز منظور کی کہ عورت کا جسم (جہنم کے عذاب سے) نجات پانے والی روح سے خالی ہوتا ہے۔ البتہ والدۂ مسیح (علیہا السلام) اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر جب یورپین قوموں نے مسیحی مذہب قبول کیا تو اس دین کے جاہل لوگوں کی آراء ان پر بھی اثر انداز ہوئیں۔ چنانچہ ۵۸۶ء (یعنی ٹھیک عہد نبوی) میں فرانسیسیوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لیے ایک مجلس مشاورت بلائی' کہ آیا عورت انسان ہے یا نہیں؟ آخر میں ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ عورت انسان ہے البتہ اس کا مقصد تخلیق مردوں کی خدمت کرنا ہے۔ بس!...... یہ بھی عجیب بات ہے کہ انگریزی قانون نے ۱۸۰۵ء تک مردوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو فروخت

کر سکتے ہیں اور ایک عورت کی قیمت چھ پنس (نصف شلنگ یا ایک شامی لیرہ) مقرر تھی۔

چند سال پہلے ایک عجیب سانحہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ایک اٹالین نے کسی کے ہاتھ اپنی بیوی کو قسطوں پر فروخت کیا۔ جب خریدار باقی ماندہ قسطیں ادا نہیں کر سکا تو اٹالین نے اس خریدار کو مار ڈالا۔

(المرآة بين الفقه والقانون باختصار ۲۰'۲۱) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''پردہ'' میں (ص ۲۵ پر) نیا ایڈیشن اسلامک پبلی کیشنز لاہور کے ص ۲۴ بالمعنی لکھا ہے:

مسیحی پادریوں کا اوّلین بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ عورت معصیت کا سرچشمہ اور فسق و فجور کی جڑ ہے۔ مرد کے لیے اس کی حیثیت جہنم کے دروازے کی سی ہے کیونکہ وہی اس کی ساری تحریک اور سرگرمی کا نتیجہ ہے اور اسے گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔ انسانی مشکلات اور پریشانیوں کا بڑا سبب بھی یہی عورت ہے۔ اور عورت جب عورت ٹھہری' تو وہ کتنی ہی حسین و جمیل کیوں نہ ہو' اسے اپنے حسن و جمال کے باوجود شرم آنی چاہیے۔ کیونکہ وہ سراپا گناہ اور گناہوں کے اسلحہ خانہ کا سب سے بڑا حربہ ہے۔ عورت کو سدا اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ زمین اور زمین والوں پر بدبختی اور سب سے بڑی مصیبت لانے والی کوئی اور نہیں' یہی ہستی ہے۔

ممکن ہے کوئی کہنے والا یوں کہے کہ یورپین اقوام کے ماضی سے ہمیں بحث نہیں کرنی چاہئے۔ اس لیے کہ موجودہ یورپ نے آج عورتوں کو بہت سارے حقوق دے رکھے ہیں اور سماج میں ان کے رتبہ کو بے حد اہم سمجھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اب انہیں عورتوں کے مرتبہ کا احساس ہوا ہے۔

جواب میں عرض کروں گا کہ (ایسا نہیں ہے) بلکہ یورپ نے دراصل عورتوں کو کارخانوں اور کام کاج کے میدانوں میں اس لیے دھکیل دیا ہے تا کہ اس کے اخراجات سے خود سبکدوش ہو جائیں۔ اس طرح ان ظالموں نے بچوں کو ماں کی شفقت اور پیار سے محروم کر رکھا ہے۔ لیکن اس کی بھی انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ کیونکہ اب ان کے اندر سے ایسی نسل نے جنم لیا ہے جو توڑ پھوڑ پر یقین رکھتی ہے۔ جس نے مغربی تہذیب کی چولیں ہلا دی ہیں اور آج جس کی وجہ سے زمین طرح طرح کے بگاڑ' پیچیدہ امراض اور عجیب و غریب وباؤں سے بھری پڑی ہے۔

ان نام نہاد حقوق کے تحت آج عورت مردوں کے لیے کمائی کا ذریعہ' اور روپیہ سمیٹنے کی مشین بن چکی ہے۔ اسے سڑکوں' چوراہوں' اسٹوروں' رقص گاہوں اور مختلف سٹالوں کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ اسے مرکزی کردار دے کر بدکاری کی فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔ تا کہ ان کے پاس اور گرگے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ سکیں۔

پھر بدقسمتی سے جب ان کی چڑھتی جوانی اتر جاتی ہے اور ان کا حسن و جمال ماند پڑ جاتا ہے تو انہیں دھتکار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ اور اب وہ جوتے صاف کرنے' سڑکوں پر جھاڑ دینے' پاخانے دھونے اور بوجھ اٹھا کر

ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔"[1]

عورتوں سے متعلق مروجہ فقرے:

عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں ان سے بھی عورتوں کی قدر ومنزلت پر روشنی پڑتی ہے:

روسی مثل ہے۔"دس عورتوں میں ایک بدروح ہوتی ہے"۔

اطالویوں کا قول ہے۔"گھوڑا اچھا ہو یا برا' اسے مہمیز کی ضرورت ہے۔عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔"

اسپینی زبان میں مثل ہے"بری عورت سے بچنا چاہیے مگر اچھی صورت پر بھی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔"[2]

غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات:

اسلام سے پہلے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق و روح اور اس کی ترقی کے لیے رکاوٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے' ان سب میں عورت کو اور عورت و مرد کے

← اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔کیا یہی عورتوں کے حقوق ہیں؟ یا یہ عورتوں کے ساتھ فراڈ اور انہیں حقوق سے محروم کر دینا ہے؟

بعض مسلم اساتذہ اور اسلامیات کے ماہرین نے یورپ کی سیاحت کے دوران جب عورتوں کی یہ حالت زار دیکھی اور انہیں بتایا کہ اسلام میں عورتوں کے کیا حقوق ہیں اور یہ عظیم المرتبت دین ان پر کیسی توجہ کرتا اور انہیں کیسی کیسی رعایتوں سے نوازتا ہے۔یہاں تک کہ انہیں شمع خانہ' گھر کی مالکہ اور خاندان کی سربرآوردہ ہستی کا روپ دیتا ہے۔یہی نہیں' بلکہ گھر کی ایک ایک چیز' بچوں کی تربیت اور نگہداشت' سب اسی صنف نازک کے حوالہ کر دیتا ہے تو ان غریب یورپین عورتوں نے جب یہ سنا' تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش! ان کی پیدائش بھی مشرق میں ہوتی۔تاکہ مغربی تہذیب اور مغرب کے اس جہنم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں چھٹکارا مل جاتا۔

[1] پردہ از مولانا مودودیؒ: ص۱۲۔نیا ایڈیشن ص ۲۵

[2] دیکھیے تمدن عرب: ص۳۷۳

ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لئے عائق (رکاوٹ) ومانع تسلیم کیا گیا تھا' ہندوستان میں بودھ' جین' ویدانت جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریئے کے پابند تھے' عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا۔''[1]

یہ سارے اقتباسات اس لیے نقل کرنے کی زحمت برداشت کی گئی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ عورتوں کی عفت وعصمت اور خود ان کی ذات کے متعلق مذاہب وادیان کی ماننے والی امتوں کا حال کیا ہو گیا تھا۔

مزید تفصیل کے لیے ''خاتون اسلام کا دستور حیات'' اور دوسری کتب نیز ''مسلمان عورت'' ازمولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ سے مدد لیں۔

❀❀❀

---

[1] سیرت النبی ۶/۱۷۱۔

مومنات کے حق میں اسلام کی اصلاحی تدابیر

ان ہی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔ اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس ''ظلمت کدہ'' دنیا کو ''صبح سعادت'' سے ہم آغوش کیا۔ پچھڑی ہوئی انسانیت خاک دھول سے اٹھائی گئی' سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔ افراط وتفریط ختم ہوئی اور اسلام نے انسانوں کو اعتدال کے فطری نقطہ پر لا کر کھڑا کر دیا اور جس کا جو حق تھا وہی اس کو دیا گیا۔

جور وستم کی چکیوں میں پسنے والی صنفِ نازک (عورت) کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامنِ رحمت وحمایت کے سایہ میں لیا۔ ناموسِ نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا اور اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی۔ بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے' ایک ایک کر کے بند کئے گئے' ازدواجی تعلقات کے آئین وقانون' حدود میں لا کر جنسی میلانات کو اعتدال وضابطہ کا پابند بنایا گیا' اور نسلِ انسانی کے اضافہ کی خاطر صحت بخش طریقے نافذ کئے گئے۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ حتی کہ بجائے لعنت کے عورت رحمت وسکینت کا مظہر قرار دی گئی اور ترکِ نکاح کے راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

عورتوں کی حیثیت کا اعلان:

نسوانی حقوق کے سلسلہ میں پہلا ''قرآنی مشورہ'' جس کا اعلان کیا گیا' یہ تھا:

﴿ يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ﴾ (النساء : ۴/ ۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا' اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائے۔''

حاصل جس کا یہی ہوا کہ مرد اور عورت ایک ہی سرچشمہ کی دو موجیں ہیں۔ ''انسانیت'' کی حد تک دونوں میں کمی وبیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔

اس آیت میں بھی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت کو جو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے سراسر غلطی پر تھے کیونکہ ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انہی سے مرد وعورت کی یہ بہتات ہے' عورت کوئی جداگانہ الگ مخلوق نہیں۔ عورت بھی انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں۔ عورت ومرد دونوں کا منبع ومخرج ایک ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہیے اور اپنے لیے باعث فخر وعزت سمجھنا چاہیے بلکہ مشہور قرآنی آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں' برادریاں بنائیں' تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت ومرتبے والا صرف وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔''

اس سے جہاں دوسرے نتائج پیدا ہوتے ہیں وہیں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے' کہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو اور کوئی ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو اس کا دعوی کون کر سکتا ہے؟ پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو تو باعزت اور عورت کو حقیر وذلیل سمجھے۔ حالانکہ انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے۔ بلکہ جدید طبی تحقیقات اور جدید سائنس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اللہ'اللہ! عورت ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے' پھر اسے جنتی ہے' پرورش کرتی ہے' دودھ پلاتی ہے' ذرا سوچیے بھی تو کہ مرد اس کے مقابلے میں ''بچے'' کے لیے کیا کچھ کرتا ہے؟ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل وصورت پاتے ہیں' جس کے وجود کے اندر ہماری جان کا تعلق ہمارے جسم کے ساتھ قائم ہوا' بھلا اسی عورت کا وجود ننگ وعار بن جائے!! یہ بھی کوئی بات ہوئی! عورت نے ہی اس وقت ہماری تربیت وپرداخت کی جب ہم میں چلنے پھرنے کی سکت نہ تھی' بولنے اور اپنی تکلیف بتانے کی طاقت نہ تھی' اس نے ہمیں چلنے کی قوت عطاء کی' بولنے کی صلاحیت بخشی اور اسی جنس نے سنِ شعور تک ہماری خدمات کیں۔ بایں ہمہ عورت ذلیل وحقیر ہو گئی!!؟۔ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے۔ پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو

ظاہر کرے اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو جگہ دے اور جما لے۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دوسری قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعثِ حقارت ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ذاتی شرف وکرامت میں وہ مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں۔ لہٰذا عورتوں کو جانور کی طرح ناجائز استعمال کرنا اور ان کی ناموس کو حصولِ دولت کا آلہ بنا لینا' انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

عورتوں کا مقصد:

انسانیت میں کلی اشتراک کے باجود دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں حکیم اعلیٰ کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ پھر بھی اللہ کے سوا اپنی کاریگریوں کے بھید کو جتنا وہ بہتر جانتا ہے کوئی دوسرا اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ سچ کہا رب کریم نے:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾ (شوری : ۴۲/ ۴۹'۵۰)

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عنایت کرتا ہے۔ یا جس کو چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے (کچھ بھی نہیں دیتا اور وہ یونہی بے اولاد ہی مرجاتا ہے)۔ بے شک وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔''

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی کیا ضرورت اور منہ بگاڑنے سے کیا حاصل ہوگا؟ یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لیے زحمت خیال کر رکھا ہے۔[1]

[1] ہمارے ہاں اسلامی معاشرہ میں بچے کی ولادت کے وقت عام طور پر جہالت کے مظاہرے نظر آتے ہیں۔ اللہ کریم جس کو چاہے لڑکا دے' جس کو چاہے لڑکی' جس کو چاہے بچے اور بچیاں ملی جلی اولاد دے اور جس کو چاہے صرف لڑکے ہی دے لڑکی نہ دے' کہ وہ ہمیشہ اس کے لیے ترستا رہے اور جس کو چاہے صرف لڑکیاں ہی دے لڑکا نہ دے اور جس کو چاہے کچھ بھی نہ دے (وہ ساری زندگی اولاد کے لیے ترستا دنیا سے سدھار جائے) یہ اس مالك الملك اور علی كل شیء قدیر کی مرضی ہے۔ اس کو کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ ←

اس فعال لما یرید ذات کی رضاء کے ساتھ ہی آدمی کا راضی رہنا دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لڑکے دے تو تب بھی اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر وہ لڑکی دے تو تب بھی اس کا شکر ادا کرے کہ دونوں ہی نعمت ہیں اور اللہ کی طرف سے ہیں۔ وہ چاہتا تو آدمی کو کچھ بھی نہ دیتا' ساری زندگی گزار کر بے نام ونشان مرجاتا یہ اس کی قضاء وقدر کے فیصلے ہیں۔ یہ تو اسلام کی سنہری تعلیمات ہیں' لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ہمارے ہاں کلمہ گو اہل توحید بھی عموماً بچے کی آمد پر تو خوشی مناتے ہیں' مٹھائیاں بانٹتے ہیں' دعوتیں کرتے ہیں' خوشی سے پھولے نہیں سماتے' بڑے فخر سے لوگوں کو بتاتے ہیں' بچے کا نام پوچھنے اور تجویز کرنے کے بہانے لوگوں کو باتوں ہی باتوں میں باور کرواتے ہیں کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے' لیکن اگر بچی پیدا ہو جائے تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے' زبانوں پر تالے' پژمردہ چہرہ' افسردگی' پریشانی اور ندامت ان کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے۔ غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اصل میں اسلام کی آمد سے قبل کافروں کی عادت تھی جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے یوں کیا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ○ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (النحل: ۱۶/۵۸'۵۹)

''اور جب ان (مشرکین میں سے) کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے (تو اس کے) چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غصے کے گھونٹ پیتا ہے اور خاندان سے چھپتا پھرتا ہے' اس خبر کی بنا پر اور سوچتا ہے کہ اس بچی کو گھر رکھ کر ذلت برداشت کروں' یا کہ زندہ ہی درگور کردوں۔ خبردار! ان کے یہ کیسے برے فیصلے ہیں''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی اس خصلت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ان کی اس قبیح رسم کی نشاندہی کی ہے' کہ بیٹی کی پیدائش پر تو ان کے چہرے غمناک اور ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور بیٹے کی پیدائش پر وہ خوشی کا اظہار کرتے۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے دیندار اور سلجھے ہوئے گھرانوں میں بھی بچی کی پیدائش پر گھر میں سناٹا چھا جاتا ہے' گویا صفِ ماتم بچھ گئی ہو۔ وہ بچی کی والدہ کو طعنے اور دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر آئندہ تو نے بچی کو جنم دیا تو ہم تجھے طلاق دے دیں گے' بلکہ بعض اوقات تو اس جرم کی پاداش میں کئی عورتوں کو طلاق بھی دے دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا' بلکہ یہ قضاء وقدر کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ دور جاہلیت کی باقیات وعلامات ہیں کہ جن کو مسلمان کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اپنائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبداللہ ناصح اس جہالت کا غماز ایک واقعہ ''التربیۃ'' میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے علاقے میں حمزہ نام کا ایک شخص رہتا تھا۔ شادی کے بعد اللہ کریم نے اسے بچی کی نعمت سے نوازا۔ بچی کی پیدائش پر (کہ بچہ لڑکا کیوں نہیں پیدا ہوا) وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو کر اپنا مکان چھوڑ گیا اور کسی دوسرے مکان میں جا کر الگ تھلگ اکیلا رہنے لگا۔ وہ ایک سال تک اپنے گھر واپس نہ آیا۔ ایک سال بعد حسنِ اتفاق سے وہ اپنے سابقہ مکان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس کی بیوی اپنی ننھی منی بچی سے پیار کر

اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورت نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں تو بتائیے یہ بچے اور یہ تنومند لڑنے والے جوان کہاں سے آئیں؟ سیدہ مریم علیہا السلام کی ماں نے جب مَنّت مانی اور خلاف توقع لڑکے کی جگہ ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگی:

﴿ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ۞ ﴾ (آل عمران : ۳/ ۳۶)

''کہا اے پروردگار! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔''

پروردگار! یہ تو میرے ہاں بچی پیدا ہوئی اور میری مراد بر نہ آئی کیونکہ میں نے جس

➜ رہی تھی۔ اور گلو گیر و پُر سوز اور رندھی ہوئی آواز میں یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

ما لابی حمزة لا یا تینا ...... یظل فی البیت الذی یلینا
غضبان الا نلد البنینا ...... تا للہ ما ذالك فی ایدینا
انما ناخذ ما اعطینا

''ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہمارے پاس آتے ہی نہیں' وہ ہمارے قریب ہی کے مکان میں رہ رہے ہیں۔''
اس وجہ سے ہم سے ناراض ہیں کہ ہمارے ہاں بیٹا کیوں نہیں پیدا ہوا؟ اللہ کی قسم! یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں۔
ہم تو وہی لیں گی جو کچھ ہمیں (اللہ کریم کی طرف سے) عطاء ہو۔''

اس اللہ کی بندی کے یہ درد بھرے اور ایمان افروز کلمات جب ابو حمزہ کے کان میں پڑے تو اس کے دل کی ظلمت دور ہو گئی لہٰذا وہ دل ہی دل میں بہت نادم ہوا' اور فوراً اپنے گھر آ گیا۔ اور خوشی و محبت کے ملے جلے جذبات سے اپنی رفیقہ حیات کے سر کو بوسہ دیا پھر اپنی بچی کو گود میں لیا' لاڈ پیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر رضاء کا اظہار کیا۔

یہ بھی سوچ لینا چاہئے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو کر اس کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس تقدیر کا انکار کرتا ہے جو اس کے متعلق اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔ اور ایسے موقعوں پر ہی انسان کی مسلمانی کے معیار کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے کہ جب تک انسان کا قدرت کے فیصلے پر ایمان پختہ نہیں اور جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ رکھے وہ ایمان دار نہیں ہو سکتا''۔ ◆ اور ابن ماجہ کی ایک طویل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں تو اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔

◆ سنن ترمذی۔ کتاب القدر: باب ما جاء ان الایمان بالقدر خیره و شره (ح ۲۱۴۵) ابن ماجہ۔ المقدمة: باب فی القدر (ح ۸۱) حدیث صحیح ہے دیکھئے صحیح سنن ابن ماجہ از علامہ البانیؒ طبع الریاض۔

ابو داؤد۔ کتاب السنة: باب فی القدر (ح ۴۶۹۹) ابن ماجہ۔ المقدمة: باب فی القدر (ح ۷۷)

مقدس کام کی منت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا' لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے جب ام مریم رضی اللہ عنہا کی یہ حسرت بھری آواز سنی تو فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ. وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۝﴾

(آل عمران : ۳/ ۳٦)

''اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ اس (ام مریم) نے جنا اور بیٹا (جو ان کی مراد اور چاہت تھی) اس بیٹی کے برابر نہیں ہوسکتا تھا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جانتا ہے کہ اس لڑکی کے برابر لڑکا نہیں ہوسکتا ہے اور جو خیر و برکت اور جو خاندانی اعزاز اس بچی سے حاصل ہوگا' لڑکے سے نہیں ہوسکتا تھا۔ تم نے اپنی انسانی روش سے سوچا اور گھبرا گئیں حالانکہ رب العالمین جو کام اس بچی کے ذریعہ لینے والا ہے وہاں تک تمہاری فکر و فہم کی رسائی نہ ہوسکی۔

اور واقعی مستقبل نے بتایا کہ مریم علیہا السلام کا وجود خود ام مریم کے اعزاز کے لیے اور دنیا کی فلاح و نجات کے لیے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہا السلام سے عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) نے جنم لیا۔ اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ' ناگزیر برائی وغیرہ وغیرہ کیسے ہوگئی؟

بچیوں کے قتل کی روک تھام:

پھر اسلام نے آ کر لڑکیوں کے قتل کو روکا۔ فقر و فاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا۔ ''الرزاق'' کی ''قوت متین'' پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا۔ اور اعلان کر دیا گیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۝﴾

(الانعام : ٦/ ۱۵۱)

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو' ہم ہی تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔''

ایک مقام پر یہ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝﴾ (الاسراء : ۱۷/ ۳۱)

’’تم اپنی اولاد کو غربت کے اندیشہ سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو اور تم کو بھی رزق دیتے ہیں۔ بے شک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔‘‘

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے بالکلیہ روک دیا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی' کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا اور انسان کی اس جرأت کو برداشت نہ کیا اور فقر و فاقہ کا موہوم خیال ان کے دل سے نکالا اور یقین دلایا کہ رزق اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ موجودہ غربت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ کس طرح تم کو روزی ملتی ہے؟ رب العزت' روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتا ہے۔ علیم وقدیر کے بجٹ (میزانیہ) میں گنجائش نہ ہو اور لوگوں کو پیدا کرتا چلا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ' اللہ نہیں بلکہ کوئی بگڑا' امیر نواب یا راجہ ہے۔ جس کے خزانہ میں تنخواہ دینے کے لیے روپیہ نہیں مگر لوگوں کو نوکر رکھتا چلا جاتا ہے۔ براہ راست ’’رزق کی ضمانت‘‘ کا یہ الٰہی وثیقہ جب نازل ہو چکا ہے کہ:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ﴾ (هود: ۱۱/ ۶)

’’جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں' سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔‘‘

تو اب اس کے بعد سوچنے والے جو کچھ سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کا انکار ہی کر کے سوچتے ہیں۔

لڑکیوں سے حسن سلوک کی ترغیب:

اسلام نے اتنا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطاء کیا یا لڑکیوں کا قتل بند کر دیا۔ یا رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کر دیا۔ بلکہ جہاں موقعہ ہوتا رسول اللہ ﷺ لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

’’جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے' یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا اور اتنا قریب ہوگا جتنی آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں‘‘۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور:

---

[1] مسلم، كتاب البر والصلة: باب فضل الاحسان الى البنات (ح: ۲۶۳۱)

''ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لیے ہوئے تھی۔ غریب و بے کس تھی، اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میرے پاس صرف ایک چھوہارا تھا۔ میں نے وہی مانگنے والی عورت کو دے دیا۔ اس نے چھوہارا لے کر اس کے دو حصے کیے اور آدھا آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔''

رسولِ رحمت ﷺ جب تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا۔ آپؐ نے ماجرا سننے کے بعد فرمایا:

''جو بھی لڑکیوں کے لیے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے ان کے لیے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔''[1]

یعنی دوزخ کی آگ لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو نہ جلائے گی۔ مندرجہ بالا دل نشین انداز بیان کو پڑھیے اور غور کیجیے کہ اسلام نے ان بچیوں کی پرورش اور اچھی پرورش و پرداخت کی کتنی ترغیب دی ہے؟ اور انسان کو کتنے اچھے پیرائے میں سمجھانے کی کوشش کی ہے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں:

ایک غریب عورت میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ میں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ اس ماں بھری ماں نے ایک ایک کھجور لڑکیوں کو دی اور تیسری خود کھانے کے لیے اٹھائی۔ منہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے وہ بھی مانگ لی۔ اس عورت نے خود نہ کھائی اور اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے (جسے خود کھانا چاہ رہی تھی) اور آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت بھائی۔ رحمت عالم ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس مامتا کی ماری ماں کا یہ پراثر انگیز قصہ آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَوْجَبَ لَھَا بِھَا الْجَنَّۃَ وَاَعْتَقَھَا بِھَا مِنَ النَّارِ))[2]

''ان بچیوں پر اس شفقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت واجب کر دی اور ان بچیوں کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کر دیا''۔

---

[1] بخاری۔کتاب الادب: باب رحمۃ الولد و تقبیلہ (ح ۵۹۹۵)

مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب فضل الاحسان الی البنات (ح ۲۶۲۹)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۶۳۰)

رحمت عالم ﷺ اور اسلام کی نظر میں عورتوں کی یہ شان اور عزت افزائی تھی۔

رسول کریم ﷺ نے اخیر تک یہ فرمایا:

''لوگو! خبردار ہو جاؤ! میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں' اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں۔ ایک یتیم' دوسری عورت'' [1]

یہ سارا اہتمام اس لیے تھا' کہ عورت کی ناموس' ان کی عزت وعفت محفوظ رہ سکے اور سماج میں وہی مقام ان کو دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر صنفِ نازک مستحق تھی تاکہ لوگ ان کو گری پڑی چیز خیال نہ کریں۔''

پھر خود رحمت عالم ﷺ سے لوگ آ کر بیان کیا کرتے تھے مثلاً کوئی کہتا:

''میں نے جاہلیت میں دس لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کی ہیں۔'' [2]

کسی نے کہا:

''میں نے اپنی بچی کو بلایا' وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی اور جب ایک کنویں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں ڈال دیا' وہ ابو جان! ابو جان! پکارتی رہ گئی۔''

یہ سن کر رحمت عالم ﷺ اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔'' [3،4]

---

[1] السنن الکبریٰ للنسائی (۵/ ۳۶۳' ح۹۱۵۰) مسند احمد (۲/ ۴۳۹)

[2] مجمع الزوائد (۷/ ۱۳۴)۔ طبرانی (۱۸/ ۳۳۸)

[3] سنن الدارمی (ح ۲) واسنادہ ضعیف

[4] رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ جاہلیت کی آپ بیتی یوں سنائی:

''یارسول اللہ! ہم لوگ ناواقف تھے۔ ہمیں کچھ خبر نہ تھی' پتھر کے بتوں کو پوجتے تھے اور اپنی پیاری اولاد کو خود اپنے ہی ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے...... یارسول اللہ! میری ایک بہت پیاری بچی تھی میں جب بھی اس کو بلاتا وہ دوڑ کر میرے پاس آتی' ایک دن میں نے اس کو اپنے پاس بلایا تو وہ خوش خوش دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا' میں آگے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی چلی آ رہی تھی۔ میرے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک گہرا کنواں تھا' جب میں اس کنویں کے پاس پہنچا تو رک گیا۔ لڑکی بھی میرے قریب آ گئی پھر یارسول اللہ! میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر اس کنویں میں پھینک دیا۔ معصوم بچی کنویں میں چیختی رہی اور بڑی درد بھری آہوں میں مجھے ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی۔ یارسول اللہ! یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ درد بھری داستان سنی تو دل بھر آیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ان کو برا بھلا کہا' کہ تم نے خواہ مخواہ یہ دردناک آپ بیتی سنا کر رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ←

"نہیں! ان سے کچھ نہ کہو' ان سے کچھ نہ کہو۔ ان پر جو مصیبت پڑی ہے یہ اس کا علاج پوچھنے آئے ہیں۔"
اور پھر انہی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "ہاں! ایک بار پھر تم اپنی آپ بیتی سناؤ۔"
صحابی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اپنی دردناک آپ بیتی سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عجب حال تھا' روتے روتے آپ کی داڑھی تر ہوگئی اور پھر ان سے کہا:
"تم اسلام لے آئے تو اس کی برکت سے زمانہ جاہلیت کے سارے گناہ معاف ہو گئے' جاؤ اور اب اچھے کام کرو۔"◆

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے معاملہ میں انسان قطعی بے بس ہے۔ اگر وہ صرف اسی ایک معاملہ پر غور کرے تو اس حقیقت کو پالے گا کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ کا حکم چل رہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اولاد کے معاملے میں نہ کسی کی بزرگی' اور کرامت کام دیتی ہے' نہ تعویذ گنڈے اور نہ ہی کوئی اور تدبیر دوسروں کو اولاد دلانا' یا لڑکی کی بجائے لڑکا پیدا کرانا تو درکنار' خود کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا خود اپنے یہاں بھی اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا نہیں کر سکتا' اور اگر اولاد سے محروم ہے تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک بچہ بھی پا سکے۔

ہندومت میں عورت کے حقوق کی حدود:

اسلام عورت کو آج سے پندرہ سو سال پہلے جو حقوق اور اختیارات دے چکا ہے' اس کے مقابلے میں غیر مسلم عورت آج بھی' کس قدر بے اختیار ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کی بہن مسز وجے لکشمی پنڈت اپنی خودنوشت میں لکھتی ہیں:
"شوہر کی بیماری کے دنوں میں میں اپنے بینک اکاؤنٹ سے رقم نکلواتی رہی تھی۔ یہ وہ رقم تھی جو میں نے اپنی وزارت کے زمانے میں اپنی تنخواہ سے جمع کر کے اکٹھی کی تھی۔ یہ رقم جلد ہی ختم ہوگئی۔ ابھی کئی ادائیگیاں باقی تھیں۔ میں نے اپنے اور شوہر کے مشترکہ اکاؤنٹ سے رقم نکلوانے کے لیے چیک بھیجا تو بینک نے ادائیگی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں اور میرے پتی کے اکاؤنٹ میں اب اس کے بھائی پرتاب کا بھی حصہ تھا۔ مشترکہ ہندو فیملی کے رواج کے مطابق میرا حق اب ختم ہو گیا تھا۔ میں اب اپنے پتی کی جائیداد میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔"

یہ ہے ہندو رسم و رواج جس کے تحت شوہر کے گزر جانے کے بعد شوہر کے روپے پیسے اور جائیداد پر سے بیوی کا حق ختم ہو جاتا ہے اور ہندو خاندان کے رواج کے مطابق اب اس پر شوہر کے باپ اور بھائی کا قبضہ ہو ←

◆ تفسیر کبیر (۷/ ۲۲۵) نحو المعنی۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی کتاب کے شروع میں روایت کی ہے۔ دیکھیے باب ماکان علیه الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجهل والضلالة (ج ا ص ۳) طبع بیروت۔

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں' کہ جہان کے ہادی محمد رسول اللہ ﷺ مردوں ہی کے نہیں بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں (ﷺ)۔ آپ مردوں ہی کے لیے نہیں روتے تھے بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ ﷺ کو رُلا دیتی تھی۔

میراث میں عورتوں کا حصہ

اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں یہ اعلان:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ﴾ (النساء: ۴/ ۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کی وراثت کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا۔ اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔''

اس اعلان سے عورت کو شاید پہلی دفعہ اس کا موقع دیا گیا کہ اپنے مملوکہ مال و جائیداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔[۱]

لڑکیاں جو اب تک میراث سے محروم تھیں' ان کو اسلام نے میراث دی۔ غور فرمایئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ''لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر'' اس اصول میں محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ پیمانہ لڑکے کا حصہ نہیں۔ لڑکی کا حصہ بن رہا ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملے گا۔ جو جنگ نہیں کر سکتیں اور حصہ بھی اتنا زیادہ!!!۔

← جاتا ہے۔

[۱] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۴/ ۱۹) ''اور دیکھو! عورتوں کے ساتھ خوش معاملگی سے رہو۔ پھر اگر وہ تم کو کسی وجہ سے ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی خیر (و برکت) رکھ دے۔'' ←

مگر اسلام تو دنیا میں آیا ہی حقداروں تک ان کے حقوق کو پہنچانے کے لیے تھا' اور ظلم وجور کے قلعوں کو ڈھانے کے لیے آیا تھا۔ اور اس دین کا منشاء یہی تھا کہ ملکیت کا اقتدار مردوں کا مخصوص امتیاز نہیں ہے بلکہ اس اقتدار میں عورت بھی مرد کی شریک ہے۔

اس حقیقت کا اظہار قرآن میں بایں الفاظ بھی کیا گیا ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝﴾

(النساء: ۴/ ۷)

''مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت داروں (رشتہ داروں) نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور

← یہ آیت بتاتی ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے دوسرے پر متعدد حقوق ہیں۔ اور جب بھی مردوں کو زائد حق حاصل ہوگا' اس کے مقابلہ میں عورت کو بھی اتنا ہی حق حاصل ہوگا۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر اس کے علاوہ کچھ فضیلتیں حاصل ہوں گی۔ اس فضیلت کی تشریح کرتے ہوئے زجاج نے اپنی تفسیر میں کہا ہے ''عورت مرد سے اور مرد عورت سے بہت سارے فائدے اٹھاتے ہیں۔ البتہ مرد کو اتنی فضیلت حاصل ہے کہ وہ اس کے اخراجات کا کفیل ہوتا ہے۔''

یہاں پہنچ کر کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ۔ جب دونوں کے حقوق یکساں ہیں' جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔ تو مردوں کو عورتوں پر میراث میں کیوں فوقیت دی گئی؟ اور عورتوں کو اکہراء اور مردوں کو دوہرا حصہ کیوں دیا جاتا ہے؟

ہم عرض کریں گے' کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو عورت کی نسبت زیادہ حق دیا گیا۔ بلکہ یہ تو کارگہ ہستی میں ان کے کردار کا ردعمل ہے۔ کیونکہ دیکھا جا سکتا ہے کہ سارا کاروبار مرد سنبھالتا ہے' جس کے لیے اسے سرمایہ چاہئے۔ اسی طرح مرد اپنی بیوی کے مہر اور اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ماں باپ کی نگہداشت وہ کرتا ہے' بہن بھائی معذور ہوں تو ان کی کفالت بھی اسی کے ذمہ ہوتی ہے۔ دوسری طرف عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جب کہ الٹا اسے مہر کے علاوہ باپ کا ترکہ ملتا ہے۔ جس سے اس کا حصہ بسا اوقات اس کے بھائی کے حصہ سے بڑھ جاتا ہے۔

اس کے برعکس یورپین عورت اسلام سے پہلے کسی طرح ترکہ کی مستحق نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ گیارھویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں عورت سر بازار نیلام ہوتی تھی۔ ۱۵۶۷ء میں پارلیمنٹری بورڈ (سکاٹ لینڈ) نے ایک قانون کے ذریعہ عورت کو اس کا پابند بنا دیا تھا کہ وہ کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی۔ اس کے برعکس اسلام میں بعض حالتوں میں عورت مرد سے کئی گنا زیادہ ترکہ پاتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص مرا اس نے ایک بیٹی اور دس بھائی چھوڑے' اس صورت میں بیٹی کل جائیداد کا آدھا حصہ پاتی ہے۔ جب کہ دوسرا آدھا [illegible] مرنے والے کے دس بھائیوں [illegible] تقسیم [illegible]

قرابت داروں نے چھوڑا ہو۔ خواہ وہ قلیل (تھوڑا ترکہ) ہو یا کثیر اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔''

ماں کی حیثیت سے حصہ:

عورت کسی قالب میں ہو' ماں ہو' بیٹی ہو' بیوی ہو' محض عورت ہونے کی وجہ سے ملکیتی اقتدار سے محروم نہیں ہو سکتی۔ ماں کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۝ ﴾ (النساء : ۴/ ۱۱)

''میت کے ترکہ میں اگر میت کے کچھ اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا ہے اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔ اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔''

اس آیت میں جہاں باپ کو وارث قرار دیا گیا ہے' وہاں ماں بھی وارث قرار دی گئی ہے' کہیں تہائی حصہ کی اور کہیں چھٹے حصہ کی۔ مگر ایسے نہیں کیا کہ ماں چونکہ عورت ہے اس لیے وہ محروم جائیداد ہے اور حصہ پانے کی حقدار نہیں۔

بیوی کی حیثیت سے حصہ:

عورت نے بیٹی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا۔ اور ماں ہونے کی حیثیت سے بھی حقدار ٹھہری۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ بیوی ہو کر بھی وہ حصہ پاتی ہے اور یہاں بھی وہ محروم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝ ﴾

(النساء : ۴/ ۱۲)

''اس ترکہ میں سے' جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کی کوئی اولاد نہ ہو' تو تم کو آدھا

ملے گا اور اگر ان کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ بہر حال یہ میراث' وصیت کر گئی ہوں تو وصیت اور دین (قرضہ) کی ادائیگی کے بعد ملے گی۔ اور جس (ترکہ) کو تم چھوڑ جاؤ اور تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان بیبیوں کو ترکہ کا چوتھائی ملے گا اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا۔ مگر یہ میراث تمہاری وصیت پوری کرنے اور دین (قرضہ) کی ادائیگی کے بعد (باقی ماندہ میں سے) ملے گی۔''

دیکھ رہے ہیں جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے ٹھیک اسی طرح بیوی کو بھی شوہر کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے۔

عورت خسارے میں نہیں!:

اب رہا حصہ کی مقدار کا مسئلہ' تو اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں ہی نفع میں نظر آئیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت جب بیوی بن کر کسی کے گھر جاتی ہے' خواہ باپ کے گھر سے کچھ بھی لائی ہو اور بڑی سے بڑی جائیداد کی مالکہ بن کر شوہر کے گھر کیوں نہ آئی ہو' لیکن باوجود اس کے بیوی اور بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانوناً وشرعاً شوہر ہی ذمہ دار ہے۔ اس صورت میں عورت کو جو بھی حصہ ملا اس کام کے لیے کافی ہے' کہ اللہ نہ کرے کہ کوئی صورت ایسی پیش آ جائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے' تو اتفاقی حوادث کی ان صورتوں میں اپنے مال سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطہ نظر سے عورت کے لیے کافی ووافی ہیں۔ اور اسی قسم کی عمیق مصلحتیں آپ کو عورتوں کے دوسرے حصوں کے متعلق نظر آئیں گی۔

ماں کے روپ میں عورت کا احترام:

پھر ایک اور طریقہ سے عورتوں کی حرمت وعزت یوں بڑھائی کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس کو جتایا۔ اور قرآن پاک میں ماں باپ کے ساتھ صراحتہً یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ انہیں کبھی ''ہوں اور اُف'' تک نہ کہو۔ ظاہر اور باطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو۔ زبان بھی نرم ہو اور قلب میں بھی جھکاؤ ہو۔

﴿فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝﴾

(بنی اسرائیل: ١٧/ ٢٣)

اس میں والدین کی عظمت کا بیان ہے۔

رحمت عالم ﷺ وقتاً فوقتاً قرآنی اجمال کی تفصیل کر کے بتایا کرتے تھے، کبھی فرماتے:

تمہاری ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم وتکریم کی مستحق ہے۔[1]

''ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔''[2]

ماں باپ کی خوشنودی کے بغیر تم پر جنت کا دروازہ نہ کھلے گا۔''[3]

یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثوں میں ماں کے غیر معمولی احترام وتکریم پر زور دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام میں عورتوں کا صحیح مقام جب متعین کر دیا گیا اور گذشتہ غلط احساسات کی جگہ یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ عورتوں کا کام صرف نسل افزائی اور فقط مردوں کی خدمت گذاری ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر ومنزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد۔ جس کی پوری تفصیل آپ کو فقہ واحادیث کی کتب میں مل سکتی ہے۔ میں نے تو بطور تمہید صرف چند کلیاتی اشاروں کا ذکر کر دیا۔ اصل مقصود جسے اس کتاب میں پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ''نسوانی ناموس'' اور ''عفت وعصمت'' کی حفاظت ونگرانی کے سلسلہ میں جو ضوابط اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں اور آئینی حدود میں لا کر مسلمانوں پر ان کی پابندی لازم کی گئی ہے اسی مسئلہ پر تبصرہ کروں۔

---

[1] بخاري۔ كتاب الادب: باب من احق الناس بحسن الصحبة (ح۵۹۷۱)

مسلم۔ كتاب البر والصلة: باب بر الوالدين (ح ۲۵۴۸)

[2] نسائي۔ كتاب الجهاد: باب الرخصة في التخلف لمن له والدة (ح ۳۱۰۶) باختلاف يسير۔

[3] ترمذي۔ كتاب البر والصلة: باب الفضل في رضا الوالدين (ح۱۸۹۹، ۱۹۰۰) بلفظ مختلف

بدکاری کی ہلاکتیں اور بربادیاں

اس نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے' جس کا بدل دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی نہیں بن سکتی' ہم کہہ سکتے ہیں کہ عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے دولت صرف ہو سکتی ہے لیکن حصول دولت کے لیے عورتوں کی ناموس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ الغرض جو ہماری ''ماں'' ہماری ''بیٹی'' اور ہماری ''بیوی'' ہے۔ العیاذ باللہ اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل ہونے پر وہی راضی ہو سکتا ہے جو اپنی ''انسانیت'' اور انسانی حمیت وغیرت کا دیوالیہ نکال چکا ہو۔

انسانیت سوز رواج کا خاتمہ:

جاہلیت کا یہ دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لیے بھیج دے' یا ایک عورت نو نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دے' ان جیسے انسانیت سوز' حمیت کے قاتل رواج کا خاتمہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے کر دیا۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان گزر ہی چکا ہے:

((فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ نِكَاحَ الْيَوْمَ))[1]

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کی بنیاد ڈھا دی (یعنی ان کو حکماً ختم کر دیا) سوائے اس نکاح کے جو آج کل رائج ہے۔''

صرف انہی طریقوں کو نہیں روکا' بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جن سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی۔ اور جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ ہوتی تھی۔ جس سے

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب من قال لا نکاح الا بولی (ح ۵۱۲۷)۔

صلہ رحمی اور مروّت کی شہ رگ کٹتی تھی۔ اور ان طریقوں کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن ہی میں اعلان کیا گیا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾

(بنی اسرائیل : ۱۷/ ۳۲)

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔''[1]

---

[1] قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ [النور : ۲۴/ ۳]

''بدکار مرد نکاح نہیں کرتا مگر بدکار عورت سے یا مشرک عورت سے' اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا کوئی اور نکاح میں نہیں لاتا۔ اور یہ ایمان والوں پر حرام ہے۔''

اس بنا پر صحابیات اور صحابہ نیک اور باعصمت ساتھی کی تلاش میں رہتے تھے۔ کسی بدکار اور زانیہ سے عقد نکاح نہ باندھتے تھے۔ اور نہ ہی زنا کے قریب جاتے تھے کیونکہ اس بات کی بیعت رسول اللہ ﷺ عورتوں سے خاص طور پر لیتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ پاک دامن مرد بدکار (بازاری) عورت سے نکاح نہیں کر سکتا' تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کر لے۔ اگر اس عورت نے توبہ کی تو اب نکاح درست ہوگا' ورنہ نہیں۔ اسی طرح شریف باعزت عورت کا نکاح فاسق و فاجر' بے آبرو مرد کے ساتھ کرنا درست نہ ہوگا' جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ [النور : ۲۴/ ۳] ''اور یہ ایمان والوں پر حرام ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں ''یعنی زانیوں کو لڑکی دینا' زنا کار لڑکی سے شادی کرنا اور عزت دار شریف لڑکیوں کو زنا کار مردوں کے حوالہ کرنا حرام ہے۔''

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج بہت سے خاندانوں میں یہ پیمانہ بالکل بدل گیا ہے اور کوئی اس کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ اگر لڑکی والوں سے کہا جاتا ہے' کہ منگیتر زنا کا عادی ہے تو وہ کہتے ہیں درحقیقت ایسا برا نہیں' ہاں کبھی کبھی جھونکوں سے مل جاتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ نماز کا پابند نہیں' تو کہتے ہیں ابھی کم سنی اور نادانی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اسے شراب کی عادت ہے' تو کہتے ہیں اللہ اس کے جام لنڈھانے کو معاف کر دے گا۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ بدعقیدہ ہے' تو اس کی بھی انہیں مطلق پروا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ متوسط یا غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے' تو ان کی چیخ نکل جاتی ہے اور ایک شور سا برپا ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اچھی سیرت کا مالک کیوں نہ ہو۔!

حالانکہ ان آبرو باختہ سر پھرے نوجوانوں کے ساتھ اپنی لڑکیوں کا رشتہ کر دینے سے ان کی کیسی کیسی مٹی پلید ہوتی ہے۔ کیا دن رات وہ طرح طرح کی آفتوں کا شکار نہیں ہوتیں؟ اور کیا ایک بدکار آدمی کے پہلو میں رہ کر فتنہ وفساد سے حفاظت ان کے لیے ممکن ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ یا تو ایسے ہوگا کہ حرام کاری میں پڑ کر ان کا دین بھی تباہ و برباد ہوگا۔ یا اگر وہ دین دار ہیں تو ان کی زندگی اجیرن اور ان کی ساری عمر جلتے کڑھتے کٹے گی۔

مجھے معلوم ہوا کہ ایک نوجوان لڑکی نے کسی شرابی نوجوان سے شادی کی۔ ہنی مون منانے کے لیے نوجوان اسے لے کر لبنان کے کسی ہوٹل میں فروکش ہوا۔ پہلی رات تخلیہ سے قبل مرد نے زبردستی عورت کو شراب پلائی اور خود بھی نشہ میں بدمست ہوا۔ اتفاق سے لڑکی رفع حاجت کے لیے باہر نکلی۔ ضرورت سے فارغ ہوکر جب اس نے اپنے کمرے میں لوٹنا چاہا تو نشہ میں ہونے کی وجہ سے اپنے کمرے کی بجائے ایک دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کمرے میں ایک شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس نے لڑکی کو دبوچ لیا اور صبح تک وہ اس کے پاس رہی۔ ادھر شوہر نیند اور شراب سے بدمست پڑا خراٹے لیتا رہا

فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهٗ فَظُنَّ شَرًّا وَ لَا تَسْأَلْ عَنِ الْخَبَرِ

وہاں کیا ہوا؟ کچھ نہ پوچھو! کیا ہوا؟ بس کچھ نہ پوچھو! یوں سمجھو کہ بہت برا ہوا۔

صحابیات رسول اللہ ﷺ سے عفت وعصمت کی حفاظت کی اور زنا کاری کے جرم سے بچنے کی بیعت کرتی تھیں۔ اسی بات کی نشاندہی کرنے والا ایک واقعہ ابونعیم رحمہ اللہ نے ''حلیہ'' میں لکھا ہے:

ابوطلحہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان دنوں سیدہ ام سلیم کے پاس انہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ سیدہ ام سلیم نے جواب میں کہا: میں بھی تمہیں چاہتی ہوں، تم جیسے آدمی کا پیغام رد نہیں کیا جاتا، لیکن بات یہ ہے کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں۔ اس لیے میرا تم سے رشتہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ ابوطلحہ نے کہا: ''اچھا آنکھوں میں کیچڑ والی! تم اتنی ہوشیار ہوگئیں! سیدہ ام سلیم نے کہا' یہ ہوشیاری نہیں۔ ابوطلحہ نے کہا: ''لیکن کہاں سونا چاندی، کہاں تم؟'' (ابوطلحہ نے انہیں سونے چاندی میں رجھانا چاہا)' ام سلیم نے کہا: ''مجھے سونا چاندی مطلوب نہیں لیکن تم خود ہی سوچو! تم ایسے کی پرستش کرتے ہو' جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے' نہ تمہیں کسی طرح مطمئن کر سکتا۔ کیا تم اس بات سے نہیں جھجکتے کہ زمین سے اگنے والی ایک لکڑی کی پوجا کرتے ہو' جسے فلاں قبیلہ کے حبشی نے تراش کر بنایا ہے۔ سنو! اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو بس یہی میرا مہر ہوگا' اس کے علاوہ مجھے کچھ درکار نہیں۔!'' ابوطلحہ نے کہا: ''اچھا! بتاؤ' میں مسلمان کیسے بنوں؟'' سیدہ ام سلیم نے عرض کیا: اس کے لیے تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور بس۔'' چنانچہ ابوطلحہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

زنا اور اس کے مفاسد

یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو۔ بلکہ فرمایا گیا ''زنا کے قریب بھی مت جانا'' جس کا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام یا طریقہ جو زنا کے پنجے تک پہنچانے والا ہو' سب ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو قرآن کے ان اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں۔ یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور برائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف ''فاحشة'' کے لفظ سے اشارہ فرماتے ہوئے ((سَآءَ سَبِيْلًا)) (برا ہے راہ کے اعتبار سے) فرمایا۔ ان کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑ بڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا اثر میراث' مسائل حرمت' حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے اور سلسلہ بسلسلہ نہ معلوم یہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے' آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد سے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا اور بچہ ضائع ہو جاتا ہے۔ (یا خود ماں ایسے بچہ کو مار کر پھینک دیتی ہے) یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجتاً تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ جو عالم کی ویرانی اور انقطاع نسل کا ذریعہ ہوتا ہے۔

② زانیہ پر دسترس شرعی قانون میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کسی کے ساتھ باضابطہ اس نے نکاح نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت پر قبضہ کرنے کی سعی ہر شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہوگی۔ پھر اس راہ میں تباہیوں اور بربادیوں کے جو طوفان اٹھتے رہتے ہیں ''معاشقہ'' اور آوارگی کی تاریخوں میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

③ زنا کار عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے' طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع مرد اس سے شادی کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ ہی نہیں کر سکتا۔ محبت والفت تو خیر دور کی بات ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے' اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

④ زنا کا جب دروازہ کھل گیا اور کوئی مستقل قاعدہ وقانون باقی نہ رہا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ نہ رہے گا۔ جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں۔ اور یہی حال حیوانات کا ہے تو پھر انسان وحیوان میں فرق ہی کیا رہ جائے گا؟

⑤ عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر جنسی تقاضے پورے کیے جائیں۔ بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق وشریک ہوں۔ گھر کے کاموں میں بھی' کھانے پینے میں بھی' بچوں کی تربیت وتعلیم میں بھی' اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی۔ پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی' تنگ حالی میں بھی اور خوشحالی میں بھی' اور یہ ساری باتیں اس وقت قطعاً پیدا نہیں ہوسکتیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے۔ اور اس کی شکل یہی ہوسکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں عورت ومرد کے تعلقات کو محدود کیا جائے۔

⑥ ہمبستری پردہ کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ اشارتاً کیا جاتا ہے اور کوئی اس کام کو کرتا ہے تو پردہ کی اوٹ میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کو کم سے کم کرنا عقل وقیاس کے قریب ہے' اور اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ جائز طور پر ایک عورت ایک مرد کی ہو کر رہے' ورنہ پھر یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔

یہ چھ خرابیاں وہ ہیں جو بالکل عیاں ہیں۔[1]

ایک نوجوان کو رسول اللہ ﷺ کی نصیحت:

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے راوی سیدنا ابوامامہ (صحابی رضی اللہ عنہ) ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس کو سب نے ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔

رسول رحمت ﷺ نے اس جوان سے فرمایا: ''قریب آجاؤ'' وہ قریب آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' وہ بیٹھ گیا۔ اب آپ ﷺ نے اس کو سمجھانے کے لیے یوں سوال وجواب شروع کردیے:

---

[1] تفسیر کبیر: ۵/ ۳۹۴

رسول اللہ ﷺ: کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟
نوجوان صحابیؓ: نہیں یا رسول اللہ!
رسول اللہ ﷺ: دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔
رسول اللہ ﷺ: کیا تم اس زنا کو اپنی بیٹی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟
نوجوان صحابیؓ: میں آپ پر نثار ہوں۔ نہیں یا رسول اللہ!
رسول اللہ ﷺ: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لیے اچھا نہیں جانتے۔
رسول اللہ ﷺ: اس برے کام کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟
نوجوان صحابیؓ: ہرگز نہیں یا رسول اللہ!
رسول اللہ ﷺ: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے۔
رسول اللہ ﷺ: اچھا اس برے کام کو تم اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرو گے؟
نوجوان صحابیؓ: نہیں یا رسول اللہ!
رسول اللہ ﷺ: دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھی کے لیے زنا کاری کو پسند نہیں کرتے۔
رسول اللہ ﷺ: یہ بتاؤ تم زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا کر لو گے؟
نوجوان صحابیؓ: نہیں یا رسول اللہ!
رسول اللہ ﷺ: دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے۔

اس طرح اس مسئلہ کو جب اس کے ذہن نشین کر چکے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا اور یوں دعاء فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَهٗ))[1]

''اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے' اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔''

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس کو کبھی بھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گذرا۔

بات بھی کتنے پتہ کی بیان فرمائی گئی۔ غور کیجیے! کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو...... بہن نہ ہو...... پھوپھی نہ ہو...... خالہ نہ ہو؟ پھر یہ کیا انسانیت ہے کہ کوئی شخص کسی کی ماں' بہن' لڑکی'

---

[1] مسند احمد (۵/ ۲۵۶' ۲۵۷)

اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز ہمبستری کرے۔ ہے!

لے زنا کی ہلاکتوں میں سے جہاں اور بہت سی تباہیاں بپا ہوئیں وہاں ایسے سانحات بھی روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں کہ کوئی فرد اپنی ہی ماں سے' یا بہن سے' یا بیٹی سے یا اپنے ہی ننھے منے پھول جیسے لخت جگر بیٹے یا بیٹی سے منہ کالا کر رہا ہے' بلکہ ایسی خبریں بھی آتی ہیں کہ برائی کے بعد اس کو وحشتناک موت مار دیا۔

اخلاقی جرائم کی یلغار' طالب علموں اور نوجوانوں کے علاوہ بڑوں میں بھی روز افزوں ہے۔ بلکہ ایسے ایسے اخلاقی جرائم منظر عام پر آ رہے ہیں' جن کی انسانی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال ملے' اندازہ کیجئے کہ نیویارک میں ۴۳ سالہ ماں نے بیٹے سے شادی کر لی۔ ہوا یوں کہ ایک خاتون ''میری'' نے سترہ سال کی عمر میں ایک بچے کو جنم دیا جس کا نام ڈینی رکھا۔ وہ سات سال کا تھا' جب وہ اس سے لاتعلق ہو گئی۔ ڈینی خیراتی اداروں میں پل کر جوان ہوا۔ اور ۲۶ سال کا ہوا تو اس کا تعارف ''میری'' سے ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کا بیٹا ہے' اس کے باوجود اس نے ڈینی کو ورغلایا اور اس سے شادی کر لی۔ بیٹے کو اصلیت کا پتہ چلا تو وہ صدمے سے بے ہوش ہو گیا۔'' (جنگ یکم مئی ۸۴ء)

اسی طرح کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ماں بیٹیوں کا ایک ہی خاوند ہو' لیکن امریکہ میں یہ بھی ممکن ہو گیا۔ تفصیل یوں ہے کہ ٹام گرین نے پہلے دو عورتوں سے شادی کی اور بعد میں ان کی تین بیٹیوں سے بھی شادی رچا لی۔ یعنی پہلے اس نے ''تمیہ'' نامی ایک بیوہ سے شادی کی جس کی ایک بیٹی ''لنڈا'' بھی اس کے ساتھ آ گئی' پھر اس نے ایک اور بیوہ سے شادی کی جس کی دو بیٹیاں بھی ماں کے ساتھ آ گئیں۔ دونوں بیویوں نے اپنے شوہر کے ''حسن سلوک'' سے متاثر ہو کر اور بیٹیوں سے اس کا عشق دیکھ کر یکے بعد دیگرے اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی ٹام سے کر دیں۔ اس طرح پانچ ماں بیٹیوں کے ایک خاوند کی حیثیت سے ٹام گرین نے نئی مثال قائم کی۔ (جنگ جمعہ میگزین ۲۷ دسمبر ۹۱ء)

(از محترم ڈاکٹر عبدالغنی فاروق' بحوالہ اردو ڈائجسٹ' ستمبر ۹۳ء)

یورپ میں خاندانی نظام کی تباہی و بربادی' زنا' جنسی جرائم کی صورت حال اب اس قدر دگرگوں ہو چکی ہے کہ خود اب وہاں کے دانش ور بھی چیخ اٹھے ہیں' کہ ایسے جرائم کے مرتکب افراد کو سنگین نوعیت کی سزائیں دی جائیں' تاکہ معاشرے کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکے۔ یہی بات اسلام کہتا ہے تو نہ صرف ان کی بلکہ بعض ''اپنوں'' کی جبینیں بھی شکن آلود ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ لوگ کہ مسلمان ہو کر بھی جن کا ''قبلہ'' یورپ ہے وہ ذرا اپنے آقاؤں کے ارشادات پہ ہی غور فرما لیں اور اسلامی سزاؤں کو ''وحشیانہ'' کہنے سے توبہ کر لیں۔ ورنہ تو عذاب الیم ان کا منتظر ہے ہی۔

غیر شادی شدہ زانی کے لیے اسلام کوڑے اور شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا تجویز کرتا ہے۔ اور ذرا غور کیا جائے تو یہ سزا کہیں زیادہ نرم' ہلکی اور آسان ہے' بہ نسبت اس سزا کے' جو بعض یورپی دانش ور تجویز کر ←

رہے ہیں۔ ان کے مطابق عصمت دری کے مرتکب کو مردانہ صفات سے محروم کر دینا چاہیے۔

عرب نیوز کے مطابق باپوں بھائیوں وغیرہ کے ہاتھوں اپنے ہی بچوں کی درندگی کا شکار ہونے سے متعلق ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی میں (۷ ستمبر ۱۹۸۴ء) امریکی بچوں کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ امریکہ میں چھوٹے بچوں پر جنسی تشدد کا تناسب کہیں بڑھ گیا ہے۔ اور ایک اندازے کے مطابق ہر سال پچاس لاکھ بچے اس تشدد کا نشانہ بنتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک شقی القلب اسکول کلرک نے اس سلسلے میں ایک کتاب لکھ ماری جس کا عنوان ہے "How to have sex with a kid" یعنی ''ایک بچے سے جنسی تعلق کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق پورے امریکہ کی ۲۸ فیصد لڑکیاں ۱۴ برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی درندگی کا شکار ہو جاتی ہیں' جبکہ ۱۸ برس کی عمر سے پہلے ۳۸ فیصد لڑکیاں ہوس کا نشانہ بنتی ہیں۔ ان اعداد و شمار کا مکروہ ترین پہلو یہ ہے یہ بدنصیب بچے زیادہ تر اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مجرمانہ حملوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ حملوں کے مرتکبین کی ۲۰ فیصد تعداد سوتیلے باپوں پر مشتمل ہوتی ہے' جبکہ ۱۵ فیصد چچا یا ماموں اپنے بھائی اور بہنوں کی اولاد کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ ساڑھے چار فیصد تعداد ایسے باپوں کی ہے جو اپنی اولاد کی عصمت دردی میں مصروف ہیں۔ ڈھائی فیصد سے زیادہ افراد اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے بدسلوکی کے مرتکب ہو رہے ہیں' حال ہی میں ٹیکساس میں ایک شخص کو اپنی پانچ سالہ پوتی پر مجرمانہ حملہ کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا ہے۔ (''تکبیر'' ۷ ستمبر ۱۹۸۴ء)

ظاہر ہے یہ اعداد و شمار پرانے ہیں' ورنہ اب تو صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ گھمبیر ہو گئی ہے۔ چنانچہ ۱۵ ستمبر ۹۲ء کو سی این این نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا' کہ امریکہ میں ۶۰ فیصد بچوں پر ان کے قریبی عزیز یعنی باپ یا بھائی وغیرہ جنسی تشدد کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں روزنامہ ''پاکستان'' کی یہ خبر بھی چونکا دینے والی ہے کہ ایڈنسٹن (امریکہ کے ایک ڈے کیئر سینٹر میں سینٹر کے انچارج رابرٹ کیلی نے مختلف وقتوں میں بائیس بچوں پر مجرمانہ حملہ کیا۔ بچوں کی عمریں ۲ سال سے ۷ سال تک تھیں۔ (''اخبار مذکور'' ۲۳ اگست ۱۹۹۱ء)

امریکہ میں بچے زنا کاری اور اپنے اوپر جنسی حملوں سے کس قدر خوفزدہ ہیں اس کا اندازہ بہت مشکل ہے' لیکن ان بچوں کے درد اور کرب کو محسوس کرنے کے لیے پلین ٹروتھ میگزین کی صرف ایک خبر ہی کافی ہے۔

پلین ٹروتھ ایک مشہور میگزین ہے جو 87,50,000 کی تعداد میں چھپ کر ساری دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ اس ماہنامہ کی اشاعت ستمبر ۱۹۸۶ء میں صفحہ اول پر ایک امریکی لڑکی کی تصویر ہے' جو حیرانی کے عالم میں بیٹھی ہوئی ہے' اس لڑکی کا نام سالی (Sally) ہے۔ میگزین میں اس لڑکی کا ایک خط شائع ہوا ہے' یہ ایک چھوٹا سا خط ہے مگر وہ جتنا چھوٹا ہے اتنا ہی زیادہ دردناک ہے۔ وہ مختصر خط یہ ہے:

زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے:

ایک اور مقام میں قرآن نے زنا کی برائی کا تذکرہ کیا ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝﴾ (النساء: ۴/ ۲۲)

''تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو' جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات گزر گئی' بیشک یہ بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے۔ اور بہت برا طریقہ ہے۔''

اس آیت میں بھی زنا کو ''فاحشة'' اور ''سآء سبیلًا'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور ایک لفظ اور بڑھایا یعنی ''مَقْتًا'' (نفرت) جو ایک لفظ ہے لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی تعبیر ہے۔ اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا۔ اسی تصادم ہی کے آثار ہیں جنہیں آئے دن ہم دیکھتے رہتے ہیں۔

عفت پر بیعت:

اس سے بھی اس جرم کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئے کہ عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ ﷺ لیتے تھے' قرآن میں ان کو بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یعنی عورتوں سے عہد لیا جاتا تھا:

﴿وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ۝﴾

(الممتحنه: ۶۰/ ۱۲'۱۱)

''وہ بدکاری نہ کریں گی' اور نہ دختر کشی کریں گی (یعنی نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں

← ترجمہ: ''جب میری عمر آٹھ سال تھی تو میں نے پہلی بار ایک پندرہ سالہ لڑکے کے ساتھ جنسی فعل کیا۔ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ میں اپنے والدین کی طرف سے محبت اور توجہ پانے سے محروم تھی۔ مجھے محبت کی ضرورت تھی' مگر مجھے کبھی اپنے والدین کی محبت نہ مل سکی۔ (میرے اس حال کے باوجود) گھر کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور میں پندرہ سال کی عمر میں حاملہ ہو گئی' میرے دوست لڑکے نے مجھے ملزم ٹھہرایا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ کوئی صورت میرے لیے باقی نہ رہی۔ میں پھنس کر رہ گئی۔ چنانچہ میں نے حمل ساقط کروا لیا۔ اب میں کسی لڑکے سے تعلق قائم کرنے سے ڈرتی ہوں۔ ہر رات کو میں روتی رہتی ہوں یہاں تک کہ سو جاتی ہوں۔ (امریکہ میں ہر دو منٹ میں ایک کم عمر لڑکی حاملہ ہو جاتی ہے)

گی)۔[1] اور نہ ایسا افترا باندھیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہو گا۔[2] اور نہ کسی اچھے کام میں تیری نافرمانی کریں گی۔"[3]

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً: زنا کے شیوع کے بعد شر وفتن کے چشمے ابل پڑتے ہیں۔ قوم میں کشت وخون کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ اعمال واخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ ملک کا معیار اخلاق گر جاتا ہے۔ زنا کار قوم کی عظمت ووقعت کا قصر رفیع زمین بوس ہو جاتا ہے۔ عزت وشوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔ پھر انسانیت میں جونہی ضعف آیا امن وامان خطرہ میں گھر جاتا ہے۔ غریبوں کی جان لب پر آ جاتی ہے۔ ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آ جاتا ہے اور قوم کے جوان خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

زنا جرم عظیم ہے:

زنا کے ان ہی مفاسد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد ہی رکھا ہے' کہ یہ گو قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے۔ قرآن نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے' وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان: ۲۵/ ۶۸)

"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے' ہاں مگر حق پر[4] اور زنا بھی نہیں کرتے اور

---

[1] حمل کو روکنا اور وقت سے پہلے گرا دینا بھی اولاد کو قتل کر دینے کے زمرے میں آتا ہے' بشرطیکہ کسی طبعی' طبی یا شرعی مجبوری کے تحت نہ ہو۔

[2] شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بیٹا کسی اور کے نطفے کا جنا اور لگا کسی اور کے نام دیا' کہ یہ تو میں نے فلاں مرد کے نطفے سے جنا ہے' لہٰذا یہ اس کی اولاد ہے۔ یا جنا کچھ بھی نہیں' لیکن کسی کی اولاد لے کر اپنے کھاتے میں ڈال لی' کہ میں نے جنی ہے اور باپ پر نسبت لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو عورت کسی کا بیٹا کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے' اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔"

[3] یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کریں جیسے مصیبت میں نوحہ کرنا' یا بیاہ شادی کے موقع پر ایسی رسموں کی پابندی کرنا جن سے مال کی بربادی کے علاوہ لاتعداد اخلاقی اور اجتماعی خرابیاں جنم لیتی ہیں جو سراسر جاہل مشرک قوموں کی نقالی ہے۔

[4] حق پر قتل کرنے کی کئی صورتیں ہیں' جیسے شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا یا مرتد کو قتل کرنا یا قتل عمد کے مرتکب ←

جو شخص ایسے برے کام کرے گا تو اس کو گناہ گاری کا بدلہ یعنی سزا (دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں) ملے گی۔"

آیت مذکور کا فحوی بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر و شرک اور قتل ناحق کی طرح زنا بھی عظیم جرم ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جو سوائے توبہ' ایمان' اور عمل صالح کے معاف نہیں ہوتا۔ خود اس آیت کے متصل یہ بیان ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝﴾ (الفرقان : ۲۵/ ۹)

"قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔"

قرآن کے ان الفاظ پر غور کیجئے اور سوچئے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دوچار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے۔

شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہے:

بات بھی کچھ ایسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا مِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ أَعْظَمَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ نُّطْفَةٍ وَضَعَهَا رَجُلٌ فِي رَحِمٍ لَا يَحِلُّ لَهُ))[1]

"شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے' جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لیے حلال نہ تھا۔"

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے۔

ایک اور حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ إِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ))[2]

← قاتل کو قتل کرنا' یا جہاد میں کافر کو قتل کرنا' یا اور اس قسم کی تمام صورتیں الا بالحق کے تحت آئیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ)

[1] تفسیر ابن کثیر (۴/ ۱۳۲) وتفسیر درمنثور (۵/ ۲۸۱) بحوالہ ابن ابی الدنیا واحمد واسنادہ ضعیف مرسل ابن الجوزی فی ذم الھوی (۱۵۴)

[2] بخاری۔ کتاب الحدود: باب الزنا وشرب الخمر (ح۶۷۷۲)

مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی (ح۵۷)

''زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مؤمن نہیں ہوتا' بچو بچو!۔''

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے۔گویا مؤمن مؤمن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

بوقت زنا ایمان کی حالت:

ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے۔رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَاسِهٖ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذَالِكَ الْعَمَلِ یَرْجِعُ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ))[1]

''بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر ہوتا ہے۔اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے۔اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے۔اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے۔ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور قلب منفعل ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے۔اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے' کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے۔اور اسی وجہ سے اس نے فحش امور کو حرام قرار دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف: ۷/ ۳۳)

''(اے پیغمبر!) کہہ دے میرے رب نے تو صرف برے (بے شرمی کے) کاموں کو (جیسے زنا' اغلام وغیرہ کو) حرام کیا ہے۔ان میں جو کھلم کھلا اعلانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ چھپا کر ہوں ان کو بھی۔اور ہر گناہ (کی بات یا کام) کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے

---

[1] ابو داؤد۔کتاب السنة: باب الدلیل علی زیادة الایمان و نقصانه (ح ۴۶۹۰)
ترمذی۔کتاب الایمان: باب لا یزنی الزانی وھو مؤمن (ح ۲۶۲۵)

کو بھی (حرام کیا ہے)۔"

زنا کاری اور غیرت حق:

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا' کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: "چار عینی گواہ پیش کرے۔" مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے۔ وہ بولے: "اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی' میں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور اسے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا:

"سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو۔ اللہ ذوالجلال گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں۔ اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام قرار دے دیا۔ یہ گناہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ۔"[1]

اسی طرح آپ کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گہن ہوا تھا تو اس موقعہ سے آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا تھا اور اسی خطبۂ کسوف میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَا اَحَدٌ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ یَزْنِیَ اَوْ تَزْنِیَ اَمَةٌ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا))[2]

"اے امت محمد! (ﷺ) اللہ کریم کی قسم! اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے۔ اور اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں' اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے۔"

اور اہمیت جتانے کے لیے اس کے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا:

"اے اللہ! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ یعنی منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اس کے بندوں تک میں نے پہنچا دیا۔"

---

[1] بخاری کتاب التوحید: باب قول النبی ﷺ لا شخص اغیر من اللہ (ح ۷۴۱۶) مسلم۔ کتاب اللعان (ح ۱۷/ ۱۴۹۹)

[2] بخاری۔ کتاب الکسوف باب الصدقۃ فی الکسوف (ح ۱۰۴۴) ومسلم۔ کتاب الکسوف: باب صلاۃ الکسوف (ح ۹۰۱)

رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو بار بار پڑھیے اور زنا کی قباحت اور خروج ایمان والی حدیث پر غور کیجئے۔ ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

(النحل : ١٦/ ٩٠)

''بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔''

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں۔ ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔ زنا سے اس شد و مد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو روکا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے جس کی دنیوی واُخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں۔

یوسف علیہ السلام کا اعلان حق:

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے' اس سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو' تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہوگئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کر لے' جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی۔ عیش ونشاط کے سارے سامان فراہم نفسانی جذبات اپنے شباب پر محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے تنہائی کا عالم سارے دروازے اور کھڑکیاں بند تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی شبابی قوت وطاقت کا سمندر موجزن تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم اور ایسے وقت میں ایک غارت گر ہوش وخرد اپنے آپ کو خود یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے الغرض:

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۝ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۲۳)

''اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے' (یعنی زلیخا) وہ ان سے اپنا مطلب نکالنے کے لیے ان کو پھسلانے لگی اور محل کے تمام (سات) دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: ''جلدی سے میرے پاس آ جا' تجھ ہی سے کہتی ہوں۔''

جب یہ صورت پیش آئی تو آسمان دیکھ رہا تھا' زمین دیکھ رہی تھی' ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوب علیہ السلام کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے گناہ کی طرف بلانے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور چاہتے تو جو کچھ عزیز مصر کی ملکہ چاہتی تھی اسے کر گزرتے' لیکن جیسا کہ قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے:

﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

(یوسف : ۱۲/ ۲۳)

''(یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو جواب دیتے ہوئے کہا) میں اس برے کام سے اپنے رب کریم کی پناہ پکڑتا ہوں' وہ میرا رب ہے (اس نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ) مجھے اچھا ٹھکانہ دیا۔ (کیا میں اس کی ناشکری کروں اور ایسا کام کروں جس سے وہ ناراض ہو جائے' یہ تو بہت بڑا ظلم ہے اور) ظالم کبھی فلاح (کامیابی و نجات) نہیں پاتے۔''

یعنی زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی' اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو میں بھی ظالم بن جاؤں گا' پھر کیسے جرأت کی جائے' رب کا احسان بھول جانا' اور اس کی دی ہوئی قوت کو اس کے ہی حکم کے خلاف استعمال کرنا' اسی کا نام تو شیطنت ہے' شیطان کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالق کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے' بجائے مرضی حق کے ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

زنا مظالم کی جڑ:

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے' یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ سوچئے تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے' دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے'

پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

(۱) زانی کا فعل زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کیونکہ:

- اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے۔
- خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے۔
- مادۂ تولید جو باعثِ افزائشِ نسلِ انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے۔
- صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے۔
- ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔
- ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے۔
- حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے۔
- مختلف امراض خبیثہ مثلاً: سوزاک و آتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے آپ کو گرفتار کرنا پڑتا ہے۔
- بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی، اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی، روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کیونکہ:

- زناکار اپنے خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے (اور لڑکی کے خاندان کو بھی)۔
- اور پھر خاندان کے لیے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے۔
- اہل خاندان اور بال بچوں کے لیے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

(۳) زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے اور زانی جس کا ڈاکو ہے ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بناتا ہے، شرم و حیاء کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتاً دبی ہوتی ہے ان چٹانوں کو یہی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے۔ اس کے بعد عورت جس کے لیے کسی بھی مرد سے خواہ اس کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو، خطاب میں حیاء دامن گیر ہوتی تھی لیکن اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، آنکھوں کا پانی ڈھل جاتا ہے، وہ بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔

اور آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں، درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں، یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

۴ عورت بہر حال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے۔ کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی، یا ماں ہوگی، سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں کو خود کشی تک پہنچا دیا۔

۵ اور وہ عورت اگر کسی مرد کی باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کیسی شرمناک مداخلت اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

۶ زنا بچہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ:

- یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا، اور بے قصور قتل کیا جائے گا۔
- یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا''
- اور کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے؟ اور سوسائٹی میں اسے ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا رہے گا۔
- بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے، بہرے، لنگڑے، لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں (یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں) بظاہر ان کوتاہیوں کو قدرت کی طرف منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں، لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں کیونکہ آئندہ کی نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے، وہ اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دارومدار ہی ''جذبہ امانت'' کے اس احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی، دماغی اور روحانی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔ اس فساد کی ہمہ گیری کے لیے ''طبیات'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔
- گویا ''زنا'' کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں، اور

قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے آتا ہے۔

زنا پر کال کوٹھڑی کو ترجیح:

اندازہ کیجئے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قید کی زندگی کو اس جرم زنا کے اقدام پر ترجیح دی' اور یوں دعاء مانگی:

﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۳۳)

''اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے' اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔''

مختلف احادیث مبارکہ میں بھی اس ''جرم'' کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر جو اشارے کیے گئے ہیں غور کرنے والے سوچیں گے تو ان ہی احادیث میں ان کو عبرت وبصیرت کے مسلسل اسباق ملتے چلے جائیں گے' مثلاً: چند احادیث رسول ﷺ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

زنا کے سلسلہ میں ارشاداتِ نبوی ﷺ

ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ''آیاتِ بینات'' (واضح اور کھلی نشانیاں) کیا ہیں؟ جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً))[1]

''اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ نہ چوری کرو' نہ زنا کرو' اور نہ کسی پاک دامن کو زنا سے متہم کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جن جرائم کی برائیاں فطرتِ انسانی کے لیے واضح اور کھلی ہوئی ہیں ان میں ایک زنا بھی ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے رحمت دو عالم ﷺ سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ (یعنی اکبر الکبائر) کون سا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک

---

[1] ترمذی۔ کتاب الاستئذان: باب ما جاء فی قبلة الیدو الرجل (ح ۲۷۳۳)
نسائی۔ کتاب تحریم الدم: باب السحر (ح ۴۰۸۳)

بنانا' حالانکہ اس کو اسی نے ہی پیدا کیا۔'' اس شخص نے پوچھا: '' اس کے بعد پھر کونسا کام؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: '' اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے گا۔'' اس نے پوچھا: '' پھر کون سا یا رسول اللہ!'' (ﷺ) آپؐ نے فرمایا:

((اَنْ تُزَانِیَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ))[1]

'' تیرا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔''

رسول اللہ ﷺ نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور چاہا کہ لوگ اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں' اور اس بدترین کام سے باز آ جائیں جیسے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ زیادہ تر لوگ اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔''[2]

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں:

① علم کا اٹھ جانا۔
② جہالت کا عام ہونا۔
③ شراب کا پینا۔
④ زنا کاری کا پھیل پڑنا۔
⑤ اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔[3]

زنا کی ہلاکتیں:

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود (صحابی رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

((مَا ظَهَرَ الرِّبَا وَالزِّنَا فِي قَرْيَةٍ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ بِاِهْلَاكِهَا))[4]

'' کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود: باب اثم الزناة (ح ۶۸۱۱)۔
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان کون الشرك اقبح الذنوب (ح ۸۶)۔

[2] ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ما جاء فی حسن الخلق (ح ۲۰۰۴)۔
ابن ماجه۔ کتاب الزهد: باب ذکر الذنوب (ح ۴۲۴۶) نحو المعنی

[3] بخاری۔ کتاب الحدود: باب اثم الزناة (ح ۶۸۰۸)
مسلم۔ کتاب العلم: باب رفع العلم وقبضه (ح ۲۶۷۱)۔

[4] مسند احمد (۱/ ۴۰۲) وابو یعلی (۴۹۸۱) بلفظ مختلف واسناده حسن انظر الترغیب (۳/ ۸) لشواهده

مرحمت فرما دیتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ زنا کاری آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے۔ بلکہ کبھی پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا ہے جس میں زنا کاری پھیل پڑتی ہے۔[1]

---

[1] مغربی معاشرے پر زنا کی جہاں اور بہت سی ہلاکتیں اور تباہیاں وارد ہوئیں وہاں ایک مصیبت ایڈز جیسی بیماری کی شکل میں پھوٹ پڑی کہ جس کا آج تک علاج دریافت نہیں ہو سکا۔ زنا اور بدکاری کی بنا پر لگنے والی بیماری ایڈز نے پوری دنیا کو خوف زدہ اور دہشت زدہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ایڈز کے پھیلنے کی جو وجوہات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ:

یہ بیماری پہلی مرتبہ ایک ہی وقت میں ۱۹۸۱ء میں نیویارک' لاس اینجلس اور سان فرانسکو میں Gays یعنی ہم جنس پرستوں میں دریافت ہوئی' اور اس کے بعد سارا امریکہ اور یورپ اس موذی مرض کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس بیماری کو ہم جنس پرستوں کا طاعون (The Gay's Plague) بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ مرض طاعون کی طرح بلکہ طاعون سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ پچھلے دس پندرہ سالوں میں ایک درجن سے زیادہ مہلک وائرس دریافت ہوئے ہیں' جن سے کروڑوں انسان مر چکے ہیں۔ اور ان وائرس میں HIV یعنی Human Immunode feficiency Virus جو کہ ایڈز کا باعث بنتا ہے سب سے زیادہ مہلک ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں پچاس ہزار HIV کے مریض ہیں۔ (مگر یہ مغربی ذرائع ابلاغ کے پھیلائے ہوئے مبالغہ آمیز اور خود ساختہ اعداد و شمار ہیں۔ پاکستان میں ایڈز فی الحال نہ ہونے کے برابر ہے) اس وقت دنیا میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ سے زائد انسان اس مرض میں مبتلا ہیں۔

ایڈز پیدا ہونے کی وجوہات:

① ہم جنس پرستی' یعنی آدمی کا آدمی کے ساتھ جنسی ارتکاب۔

② غیر ہم جنس پرستی' یعنی عورت کا مرد اور مرد کا عورت کے ساتھ غیر فطری جنسی فعل اور زنا سے۔

③ ایڈز زدہ انسان کا خون کسی تندرست کو دینے سے۔

④ ایڈز زدہ مریض کی استعمال شدہ سرنج سے وغیرہ وغیرہ۔

اس بیماری کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس سے انسانی دفاعی نظام' یعنی قوت مدافعت کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چلنے پھرنے کی سکت نہیں رہتی۔ کسی کام کو دل نہیں لگتا۔

خون میں سفید خلئے تباہ ہو جاتے ہیں اور مریض خون کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بیماری بے حیاؤں کی بیماری ہے جو کہ حیا داروں کو بھی لگ سکتی ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کا اور یورپی اقوام کا مقابلہ کریں تو ہمارے ملکوں یعنی اسلامی ملکوں میں یہ بہت کم ہے کیونکہ اسلامی ملکوں میں Free Sex نہیں ہے۔ ←

ایک سروے سے یہ ہولناک انکشاف بھی ہوا' کہ امریکہ کے ۲۵ لاکھ نو عمر لڑکے اور لڑکیاں ہر سال جنسی تعلقات کے ذریعہ سے پھیلنے والے امراض خبیثہ کا شکار ہوتے ہیں' اور ان میں سے اکثر ان امراض کی ابتدائی علامات اور چھوت وتعدیے کی شناخت نہیں کر پاتے' یعنی انہیں ان امراض میں مبتلا ہونے کا علم ہی نہیں ہوتا۔ ان کے ذہن میں یہ بات بھی بیٹھی ہوئی ہے' کہ حمل روکنے والی گولیوں کے استعمال سے وہ ان امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ جب کہ یہ گولیاں انہیں ان امراض سے کسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ نوجوانوں میں سے ایک تہائی نے یہ بھی بتایا کہ انہیں یہ علم بھی نہیں ہے کہ ان امراض کا علاج انہیں کہاں کرانا چاہئے۔

امریکہ کے رفاہ عامہ اور محکمہ صحت کے وزیر جناب اڈیس آر بوون کہتے ہیں کہ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں اپنا لائف اسٹائل اور عائلی زندگی گزارنے کا موجودہ طریقہ کار بدلنا ہوگا۔ اب امریکہ کے لیے موجودہ صدی کے آٹھویں عشرے کا پیغام یہی ہے' کہ پچھلی چوتھائی صدی کے آزادانہ جنسی اختلاط اور بے راہ روی کو فوراً بند کر دیا جائے۔

کچھ عرصہ پیشتر اسی نوع کا ایک خطرہ پیدا ہوا تھا' مگر موجودہ ''ایڈز'' جیسے خطرے کے مطابق اس کی کچھ بھی حقیقت نہ تھی' اور موجودہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر آج کل امریکہ میں یہی نعرہ مقبول ہو رہا ہے کہ ''جنسی تعلقات میں احتیاط لازم ہے۔'' آج جس انداز سے پریس اور ٹیلی ویژن پر جنسی تعلقات' بلکہ جنسی اختلاط کے مختلف مروج طریقوں پر طویل بحث ومباحثہ دکھایا جا رہا ہے اور جس طرح جنسی اختلاط میں حفظ ماتقدم کے طور پر ''حفاظتی تدابیر'' کی تشہیر ہو رہی ہے ایک سال پہلے تک ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

قابل اور انتہائی زیرک ناول نگار ایریکا جونگ (جو جنسی بے راہ روی کی کٹر مخالف ہیں) نے واشنگٹن پوسٹ میں ایک مختصر مگر جامع کالم لکھ کر امریکہ کے باسیوں کو گہری سوچ پر مجبور کر دیا ہے' وہ لکھتی ہیں:

''ایسے خوبصورت مردوں کا ملنا جو ماضی میں منشیات اور جنسی بے راہ روی کے عادی اور شکار نہ رہے ہوں' نہ صرف مشکل بلکہ محال نظر آتا ہے۔ عشاق سے ان کے بلڈ ٹیسٹ کے نتائج معلوم کرنا اور پھر ''جسمانی ملاپ'' سے پہلے ان کے ہاتھوں میں ضبط تولید کے مصنوعی آلات تھما دینا' کیا اس سے یہ زیادہ بہتر اور آسان نہیں کہ ایسے جنسی اختلاط ہی کو موقوف کر دیا جائے۔ یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اور وقتی شہوانی لذت کے بجائے مذہب میں ابدی سکون تلاش کیا جائے۔ مزید معمولی سی ترمیم کے ساتھ یہی فریاد مرد بھی عورتوں سے کریں۔''

اس بیماری کے نتیجے میں سراسیمگی نے کئی رنگ اختیار کر رکھے ہیں۔ کچھ قدامت پسند لیڈر و رہنما ''ایڈز'' کے خطرے کے پیش نظر جبری معائنے کو عورتوں کی عصمت اور پاک دامنی پر داغ لگانے سے تعبیر کر رہے ہیں' جب کہ کچھ دوسرے لوگ اس جان لیوا بیماری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ

زنا باعثِ مصیبت:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ المسلمین ہوئے' اور بیعت عامہ ہو چکی' جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ ممبر پر تشریف لائے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا' اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے' اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا

← اور مذہب سے بغاوت پر دی گئی خدائی سزا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ جیسے کہ ایک مصنف نے لکھا بھی ہے کہ:

''جنسی بیماریاں ہزاروں سالوں سے موجود ہیں اور یہ بیماریاں اس وقت پھر سامنے آتی ہیں جب لوگ ایک بیوی پر قناعت کرنے کی بجائے' اسے ناکافی سمجھ کر ادھر اُدھر منہ مارنے لگتے ہیں۔

اور یوں حرام کاری میں مشغول ہو جاتے ہیں۔''

آئرلینڈ کے ایک گاؤں ڈنگروان میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ پادری میکائیل کینڈی نے ایک وعظ میں اہل گاؤں کو بتایا کہ ایک عورت نے (جو ایک مرد کی بدکاری کی وجہ سے ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھی) انتقاماً گاؤں کے اکثر مردوں کے ساتھ تعلقات قائم کر کے انہیں بھی اس موذی مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ پانچ مرد ایڈز ٹیسٹ کے بعد اس بیماری میں مبتلا پائے گئے ہیں' جب کہ ۸۰ مردوں کے ٹیسٹوں کے نتائج آنے والے ہیں۔ اس انکشاف کے بعد ڈنگروان کی سات ہزار آبادی میں جو کہرام مچا' اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ یورپ کا پریس جاگ اٹھا اور اس واقعے پر تبصرے شروع ہو گئے اور ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ بھی حرکت میں آ گیا۔ یہاں حالت یہ ہو گئی ہے کہ اگر کسی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ایڈز میں مبتلا ہے تو لوگ اس سے بھاگتے ہیں۔ اس لیے ہر کوئی اس مرض کو چھپاتا ہے۔ اور جسے یہ مرض ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ تو گیا' دوسرے کیوں بچے رہیں۔ لہٰذا وہ زیادہ سے زیادہ عیاشی کر کے دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یوں یہ مرض بڑی تیزی کے ساتھ اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا ہے۔

امریکی قوم اتنی بدبخت' بدنصیب ہے کہ اس نے اللہ کریم کے ایڈز کی شکل میں نازل ہونے والے اس عذاب کو دیکھ کر اور اس سے ہلاک ہونے کے بعد بھی زنا جیسے جرم سے معافی مانگنے' توبہ کرنے اور عفت وعصمت و پاکدامنی و پاکبازی کو اختیار کرنے کا رب کریم سے وعدہ نہیں کیا' بلکہ کنڈوم وغیرہ جیسے حیلوں سے اس عذاب سے بچنے کے لیے حفاظتی اقدامات اختیار کر لیے۔ لیکن گناہ و بدکاری نہ چھوڑی۔ اللہ کریم کے نازل کردہ ضابطۂ حیات سے جنگ ہی ان کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ ہمیں بھی امریکیوں کے بدانجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

ہے۔[1]

پہلے خلیفہ رسول نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ان کلمات کو فرما کر ''عفت وعصمت'' کے متعلق اسلام کے جس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے' اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ عروج واقبال کی زندگی کے زوال میں سیاہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے' گویا جو کچھ بعد میں پیش آیا اس کی پیشین گوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کر دی تھی۔

کثرتِ اموات اور طاعون:

رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے:

((وَلَا فَشَا الزِّنَا فِی قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيهِمِ الْمَوْتُ))[2]

''زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتا مگر ان میں بکثرت موت ہوتی ہے۔''

یعنی جب کسی قوم میں زنا کاری کی بیماری پھیل جاتی ہے تو ان میں کثرت سے اموات واقع ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

ایک لمبی حدیث ہے' جس میں آپ نے پانچ عیوب اور ان کے اثرات کو بیان کیا ہے' منجملہ اور باتوں کے رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون (پلیگ) کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' اور ایسے امراض کے دکھ درد میں ڈالتا ہے جس سے ان کے اسلاف نا آشنا تھے۔[3]

زنا کی وجہ سے خشک سالی:

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ قَوْمٍ يَّظْهَرُ فِيهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَّظْهَرُ فِيهِمُ الرِّشَا اِلَّا اُخِذُوا بِالرُّعْبِ))[4]

---

[1] سیرت ابن ہشام (۳۱۱/۴)

[2] موطا امام مالك (۴۶۰/۲) كتاب الجهاد: باب ما جاء فى الغلول (ح۲۶) موقوفا على عبدالله بن عباس رضى الله عنهما واسناده. قال الالبانیؒ: "فى معناه احاديث مرفوعة خرجت بعضها فى "الصحيحة" (۱۰۶، ۱۰۷) (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

[3] سنن ابن ماجه' كتاب الفتن باب العقوبات (ح۴۰۱۹)

[4] مسند احمد (۲۰۵/۴) ولكن فيه "الربا" واسناده ضعيف لِاجل ابن لهيعة۔

''کسی قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔''

انسان جب ''عفت وعصمت'' کے چہرہ کو داغدار بناتا ہے' شرعی ودینی حدود کی پروانہیں کرتا اور جائز وناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے' تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی امتوں میں ایک خاص تاریخی امت ہے' اس میں بھی عورتوں ہی کی راہ سے فتنہ آیا' اور جب فتنہ آیا تو پوری کی پوری امت تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

((فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَآءِ))[1]

''دنیا اور عورتوں سے بچو' اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے سبب تھا۔''

❀❀❀

---

[1] مسلم۔ کتاب الرقاق: باب اکثر اھل الجنة الفقراء (ح٢٧٤٢)

اسلامی تعلیمات سے بغاوت کا عبرتناک انجام

اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی نقشہ بقدرِ ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو چکا' اب آیئے ذرا اپنے زمانہ کی کچھ روداد سن لیجیے:

امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے' وہاں زنا کاری کی وبا کا نتیجہ یہ ہے:

''تیس اور چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں' اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں شامل ہیں' شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں' ان میں پچھتر فیصد ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔''[1]

امریکہ میں زنا[2] اور اس کے نتائج

جج ''لنڈسے'' لکھتا ہے جو کہ ''ڈنور'' کی ''عدالت برائے جرائم اطفال'' کا صدر ہے اور اس حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے:

''ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود میرے سامنے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے اور ان میں صرف پچیس ایسی ہیں جن کو

---

[1] پردہ از مولانا مودودیؒ: ص ۲۶۔ نیا ایڈیشن ص ۱۰۹

[2] جہاں امریکہ کی اخلاقی قدریں اس حد تک تباہ ہو چکی ہیں' وہاں اس مقصد کے لیے باقاعدہ میلے اور منڈیاں اور عورتوں کے بازار سجتے ہیں۔

ماضی بعید یعنی قیام پاکستان سے بھی قبل امریکہ کی اخلاقی حالت کس قدر ابتر تھی اور وہ کس قدر زناکاری و بدکاری کی دلدل میں دھنس چکا تھا' اس کا اندازہ مشہور امریکی میگزین ٹائم کے حوالے سے پڑھیں اس میں درج ذیل غلاظت کی رپورٹ کی گئی ہے:

کچھ ایسے اہل قلم بھی ہیں' مثلاً: ہنری ملر اور ولیم بردہ جو اغلام بازی کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں ان ←

کی تصانیف اور Tropics ' Nakedlungh وغیرہ' ایک تازہ فلم میں یہ گیت بھی ہے:

شراب موجود ہے جو دو آدمی کیا کرتے ہیں
ناچ بہت عمدہ ہے یہ عمل شیریں ترین
لیکن اس لذیذ عمل کامل ترین
میں کیا دیر ہے اور لذیذ ترین ہے

سائنس نے پیشابی امراض کا ڈر دُور کر دیا ہے اور دہریت نے اللہ تعالیٰ کا خوف دُور کر دیا ہے' اب یہ جنسی میلاپ رُکے تو کیوں کر؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکہ کے تقریباً سارے مرد اور پچاس فی صد عورتیں شادی سے پہلے ہی حرام کاری کر چکی ہوتی ہیں۔ بارڈ یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر گراہم کا اندازہ یہ ہے' کہ پچھلے پندرہ برس میں کالجوں کے طلبہ میں حرام کاری پچاس سے ساٹھ فی صدی تک اور طالبات میں پچاس سے چالیس فیصد تک بڑھ چکی ہے' سوشیالوجی کے ایک عالم پرڈو کا تخمینہ یہ ہے' کہ شادی کے وقت ہر چھ لڑکیوں میں سے ایک حاملہ ہوتی ہے۔ یہ مرض بالغ لڑکوں اور لڑکیوں میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ بعض والدین اس خیال سے کہ ان کی اولاد زندگی کی ہر منزل سے روشناس ہو جائے' اپنے ہاں مخلوط پارٹیاں کرتے ہیں اور تیرہ چودہ سال کے لڑکوں اور لڑکیوں کو شراب پلا کر نچاتے اور جذبۂ جنسیت کو بھڑکاتے ہیں' گو مذہب اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا' لیکن مذہب کی بات آج نہ اولاد سنتی ہے اور نہ والدین۔

آج سے بیس سال پہلے کالج کے طلبہ ہوس کی آگ بجھانے کے لیے قحبہ خانوں میں جاتے تھے' لیکن اب یہ کام کالج کی حدود میں ہی ہو جاتا ہے۔ آج اس لڑکے سے نفرت کی جاتی ہے' جس کے کسی لڑکی سے ناجائز تعلقات نہ ہوں۔ بعض لڑکیاں چھیڑ چھاڑ کو زیادہ پسند نہیں کرتیں اور وہ لڑکوں سے بے جھجک کہہ دیتی ہیں کہ ہماری آگ کو زیادہ نہ بھڑکاؤ! آؤ اور اپنا کام کرو۔ امریکہ میں کنواری لڑکی کا حاملہ ہو جانا قطعاً معیوب نہیں حتی کہ ایک صاحب نے ایک مضمون میں لکھا کہ شادی سے پہلے جس لڑکی کے ناجائز تعلقات صرف دو تین مردوں سے رہے ہوں اسے کنواری ہی سمجھو۔

حال ہی میں کالج کی ایک لڑکی کی ایک نظم شائع ہوئی ہے۔ جس کے آخری شعر یہ ہیں: میں اپنا جسم اپنے یار کے حوالے کرتی ہوں

سماج کہتا ہے ایسا مت کرو

لعنت اس سماج پر

کتنی ہی نوخیز کنواری لڑکیاں بچوں کی مائیں بن چکی ہیں ۱۹۴۰ء میں ایسی لڑکیوں کا تناسب آٹھ فی ہزار تھا

اور ۱۹۶۱ء میں سولہ فی ہزار۔

۴۰۔۲۵ سال کی کنواری لڑکیوں کی تعداد' جن سے بچے پیدا ہوئے' ۱۹۴۰ء میں گیارہ فی ہزار اور ۱۹۶۱ء میں اکتالیس فی ہزار تھی۔

ریاست متحدہ امریکہ کی کل آبادی بیس کروڑ ہے' اگر ۱۴ سے ۱۵ سال تک لڑکیوں کی تعداد سات کروڑ ہو تو صرف ایک سال میں حرامی بچوں کی تعداد انیس لاکھ بنتی ہے' ایک امریکی رسالے ''لک'' کی اشاعت ستمبر ۱۹۶۳ء میں ایسی لڑکیوں کی تعداد پچاسی فیصد درج ہے۔ کالج کی لڑکیوں کے پاس نہ صرف حمل روکنے بلکہ گرانے کا بھی سامان ہوتا ہے' بعض گھروں میں مائیں اور بہنیں بیٹوں اور بھائیوں سے یارانہ گانٹھ لیتی ہیں۔ ہنری طرکا قول ہے: ''یہ امر سمجھ میں نہیں آتا کہ ماں سے یاری کرنے میں کیا حرج ہے۔''

امریکی سماج میں عموماً اپنے کسی بہترین دوست کی بیوی سے یارانہ گانٹھا جاتا ہے۔ یورپ کے براعظم میں حرام کاری پہ کوئی بندش نہیں۔ وہاں کے سماج نے اسے گوارا کر لیا ہے' البتہ امریکہ میں دل ڈیوراًن جیسے چند ایک اہل نظر آزادی اس آزادی کے مخالف ہیں۔ لیکن معاملہ اتنا الجھ چکا ہے کہ کسی طرح سلجھنے کی صورت نظر نہیں آتی۔

یہ ہے ملخص ''ٹائم'' کے مقالے کا۔

اس سے ظاہر ہے کہ امریکہ ایک مکمل طور پر فحاشی کا قبرستان بن چکا ہے اور یورپ اس سے دو (اور اب مارچ ۲۰۰۵ء میں یقیناً دس) قدم آگے ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ آج سے ۴۳ سال قبل کی اشاعت کا شائع شدہ ریکارڈ ہے' کہ جس میں ۲۰ سال قبل کے حالات کا رونا رویا جا رہا ہے' یعنی امریکہ کی یہ دردناک صورت حال ۱۹۴۰ء یعنی قیام پاکستان سے بھی قبل کی ہے۔ لیکن اب کتنی ترقی ہو چکی ہے' آپ مزید آگے پڑھیں گے اور ماضی کے حیران کن اعداد و شمار سے آج کا موازنہ کر کے بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ اب امریکہ و یورپ میں ڈھونڈنے سے ایک بھی خاتون و آدمی نہیں ملتا کہ جو اپنی عفت و عصمت کو بچا پایا ہو اور زنا کاری کی تباہ کاریوں سے اپنے دامن کو بچا سکا ہو۔ (مسائل نواز غلام جیلانی برق صاحب)

بدقسمتی سے امریکہ میں زنا جیسا فعل انتہائی مرغوب اور پسندیدہ بن گیا ہے اور اس کی تباہیاں حرامی بچوں کی صورت میں سامنے آ رہی ہیں۔ امریکہ میں اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے۔ کوئی کسی کو ''حرامی'' کی گالی نہیں دیتا کیوں؟ اس لیے کہ جواب میں خود اس کے باپ کا پوچھ لیا گیا تو وہ کیا جواب دے گا' کہ اسے خود معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اپنا باپ کون ہے۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ امریکہ و یورپ میں اس وقت حرامی بچوں کی زیادتی ہے اور حلال بچے خال خال ہیں تو یہ مبالغہ نہیں' بلکہ حقیقت ہے' کیونکہ اب وہاں حرامی بچے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ان کی پرورش کے لیے حکومت کو باقاعدہ ادارے بنانے پڑے ہیں۔''

➜ مغرب کے بعض شہروں میں ایسے ادارے ہیں، جو ناجائز بچوں کو پالتے ہیں اور پھر بے اولادوں کے ہاں بیچ دیتے ہیں۔ امریکہ کے ایک شہر ٹیکساس میں اس طرح کے ایک ادارے کا انتظام مسز ایڈنا گلیڈنی (Edna Gladney) کے ہاتھ میں تھا اس نے چند برسوں میں دس ہزار ناجائز بچے فروخت کیے۔ (کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے کو کوئی فروخت کرے؟

ایسی صورتِ حال سے تنگ آ کر ۲۶ مارچ ۱۹۷۳ء کو برطانیہ کے ایک شہر نوٹنگم میں ۵۰۰۰۰ آدمیوں نے ناجائز بچوں اور اسقاط حمل کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ ۱۹۷۶ء میں صرف نوٹنگم میں ۱۵۹۲۵۰ ناجائز بچے پیدا ہوئے تھے، یعنی اندازاً ۴۵۰ ناجائز بچے روزانہ پیدا ہوتے ہیں۔

اس قدر حرامی بچے !!:

امریکہ کے ایک دانش ور (Charles Murray) نے امریکہ کو ایک چونکا دینے والا انتباہ کیا ہے، یہ انتباہ ایسا ہے جو ایک تجزیہ نگار (Jahn Onicinsky) کے مطابق تلخ ہے، اس لیے حکمرانوں کو ہضم نہ ہوگا۔ مرے کا کہنا ہے کہ امریکہ برائیوں کی دلدل میں پھنس چکا ہے، مثلاً: بڑھتے ہوئے جرائم، منشیات، غربت، ناخواندگی، لوگوں کا بے گھر ہونا، وغیرہ۔ نیز ایک اور ایسا مسئلہ ہے جو ان سب سے زیادہ شدید اور نتائج کے لحاظ سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ اسی برائی سے دوسری برائیاں جنم لیتی ہیں اور یہ برائی ''سفید فام لوگوں میں ناجائز بچوں کی بھرمار ہے۔''

۱۹۶۰ء میں یہ برائی کالی نسل کی آبادی میں آئی تو سینیٹر موئی ھن نے خطرے کی گھنٹی بجا دی اور کہا کہ اگر اس برائی کو نہ روکا گیا تو سیاہ فام گھرانے اجڑ جائیں گے۔ موئی ھن کے انتباہ پر توجہ نہ دی گئی، حکمرانوں نے اس کے انتباہ پر توجہ نہ دی، بلکہ اس کا مذاق اڑایا گیا، لیکن اب وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ٹھیک کہتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تک اربوں نہیں بلکہ کھربوں ڈالر کا نقصان اسی وجہ سے ہو چکا ہے۔ اب یہ برائی سفید فام لوگوں میں زیادہ پھیل رہی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں ۱۲ر لاکھ ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ کل پیدا ہونے والوں میں ناجائز بچوں کی تعداد ۳۰ فیصد رہی۔ سیاہ فام ناجائز بچے ۳۲ فیصد پیدا ہوئے اور سفید فام ۲۲ فیصد۔ مرے کا کہنا ہے کہ امریکی معاشرہ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ اگر اس بدی کو نہ روکا گیا تو اس میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔ اور پھر رہے سہے خاندانی نظام کے پرزے اڑیں گے، جرم میں بے تحاشا اضافہ ہوگا۔ خاندان کو اگر بچایا نہ گیا تو سب کچھ جل کر خاک ہو جائے گا۔ کیونکہ مضبوط خاندانی نظام کے بغیر کوئی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔'' (بحوالہ: ''بیدار ڈائجسٹ'' از محمد اسلم ترین صاحب ص ۲۱، ۲۲ مئی ۱۹۹۴ء)

مرے نے اس کا علاج یہ بتایا ہے، کہ بن بیاہی ماؤں کا وظیفہ بند کیا جائے۔ ان کے خاندان ہی ان کی نگہداشت کریں تو بہتر ہے۔ اس کے علاوہ یتیم خانے کھولے جائیں۔ لیکن پھر بھی مرے کہتا ہے کہ ہوش میں آؤ ➜

حمل ٹھہر گیا تھا۔"[1]

اسی جج "لنڈ سے" کا امریکہ کے متعلق بیان ہے:

"امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کیے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا

← کوئی انقلابی قدم اٹھاؤ۔تمہاری تباہی میں کچھ کسر باقی نہیں رہی۔

حرامی بچوں کی مردم شماری امریکہ میں:

مختلف اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں ۱۹۶۷ء میں ۳ لاکھ ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ برطانیہ کے مرکز میں واقع نارتھ امپٹن (Northampton) میں ۱۹۷۳ء میں ناجائز بچوں کی تعداد ۶۷ فیصد تھی۔لندن میں اسقاط حمل کے ذریعے سالانہ اوسطاً ۲۷ ہزار بچے پیٹ سے گرائے جاتے ہیں۔ڈاکٹر فیروز نقوی لکھتے ہیں:

"یورپ کی سڑکیں گلیاں اور بازار طوائفوں سے خالی نظر آتے ہیں' کیوں کہ آزاد خیال لڑکیوں نے طوائفوں کا کام تقریباً ختم کر دیا ہے۔کیلیفورنیا انگلینڈ اور اٹلی کے کچھ علاقوں میں بھی ایسے ہی واقعات ہوئے اور ۱۹۹۱ء میں امریکہ اور مغربی جرمنی کی تقریباً ۱۳ سال کی ہر بچی حاملہ تھی اور ماؤں بیٹیوں اور بہن بھائیوں کے جنسی تعلقات عام تھے۔امریکہ کی ۴۴ فیصد عورتیں جنسی بے راہ روی کی وجہ سے قید ہیں' یورپین کلچر اینڈ اسلام صفحہ ۲۱۳ اور روزنامہ اخبارات کے ورلڈ نیوز کے صفحات پر بھی ایسی ہی حیا سوز خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں اور حروف کی صورت میں چیخ چیخ کر ہمیں متنبہ کرتی ہیں کہ اللہ کے لیے اس گندے معاشرے کی اندھی تقلید نہ کرو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مغربی معاشرہ خود بھی

فی الوقت ان تمام آزادیوں کے حق میں نہیں ہے' جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۸۳ء میں جب جنرل اینجل کواریوا نے صدارتی انتخاب جیتا اور اسقاط حمل اور فیملی پلاننگ کی اصطلاحات جاری کیں تو کئی ریاستوں میں احتجاجی جلوس نکلے۔ Constitutional Foundation of Pakistan P.No.34. غیر شادی شدہ حاملہ لڑکیوں کی تعداد ۴۷ سے بڑھ کر ۶۶ فیصد ہو گئی۔ ۶۶ فیصد لڑکیاں شادی سے پہلے ماں بن جاتی ہیں۔ ۹۴ء میں صرف واشنگٹن میں ۶۳ فیصد ۱۲ سالہ بچیاں حاملہ ہوئیں اور ۴۳ فیصد نے اسقاط حمل کروا لیا۔ Daily the News 6-August 1995 جولائی ۹۳ء کو اسقاط حمل کلینک چلانے والے ایک ڈاکٹر کو خواتین نے قتل کر دیا۔اور مشہور امریکی اخبار ہیرالڈ ٹریبون کی رپورٹ کے مطابق موجودہ امریکی صدر کلنٹن نے اپنی انتخابی مہم میں وعدہ کیا تھا کہ وہ فوج میں ہم جنس پرستوں کو بھرتی کریں گے۔لیکن منصب صدارت سنبھالنے کے بعد جب انہوں نے اپنے آرمی جنرل پاؤل کو حکم نامہ جاری کیا تو آرمی چیف نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ (یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر ص ۳۸۳_۸۵۵_۳۹۱)

[1] پردہ از مولانا مودودیؒ: ص ۲۶ _ نیا ایڈیشن ص ۱۱۲' ۱۱۳

ہوتے ہی قتل کر دیئے جاتے ہیں۔''[1]

یہی ''لنڈسے'' جن کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں' ان کا اپنا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم پینتالیس فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔ اسی طرح امریکہ ہی کی رپورٹیں بھی پڑھ لیجئے اور ان سے اندازہ لگایئے کہ زناکاری کا انجام کیا ہوتا ہے۔

آتشک' سوزاک اور دوسری برائیاں:

زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' جلد۴ ص ۴۵ کے حوالہ سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ساڑھے چھ سو دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر سرکاری دواء خانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیوٹ ڈاکٹروں کا ہے' جن کے پاس آتشک کے اکسٹھ فیصد اور سوزاک کے نواسی فیصد مریض جاتے ہیں۔''[2]

''امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل عصمت فروشی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے' ان کی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لیے آراستہ کئے جاتے ہیں کہ شریف اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے اٹھتر (۷۸) مقام تھے' دوسرے شہر میں تینتالیس' ایک اور شہر میں تینتیس ان مقامات میں صرف بن بیاہی خواتین ہی نہیں جاتیں' بلکہ بہت سی بیاہی ہوئی خواتین کا بھی وہاں گزر ہوتا ہے۔

ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ نیو یارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا ایک تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔''[3]

''زنا'' نے امریکہ میں یہ قیامت برپا کر دی ہے کہ بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی کی محبت

---

[1] پردہ از مولانا مودودیؒ: ص ۷۱۔ نیا ایڈیشن ص ۱۱۳

[2] پردہ: ص ۶۸۔ نیا ایڈیشن ص ۱۰۹

[3] پردہ ص: ۶۷'۶۸۔ نیا ایڈیشن ص ۱۰۶۔۱۰۷۔۱۰۸

اور مباشرت دونوں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور لڑکیاں قبل از وقت بالغ ہو جاتی ہیں۔[1]

---

[1] امریکہ و یورپ میں عورتیں زنا کی اس قدر دلدادہ وشیدا ہیں کہ عفت کے موتی کی سلامتی کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں۔ وہ ہر کسی ایسے موقع کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہیں کہ جس میں وہ اپنی بے لگام جنسی خواہش کی تکمیل کر سکیں۔ اگر کسی عورت کو یہ مواقع بوجوہ میسر نہیں آتے تو وہ خود کو بدنصیب تصور کرتی ہے اور جلد سے جلد اپنے سخت گیر خاوند یا بچوں کی صورت میں پاؤں میں پڑی بیڑیوں سے نجات حاصل کرنے کی راہ تلاش کرتی رہتی ہے۔ آئے روز مائیں اپنے معصوم بچوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے نئے بوائے فرینڈ کے ساتھ فرار ہو جاتی ہیں' یا بچوں کو قتل کر کے ان سے گلوخلاصی حاصل کرتی ہیں۔ امریکی معاشرہ اس قسم کی سنگدل عورتوں سے بھرا پڑا ہے جنہیں اپنی جنسی آزادی اتنی عزیز ہوتی ہے' کہ وہ معصوم بچوں تک کو موت کے گھاٹ اتارنے سے باز نہیں رہتیں۔ چند برس قبل ایک نوجوان ماں کی سنگ دلی کے ایسے ہی ایک واقعے کا ٹی وی اور اخبارات میں کئی دن تک بڑا چرچا رہا۔

ساؤتھ کیرولائنا کی ایک ۲۳ سالہ شادی شدہ لڑکی سوزن سمتھ کو' جس کا خاوند اور دو پیارے پیارے خوبصورت بچے تھے' اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ وہ شادی کر کے اور دو بچوں کی ماں بن کر زندگی کی رنگا رنگ لذتوں اور انواع و اقسام کی عیاشیوں سے بڑی حد تک محروم ہو گئی ہے' جبکہ اس کی ہم عمر لڑکیاں دن رات مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہتی ہیں' چنانچہ اس نے ایک دن سوچے سمجھے پروگرام کے تحت دونوں بچوں کو موت کی نیند سلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے طے کر لیا کہ خاوند کو بھی اس کی آزادانہ زندگی (فری سیکس) پر اعتراض ہو تو وہ اسے بھی چھوڑ دے گی۔ منصوبے پر عمل درآمد سے کچھ دن پہلے اس نے دونوں بچوں اور ان کے باپ کے ساتھ گھر کے بیک یارڈ میں سیر و تفریح اور کھیل کود کی ایک نہایت دل آویز مووی بنائی تھی۔

دونوں بچے' ایک لڑکا اور ایک لڑکی جن کی عمریں چار اور پانچ سال تھیں' بڑے پیارے اور خوبصورت تھے۔

ایک روز جب اس کا خاوند کسی کام سے دوسرے شہر گیا ہوا تھا' اس نے دونوں بچوں کو نہلا دھلا کر بڑے پیارے کپڑے پہنائے۔ پھر انہیں خوب خوب پیار کیا۔ سینے سے لگا کر دیر تک روتی رہی (یہ اس نے بعد میں مقدمے کی سماعت کے دوران عدالت کو بتایا) اور پھر انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر جھیل کے کنارے لے گئی۔ اس نے کار کو ایک اونچی جگہ پر ڈھلان کے رخ اس طرح کھڑا کر دیا' کہ بریک کھلتے ہی کار خود بخود تیزی سے آگے بڑھ کر جھیل میں چلی جائے۔ اس نے بچوں کو کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا اور خود کار کے ایکسیلیٹر پر دو اینٹیں رکھ دیں۔ کار کے باہر کھڑی ہو کر اگنیشن دیا اور کار اسٹارٹ ہوتے ہی دروازہ تیزی سے بند کر کے کار کو دھکا دے دیا اور خود آنکھیں بند کر کے رونے بیٹھ گئی۔ ایک لمحے کے اندر کار تیزی کے ساتھ جھیل میں اتر گئی اور چیختے چلاتے بچوں کو لے کر ڈوب گئی۔ چند لمحوں کے بعد جب سنگدل ماں نے آنکھیں کھولیں تو کار پانی کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی اور سطح آب پر اس کے معصوم بچوں کی آخری سانسوں کے بلبلے اٹھ رہے تھے۔ ←

سوزن سمتھ یہاں سے اب سیدھی پولیس اسٹیشن گئی' جہاں اس نے رپورٹ درج کرائی کہ سیاہ فام لوگوں نے اس کو کار سے باہر دھکیل کر گاڑی اور اس کے دونوں بچوں کو اغوا کر لیا۔ پولیس کو اس کی بیان کردہ کہانی پر شک گزرا۔ اگلے دن اس کا خاوند شہر میں واپس آیا تو اس نے بھی بیوی پر شک کیا۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیوی کو اس بات کی بڑی حسرت تھی' کہ وہ اپنی سہیلیوں کی طرح کیوں ''لامحدود'' نہیں۔ چند روز کے اندر پولیس کی تفتیشی ٹیموں نے جھیل میں ڈوبی ہوئی کار کا پتہ لگا لیا' جس کے اندر سے دو معصوموں کی لاشیں اور دو اینٹیں برآمد ہوگئیں' جو ایکسیلیٹر پر رکھی گئی تھیں۔ تفتیش آگے بڑھی تو ظالم ماں نے تمام واردات کی تفصیلات خود ہی افشاء کر دیں۔ کیس عدالت میں گیا تو بیان دیتے ہوئے اس نے کہا:

I was too young for two children and I could not take my opportunity.

''میری ابھی عمر ہی کیا تھی کہ دو بچوں کو سنبھالنا پڑ گیا اور میں اس نوعمری میں کوئی عیش بھی نہ کر سکتی تھی۔''

اس کے خاوند نے عدالت میں بچوں کی ڈیو فلمیں بھی دکھائیں جو اس کی بیوی نے تیار کی تھیں۔ ان فلموں کو دیکھ کر اور بچوں کو یاد کر کے ملزمہ بے حد تڑپتی اور روتی تھی۔ آخر عدالت نے اس ظالم ماں کو اس کے سنگین جرم پر سزائے موت سنائی' لیکن سرکاری وکیل نے اپیل کی کہ سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی جائے' کیونکہ اس قید کا ایک ایک لحہ اس ظالم ماں کے لیے اذیت ناک ہوگا اور وہ مر مر کر جیئے گی۔ اس کا ایک ایک لحہ اس کے ضمیر پر کاری ضرب لگاتا رہے گا۔ عدالت نے اس اپیل کو منظور کر لیا۔ اب یہ فری سیکس کو ترسی ہوئی ظالم ماں جیل کی آہنی سلاخوں سے ہر لحہ اپنا سر پھوڑتی رہتی ہے اور چلا چلا کر کہتی ہے: ''مجھے موت کی سزا کیوں نہ دے دی گئی؟ میرے لیے اس زندگی سے وہ موت بدرجہا بہتر تھی۔''

تو یہ تھی امریکی جنس زدہ معاشرے کی ایک ادنیٰ سی جھلک' کہ جو دنیا بھر میں اپنی شائستگی' تہذیب' اعلیٰ اقدار اور بلند و بالا تمدن کے بلند و بانگ دعوے کرتا ہے۔ امریکہ کی اخلاقی قدریں اس حد تک تباہ ہو چکی ہیں وہاں اس مقصد کے لیے باقاعدہ میلے اور منڈیاں اور عورتوں کے بازار سجتے ہیں:

بدکاری وزنا امریکی و یورپی معاشرے کے خون کا حصہ بن کر پورے جسم میں محو گردش ہے۔ اس المیہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مشہور یورپی سماجی راہنما پاؤل سٹیفن نے کڑوا سچ اگلتے ہوئے عجیب بات کہی کہ:

''اگر یورپ صرف زنا سے بچ جائے تو اس کے تمام مسائل میں حل کر دوں گا۔''

''امریکہ میں چار پانچ لاکھ کی بیسواؤں کی موجودگی درحقیقت کیا معنی رکھتی ہے۔ جواب یقیناً بڑھ چکی ہے۔ مغربی ممالک میں فحاشی ایک منظم بین الاقوامی کاروبار کی حیثیت رکھتی ہے۔ امریکہ میں نیویارک' ریوڈی جینز اور بیونس آئرس اس کاروبار کی بڑی منڈیاں ہیں۔ نیویارک کی دوسب سے بڑی ''تجارتی کوٹھیوں'' میں سے ہر ایک کی ایک ایک انتظامی کونسل ہے۔ جس کے صدر اور سیکرٹری باقاعدہ انتخاب کیے جاتے ہیں۔ ہر ایک

نے قانونی مشیر مقرر کر رکھے ہیں' تا کہ کسی عدالتی قضیہ میں پھنس جانے کی صورت میں ان کے مفاد کی حفاظت کریں ان کے لڑکیوں کو بہکانے اور اڑا کر لانے کے لیے ہزار ہا دلال مقرر ہیں جو ہر جگہ شکار کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ ان شکاریوں کی دستبرد کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شکاگو آنے والے مہاجرین کی لیگ کے صدر نے ایک مرتبہ ۱۵ مہینہ کے اعداد وشمار جمع کئے تھے تو معلوم ہوا کہ اس مدت میں ۲۰۰ ۷ لڑکیوں کے خطوط لیگ کے دفتر کو موصول ہوئے جن میں لکھا تھا کہ وہ شکاگو پہنچنے والی ہیں مگر ان میں سے صرف ۱۷۰۰ اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکیں۔ باقی کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گئیں؟ اور کن کے ہتھے چڑھ کر کس انجام کا شکار ہوئیں؟

امریکہ کے مصلحین اخلاق کی ایک مجلس (Committed of Fourteen) کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجلس کی طرف سے بداخلاقی کے مرکزوں کی تلاش اور ملک کی اخلاقی حالت کی تحقیقات اور اصلاح اخلاق کی عملی تدبیر کا کام بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹوں میں بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ کے جتنے رقص خانے' نائٹ کلب' حسن گاہیں (Beauty Saloons) مالش کدے (Massage Rooms) اور بال سنوارنے کی دوکانیں (Hair Dressings) ہیں قریب قریب سب باقاعدہ قحبہ خانے بن چکے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ وہاں ناقابل بیان افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

حرام کاریوں کی وجہ سے امراض خبیثہ کا طوفان:

فواحش کی کثرت کا لازمی نتیجہ امراض خبیثہ کی کثرت ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ امریکہ کی قریب قریب ۹۰ فیصد آبادی ان امراض سے متاثر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے سرکاری دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ۶۰ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ۶۵ دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے جن کے پاس آتشک کے ۶۱ فیصد اور سوزاک کے ۸۹ فیصد مریض جاتے ہیں۔

تیس اور چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ وق کے سوا باقی تمام امراض سے جتنی موتیں واقع ہوتی ہیں ان سب سے زیادہ تعداد ان اموات کی ہے جو صرف آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک کے ماہرین کا کم سے کم تخمینہ ہے کہ ۶۰ فیصد جوان اشخاص اس مرض میں مبتلا ہیں' جن میں شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔ امراض نسواں کے ماہرین کا متفقہ بیان ہے کہ شادی شدہ عورتوں کے اعضاء جنسی پر جتنے آپریشن کئے جاتے ہیں' ان میں سے ۷۵ فیصد ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔

ڈنمارک میں ہونے والی میڈیکل کانفرنس میں بتایا گیا ہے' کہ دنیا میں ہر سال سولہ کروڑ تیس لاکھ افراد

پوشیدہ امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں' جن میں آتشک اور سوزاک وغیرہ شامل ہیں۔ ان بیماریوں کا زیادہ شکار عورتیں ہوتی ہیں' جن کی تعداد مردوں کے مقابلے میں دوگناہ زیادہ ہے' جس کے باعث عورتوں میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیتیں کم ہو جاتی ہیں اور بانجھ پن بڑھ جاتا ہے۔ یہ بیماریاں مردوں اور عورتوں کے ناجائز جنسی ملاپ سے پھیلتی ہیں۔

کانفرنس میں سات ہزار گائنا لوسٹ اور فارماسوٹیکل کمپنیوں کے تین ہزار نمائندوں نے شرکت کی۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں عورتوں کی اموات کی دوسری بڑی وجہ یہ بیماریاں ہیں' ان کے علاج کے لیے اینٹی بائیوٹک ادویات زیادہ مؤثر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اس وقت پوری دنیا میں ایک کروڑ ۹۵ لاکھ افراد میں ایچ آئی وی کے جراثیم موجود ہیں جبکہ ۴۵ لاکھ افراد ایڈز میں مبتلا ہیں۔

بین الاقوامی صحت (W.H.O) کی رپورٹ کے بموجب دنیا میں جنسی بیماریاں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق دنیا میں ہر سال ۲۵ کروڑ افراد سوزاک اور ۵ کروڑ آتشک میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ چونکہ امریکہ میں انسانی فلاح و بہبود اور ذہنی وجسمانی اذیت کی وجہ سے اسقاط حمل کو قانونی تحفظ حاصل ہے' اس لیے صرف نیویارک شہر میں یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۸۲ء تک (Parkeng Bergen Report:July 1973) کے مطابق ۱۲ ہفتہ سے کم حمل کے اسقاط ۳ لاکھ ۲۱ ہزار ۵ سو۔ اور ۱۳ ہفتہ سے زائد کے اسقاط کی تعداد ۸۰ ہزار پانچ سو ریکارڈ کی گئی ہے۔ یہ تو وہ رپورٹ ہے جو کہ قانونی طریقہ سے قلم کی زد میں آ گئی۔ کیا آپ اندازہ کر سکیں گے کہ غیر قانونی اسقاط جو گرفت قلم سے باہر ہیں وہ کس قدر ہوئے ہوں گے؟ سوزاک اور آتشک جیسی جنسی متعدد امراض کی موجودگی ہی صرف اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ تہذیب یافتہ ممالک میں بے حجابانہ جنسی اختلاط کی بدولت (جن کی نقل کرنے میں ہمارے مرد و زن ہمہ تن کوشاں ہیں) بے راہ روی کس قدر ہے؟! کیا یہی مغربی مساوات مرد و زن کے درمیان ہونی چاہئے؟ یہ بیماریاں ملیریا بخار کی طرح مچھر کاٹنے سے تو نہیں ہوگئیں' ان کا منبع صرف اور صرف مرد و زن کے ناجائز اختلاط اور عفت وعصمت کے تقاضوں کی پامالی ہے۔ مغربی اقوام اس بڑھتے ہوئے معاشرہ کی غلاظت اور رستے ہوئے ناسوروں سے اب پریشان ہیں۔ حالانکہ اسلامی معاشرے نے تو چودہ سو سال پیشتر اس سے پرہیز کا حکم دیا تھا۔

ایک فرانسیسی ماہرفن ڈاکٹر لیرید کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ مرض کی وجہ سے ۳۰ ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں اور دق کے بعد یہ مرض سب سے زیادہ ہلاکتوں کا باعث ہوتا ہے۔ یہ صرف ایک مرض خبیث کا حال ہے جبکہ امراض خبیثہ کی فہرست صرف اسی ایک مرض پر مشتمل نہیں۔ (یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر ص ۳۶۶)

کنسے رپورٹ کے مطابق امریکہ کی حالت:

۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر ''ہنلی کنسے'' نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی اور یہ رپورٹ ڈاکٹر اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے ملاقات کر کے تیار کی' اور ان کے خفیہ حالات معلوم کیے ہیں۔ ''کنسے رپورٹ'' کے بموجب ''استلذاذ بالنفس'' میں نوے فیصدی امریکی مرد زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے۔

استلذاذ بالمثل امریکی مردوں کی دو تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ ضرور اس شوق کی تکمیل کی۔ گویا ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ میں مبتلا ہیں۔

چار فیصدی لوگ تمام عمر ''امرد پرست'' رہتے ہیں ہائی اسکولوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔

استلذاذ بالضد (زنا) پندرہ سال کی عمر تک ۲۵ فیصد چھبیس سے چالیس سال' تک ۹۰ فیصد۔ سولہ سے بیس سال کی عمر تک غیر فاحشہ عورتوں سے اختلاط کی تعداد ۴۰ فیصد ہے۔

- ''تعلیم کے اعتبار سے'' جن کی تعلیم ''گرامر اسکول'' تک ہوتی اس میں ۸۴ فیصد کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔
- ''ہائی اسکول'' تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں ۷۷ فیصد ہے' اور ''کالج'' کے تعلیم یافتاؤں کا تناسب زنا میں ۴۹ فیصدی ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔

← ماضی میں ہی امریکی معاشرے کا بگاڑ اس حد تک پہنچ گیا' کہ الامان والحفیظ! اس کے نتیجے میں معاشرے میں جنسی بیماریاں اتنی عام ہو گئیں کہ لوگوں میں یہ تصور ابھرا کہ کوئی ایسا جادوئی بکس بنایا جائے کہ جس میں بیٹھنے سے جنسی بیماریاں ختم ہو جائیں۔ اور یوں جہنم زار زندگی پُرسکون ہو جائے۔ اسی بات کی نشاندہی مشہور امریکی اخبار ''ٹائم'' یوں کرتا ہے۔ (یہ لفظی ترجمہ نہیں بلکہ بعض تفاصیل کا خلاصہ ہے) ارشاد ہوتا ہے۔

فرائیڈ کے ایک شاگرد ڈاکٹر ولہم رائش نے ایک صندوق ایجاد کیا تھا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس میں بیٹھنے سے جسم کو تہذیب جدید کے تمام امراض آتشک' سوزاک اور نامردی وغیرہ سے نجات مل جاتی ہے اور قوتِ مردمی میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا ہے ۱۹۵۴ء میں۔ یو۔ ایس۔ اے کی حکومت نے اس صندوق کی فروخت بند کر دی اور ڈاکٹر رائش کو جیل میں ڈال دیا۔ اس صندوق کا نام ''آرگون باکس'' تھا۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آج سارا امریکہ آرگون بوکس بن چکا ہے جہاں بڑے بڑے پوسٹرز' فلمیں' رسائل' اخبارات جذبۂ حیوانیت کو بھڑکا رہے ہیں' اہل قلم عریاں افسانے اور ناول لکھ رہے ہیں۔ اور بالغ' جوان اور بوڑھے سب کے سب قیود مذہب سے آزاد ہو چکے ہیں۔ (مسائل نواز برق ص ۱۳۵)

شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے' جنہوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دورانِ ازدواج میں اختلاط کیا ہے۔[1]

انگلستان میں زنا کی وبا

انگلستان جو اپنی جدت پسندی میں بہت مشہور ہے' اس کے متعلق ایک انگریز ''جارج رائیلی اسکاٹ'' اپنی کتاب ''تاریخ الفحشاء'' میں لکھتا ہے:

''پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی ہے' جو آمدنی میں اضافہ کے لیے زنا کاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بے باکی' بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں۔[2] ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلیف قائم کر لیتی ہیں' اور ایسی لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی' قربانگاہ کے سامنے نکاح کا پیمانِ وفاء باندھتے وقت صحیح معنی میں دوشیزہ ہوتی ہیں۔'' (پردہ از مودودیؒ ص۷۲۔ نیا ایڈیشن ص۱۱۴۔۱۱۵)

---

[1] اسلام اور جنسیات: ۸۴'۸۵۔

[2] برطانیہ میں عفت وعصمت کی حفاظت کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے اجتناب کرے تو اسے معاشرے میں نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اسے نن راہبہ' مولویانی' سینٹ (ولیہ)' دقیانوسی' رجعت پسند وغیرہ جیسے القابات وناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اس درجہ فحاشی وعریانی اور زنا کاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے' کہ حکومت ایسے لوگوں کا مکمل تحفظ ہی نہیں کرتی بلکہ ان کو قانون کی چھتری بھی مہیا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں عفت وعصمت کے تحفظ کی جگہ Love محبت کے نام پر زنا کاری نے لے لی ہے اور ذہن اس قدر گندے ہو چکے ہیں کہ اگر کسی لڑکی کی طرف کوئی غلط مقصد کے لیے آگے نہیں بڑھتا تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھتی ہے اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور وہ خود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتی ہے۔ زنا کو وہاں محبوب مشغلہ سمجھا جانے لگا ہے اور یہ مقولہ عام ہے کہ ''وہ جوانی حقیقت میں جوانی ہی نہیں کہ جس کی کوئی رنگین کہانی نہیں'' بلکہ کئی کہانیاں معاشقے اور مختلف افراد کے سکینڈلز لوگوں کے سامنے نہیں آئے)۔

اگر کوئی لڑکی وہاں کسی سے ملاپ سے انکار کرتی ہے' تو یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ اس فعل کو برا سمجھتی ہے' بلکہ ←

حقیقت یہ ہے کہ وہ اس شخص کو پسند نہیں کر رہی ہوتی' اس لیے اپنا آپ سپرد نہیں کرتی' ورنہ جس کو پسند کرے اس کو بغیر کسی حیل وحجت کے خود اپنا آپ پیش کرتی ہے۔ اس کو جائز سمجھا جاتا ہے اور نہ پسند ہونے کی بنا پر اجتناب کرنے کے باوجود دوسرا فریق' زور بازو پر اپنا مقصد پورا کرے تو اس کو ریپ یا زنا بالجبر کہا جاتا ہے' جو ممنوع ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پولیس کمشنر سر جان نائٹ بوڈر نے ۱۹۵۶ء کے متعلق ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ زنا بالجبر کے جتنے واقعات اس سال ہوئے اتنے جنگ کے بعد سے اب تک کسی سال نہیں ہوئے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں اس سلسلے میں جتنے واقعات ہوئے تھے گزشتہ سال ان سے تگنے سے بھی ۳۵ واقعات زیادہ ہوئے۔

۴ ستمبر ۱۹۵۷ء کو پندرہ ممبروں کی ایک کمیٹی نے جس میں بیرسٹر' ڈاکٹر' پادری اور تین خواتین شامل تھیں اور جس کے صدر ایڈنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر جان وولفنڈن تھے' تین سال کے بعد اپنی ضخیم رپورٹ برطانیہ کی اخلاقی حالت پر شائع کی اس کمیٹی کے نزدیک جیسوائی ایک ناگزیر ضرورت ہے' اور جیسوائیں صرف ایک طبعی مانگ یا طلب کو پورا کر رہی ہیں۔ اس کے نزدیک جیسوائی کی محرکات میں طمع زر بھی شامل ہے۔ لیکن بہرحال لڑکیاں اور عورتیں اس پیشے میں اپنے پورے ارادے ہی سے داخل ہوتی ہیں۔

لواطت مردوں کے باہمی تعلقات کی کثرت کو دیکھ کر کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے' کہ بالغ مردوں کے درمیان لواطت اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اسے کوئی جرم نہ قرار دیا جائے' اس لیے کہ شہریوں کی نجی زندگی میں قانون کو دخل دینے کی حاجت نہیں۔

اسی سال ۱۹۵۹ء میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ برطانیہ میں ہر تین عورتوں میں ایک عورت ایسی موجود ہے' جسے خود یہ اقرار ہے کہ شادی ہونے سے پہلے اس کے جنسی تعلقات رہ چکے ہیں۔ برطانیہ میں ہر بیس بچوں میں ایک بچہ ناجائز اولاد ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات درج کرنے کے بعد رپورٹ کا ایک مرتب ڈاکٹر چیسر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اس زمانے میں عصمت دور از کار اور فرسودہ شے بن چکی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ اس میں تو خیر مجھے شک ہے' مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم اسی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ ویسے فطرت کو عصمت سے کوئی مطلب بھی نہیں ہے' اسے تو سلسلہ تولید سے غرض ہے' سچی اور کھری عصمت تو ہمارے باطن سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں۔''

لہٰذا اسی اصول کی روشنی میں انہوں نے اپنی بچیوں کو ہر قسم کی برائی کا راستہ دکھا کر اختیار کرنے میں آزاد چھوڑ دیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچیاں چھوٹی عمر میں ہی بڑی تعداد میں حاملہ ہونے لگیں۔

ڈاکٹروں کو حکومت نے یہ ہدایات جاری کیں' کہ چھوٹی عمر کی بچیاں جو دل چاہے کرتی پھریں' لیکن تم نے

ان کو تحفظ اس طرح دینا ہے کہ باز پرس اور سرزنش کے لیے ان کے والدین کو ان کی بدکاریوں کی کسی طرح خبر نہیں ہونے دینی۔ حکومت کی اس ہدایت کو روز نامہ جنگ لندن نے بھی یوں شائع کیا:

''کم عمر لڑکیوں کو مانع حمل چیزیں دینے کے لیے والدین کی رضا مندی ضروری نہیں۔ ڈاکٹروں کی ہدایت ''لندن کے ڈاکٹروں کو ہدایات کی گئی ہیں کہ وہ ۱۶ سال سے کم عمر کی ایسی لڑکیوں کے بارے میں معلومات خفیہ رکھیں جو ان سے مانع حمل اشیاء لیتی ہیں' جس کا مطلب یہ ہے کہ کم عمر لڑکیوں کو مانع حمل چیزیں دینے کے لیے والدین کی رضا مندی ضروری نہیں۔ ڈاکٹروں سے کہا گیا کہ اگر انہوں نے لڑکیوں کی خواہشات کا احترام نہ کیا اور اس کی اطلاع والدین کو دی تو ان کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کی جائے گی بتایا گیا ہے کہ ۱۹۹۱ء میں پندرہ سال سے کم عمر کم از کم ۱۵ ہزار لڑکیاں جنسی طور پر سرگرم تھیں۔ ان میں سے ۸ ہزار نے فیملی کلینک اور باقی نے اپنے ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ ۱۹۹۰ء میں انگلینڈ اور ویلز میں ہر سو میں سے ایک لڑکی حاملہ ہو گئی جو یورپ میں ایک ریکارڈ تھا۔ یہ شرح ہالینڈ کے مقابلہ میں سات گنا زیادہ ہے۔ ہالینڈ میں کم عمر لڑکیوں کو آسانی سے مانع حمل اشیاء دستیاب ہیں۔ (بحوالہ: جنگ لندن ۹۳-۱۱-۶)

اس حکومتی اقدام کے کیا اثرات مرتب ہوئے ملاحظہ ہو:

فحاشی کے کاروبار میں ۱۶ برس سے کم عمر لڑکیوں کی دلچسپی میں اضافہ' گزشتہ برس ۲۵ فی صد اضافہ ہوا' ویسٹ یارک شائر میں یہ تعداد ۸۰ فیصد تک جا پہنچی ہے۔

''لندن کی سولہ سال سے کم عمر کی لڑکیاں جنہیں فحاشی کے کاروبار پر پولیس نے وارننگ دی ہے' ان کی تعداد میں ۱۹۹۰ء کے مقابلہ میں گزشتہ سال ۳۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ہوم آفس کے مطابق بعض علاقوں میں ان لڑکیوں کی تعداد میں خوفناک اضافہ ہوا ہے۔ ویسٹ یارک شائر' مانچسٹر اور کلیولینڈ میں یہ تعداد ۸۰ فیصد بڑھی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ سکول کی عمر کی جو لڑکیاں اپنا جسم فروخت کرتی ہیں ان کی تعداد میں کمی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن ایسا محض اس لیے نہیں ہوا کہ پولیس انہیں سوشل سروسز کے محکمہ کے پاس بھیجنے کی بجائے تنبیہ کر کے چھوڑ دیتی ہے۔'' (بحوالہ: ''جنگ'' لندن ۹۳-۸-۶)

کہاں اسلام کا اعلیٰ اور بلند و بالا طریقہ' اور کہاں غیروں کی وہ فسق و فجور والی روش' جہاں تنہائی میں میل جول روزمرہ کا دستور اور ایک عام سی عادت ہے؟۔ لیکن اس بدعادت کی پاداش میں مغربی ملکوں کو جو سزا بھگتنی پڑی' اس کی ایک جھلک ذیل کے اس واقعہ سے عیاں ہوتی ہے۔ چنانچہ ''ٹوڈے نیوز'' اپنی ۳ جون ۱۹۵۶ء شمارہ نمبر ۶۰۸ ص ۲ کی اشاعت میں لکھتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اپنے ہی گھر میں رنگے ہاتھوں گرفتار کیا۔ اس کی بیوی اور ایک اجنبی آدمی دونوں قابل اعتراض حالت میں تھے۔ شوہر نے مقامی عدالت میں طلاق کا دعویٰ دائر کیا' اور یہ مطالبہ کیا کہ ایسی بدکار' فاحشہ بیوی سے وہ علیحدگی چاہتا ہے' جس نے اس کی عزت خاک میں

ملا دی اور اس کے معزز گھرانے کی ناموس بھی باقی نہیں رہنے دی۔

لندن کی عدالت میں جب یہ کیس دائر ہوا' تو انگریزی دستور کی رو سے شوہر کو طلاق حاصل کرنے کا مجاز نہیں تسلیم کیا گیا۔ الٹا اسے رجعت پسند کہہ کر اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ یورپ کی روشن خیالی اور سماجی ترقیات کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ ساتھ ہی عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی کو باعزت بری اور شوہر کے دعوے کو خارج کیا جاتا ہے۔ اور اسے تاکید کی جاتی ہے کہ وہ نئے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے۔ یعنی عدالت نے یہ تسلیم کیا کہ ہمارا سارا معاشرہ زانی ہے اور زنا کوئی اتنا برا فعل نہیں یہ ہمارے معاشرے کا لازمی جزو بن چکا ہے۔ اگر تم نے اس معاشرے میں رہنا ہے تو تمہیں اپنی بیوی' بیٹی اور بہن کے ساتھ یہ رویہ برداشت کرنا پڑے گا' بلکہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینا پڑے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اس معاشرے سے نکل جائے۔

یورپ میں ہر طرف زنا کے چھائے ہوئے تاریک سایوں کی نشاندہی یوں بھی کی گئی ہے:

سبزہ اور سبز چیز کا دیکھنا نگاہ کی طاقت کے لیے صدیوں سے آزمودہ ہے۔ یورپ میں ہر جگہ سبزہ ہی سبزہ ہے' لیکن وہاں کے باشندے نگاہوں کی کمزوری کے لیے چشمہ لگاتے ہیں۔ اس کی وجہ احادیث کے وہ الفاظ ہیں کہ شرم گاہ کو دیکھنے سے نگاہ کمزور ہوتی ہے۔ دراصل یورپین ایک دوسرے کو ننگا دیکھنا عیب نہیں گردانتے' حتی کہ راستوں میں چلتے ہوئے وہ ایک دوسرے سے جماع کر لیتے ہیں۔ نہانے میں اجتماعی غسل کرتے ہوئے بالکل ننگے ہوتے ہیں۔ یہی عیب ان کے لیے اندھے پن کا باعث بنتا ہے۔ (بحوالہ جنسی زندگی اور سائنس)

یورپ میں ہر طرف زنا کی ترغیب وتحریص کا عام ہونا اور اس کو پسندیدہ ترین چیز قرار دینے کے نتیجے میں نونہالان چمن بھی اس کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے۔ لہٰذا یہ بچے بھی اس قبیح فعل کے دلدادہ ہو کر یورپ کے لیے دردِ سر بن گئے۔ اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل ایک خبر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

گلاسگو آئر شائر کا ایک دس سالہ بچہ مقامی ایجوکیشن کونسل کے لیے دردِ سر بن گیا ہے۔ یہ بچہ جس کا نام قانونی وجوہات کی بناء پر صیغہ راز میں رکھا گیا ہے' اس کو اسکول میں اپنی ساتھی طالبہ پر جنسی حملہ کرنے کے الزام میں ایک دوسرے اسکول میں ٹرانسفر کر دیا گیا تھا' لیکن جب دوسرے اسکول کے بچوں کے والدین کو اس بچے کی اسکول میں آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ایک اجلاس منعقد کر کے اس پر شدید احتجاج کیا اور مقامی ممبر پارلیمنٹ اور ایجوکیشن اتھارٹی کو اس مسئلے کا نئے سرے سے جائزہ لینے کے لیے خطوط لکھے۔ دریں اثنا گلاسگو کے نزدیک کلارکن پرائمری اسکول کی انتظامیہ نے بچوں پر بڑھتے ہوئے جنسی حملوں کے واقعات کی بنا پر تمام طلباء کو ہدایت کی ہے کہ وہ اسکول سے گھر کے سفر کے دوران اکیلے جانے کی بجائے گروپس کی شکل میں جائیں اور کسی بھی اجنبی شخص سے محتاط رہیں۔ (بحوالہ ''جنگ'' لندن ۹۳-۱۰-۱۱)

''انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوے ہزار حمل اسقاط کیے جاتے

← یہیں پر ہی بس نہیں' بلکہ یہ بچے زنا کاری کے کلچر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خود جسم فروش بن گئے۔ ملاحظہ ہو ایک خبر:

امریکہ میں ۲۵ لاکھ نابالغ بچے غربت اور نشے کی عادت کے باعث جسم فروشی کر رہے ہیں' جبکہ روس بھی اس شرمناک دھندے میں اس حد تک پستی کا شکار ہے کہ صرف ماسکو میں ایک ہزار کمسن لڑکے لڑکیاں جسم فروشی میں ملوث ہیں۔ یہ انکشاف سلطان شاہد نے اپنی کتاب میں کیا ہے' کہ مغربی یورپ میں جسموں کی تجارت سے اربوں ڈالر آمدنی حاصل کی جا رہی ہے۔ ۷۰ء کی دہائی کے وسط میں دنیا میں تین کروڑ عورتیں فروخت کی گئیں' تل ابیب میں فحاشی کے اڈوں میں ۵ سال کے دوران ۵ گنا اضافہ ہوا۔ ان میں بیشتر طوائفیں روسی نژاد ہیں۔ اس کتاب میں عورتوں پر بہیمانہ مظالم کی لرزہ خیز تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ دلال جسم فروشی کے دھندا میں کشش کے لیے عورتوں کے دانت توڑ دیتے ہیں اور انہیں آمادہ گناہ کرنے کے لیے بجلی کے جھٹکے دیتے ہیں۔ (جنگ لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۹۳ء)

۱۰ سالہ برطانوی لڑکوں کو ۹ سالہ لڑکی سے زیادتی کی کوشش کے الزام کا سامنا ہے۔ روزنامہ گارڈین کے مطابق اگر ان پر الزام عائد ہو گیا تو وہ دنیا کے کم عمر ترین زیادتی کے ملزم ہوں گے۔ یاد رہے کہ جون میں ایک ۱۱ سالہ لڑکے پر ۱۲ سالہ لڑکی کو زیادتی کا نشانہ بنانے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ لڑکوں نے اسکول میں لنچ بریک کے دوران لڑکی کو زیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ (نوائے وقت ۹۷/۸/۳۱)

برطانیہ میں انتہائی کم عمر کے بچے اور بچیوں میں جنسی رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق بچوں کے تحفظ کی قومی کونسل کی سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۸۶ء میں کم عمر بچوں کے مابین جنسی تعلقات کے تقریباً بارہ سو واقعات رونما ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر تعداد ایسے بچوں کی تھی جن کی عمریں پانچ سال سے بھی کم ہیں۔ رپورٹ میں اس خطرناک رجحان کی ذمہ داری مخلوط تعلیم اور جنسی مناظر پر مبنی فلموں پر عائد کی گئی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ (تحقیق محمد صدیق شاہ بخاری)

۱۔ پردہ از مودودیؒ: ص ۴۵۔

۲۔ یہ تو جنگ عظیم سے پہلے کی صورت حال تھی' اب آپ بعد کی صورت حال کی ایک جھلک ملاحظہ کریں:

پیرس کے متعلق چند سال قبل ڈیسپرے نے لکھا تھا کہ پیرس میں نوے (۹۰) فیصد شادیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں فریقین کے مابین قبل از نکاح تعلقات پیدا ہو چکے ہوتے ہیں۔

۱۹۵۵ء میں فرانس کے میڈیکل بورڈ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر پورے فرانس کے بارے میں اعلان کیا' کہ اس کی گودی میں ایک بھی باعصمت عورت نہیں اور اہل فرانس کو اس بات پر فخر ہے۔

فرانس کو فخر کے لیے بس اتنی سی بات حاصل نہیں ہے کہ اس کی گودی میں کوئی باعصمت عورت نہیں بلکہ اس کے سر افتخار کو بلند رکھنے کے لیے ایک مستقل طبقہ موجود ہے جس کا مقصد ہی فرانس کی عزت کو دوبالا کرنا اور اس ←

ہیں۔شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔"[1]

فرانس میں بدکاری

انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس کے نقصانات[2] کا بھی سن لیجیے:

"جنگ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹارنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی تھی جو اپنے جسم کو کرایہ پر چلاتی ہیں اور یہ کہ اس پیشہ میں فن اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے۔"[3]

"جنگ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دے کر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا ان کی تعداد پچھتر ہزار تھی۔ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں' بیک وقت ۲۴۲ سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے۔"

← کی امامت کو باقی رکھنا ہے۔

اس طبقے کا حال ایک سینتالیس (۴۷) سالہ جج مارشل سیکوٹ نے جو دس سال تک پولیس کے محکمہ تفتیش کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں' اپنی ایک تازہ ترین کتاب "عصمت فروشی" میں لکھا ہے:

"پیرس میں شام ہوتے ہی آٹھ ہزار عصمت فروش عورتیں اپنے ہوٹلوں یا مکانوں سے نکل کر اپنا کاروبار شروع کر دیتی ہیں اور دوپہر سے ہی دو ہزار عورتیں سڑکوں پر امنڈ آتی ہیں۔ ہر رات ان دس ہزار عورتوں کو تقریبا پچاس ہزار گاہک ملتے ہیں۔ ہر سیاح انہیں بوٹن ڈی بولون کے پارکوں میں مونٹپر اس کی دھندلی روشنی میں اور مونٹمار بیٹر پیرس کے ویسٹ اینڈ کے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں پاتا ہے۔"

1. پردہ از سید مودودیؒ: ص ۵۰۔
2. ایضا: ص ۵۷۔
3. فطرت کا باغی یورپ عفت وعصمت کے تقاضوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔وہاں عفت وعصمت نام کی کسی چیز کا تصور مفقود ہو چکا ہے۔وہاں عفت وعصمت کے تحفظ کے نہ ہونے سے کیا تباہیاں برپا ہوئیں ملاحظہ فرمائیں:

جج بن لنڈسے (Ben Lindsey) جس کو ڈنور (Denver) کی عدالت جرائم اطفال (Juvemle) کا صدر ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نوجوانوں کی اخلاقی حالت سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا ہے۔ اپنی کتاب "Revolt of Modern youth" میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں بچے قبل از وقت بالغ ہونے لگے ہیں اور بہت کم عمر میں ان کے اندر منفی احساسات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس نے نمونہ کے طور پر ۳۱۲ لڑکیوں کے حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان میں ۲۵۵ ایسی تھیں جو گیارہ اور تیرہ برس کے درمیان عمر میں بالغ ہو چکی تھیں اور ان کے اندر ایسی منفی خواہشات اور ایسے جسمانی مطالبات کے آثار پائے ←

ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں۔

جاتے تھے جو ایک ۱۸ برس بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر کی لڑکی میں ہونے چاہئیں۔ (صفحہ ۸۲ تا صفحہ ۸۶)

ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر (Edith Hooker) اپنی کتاب "Law of sex" میں لکھتی ہیں کہ "نہایت مہذب اور دولت مند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ سات آٹھ برس کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق و محبت کے تعلقات رکھتی ہیں، جن کے ساتھ بسا اوقات مباشرت بھی ہو جاتی ہے۔" اس کا بیان ہے کہ:

"ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک نہایت شریف خاندان کی چشم و چراغ تھی، خود اپنے بڑے بھائی اور اس کے چند دوستوں سے ملوث ہوئی۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا اور جن کے گھر پاس پاس واقع ہوئے تھے باہم شہوانی تعلقات میں وابستہ پائے گئے، اور انہوں نے دوسرے ہم سن بچوں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ ایک اور واقعہ ایک ۹ سال کی بچی کا ہے جو بظاہر بہت حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ اس بچی کو متعدد "عشاق" کی منظور نظر ہونے کا فخر حاصل تھا۔" (صفحہ ۳۲۸)

بالٹیمور (Baltimore) کے ایک ڈاکٹر کی رپورٹ ہے کہ ایک سال کے اندر اس کے شہر میں ایک ہزار سے زیادہ ایسے مقدمات پیش ہوئے جن میں بارہ برس سے کم عمر کی لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی گئی تھی۔ (صفحہ ۱۷۷)

یہ پہلا ثمرہ ہے اس ہیجان انگیز ماحول کا جس میں ہر طرف جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اسباب فراہم ہو گئے ہوں۔ امریکہ کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ ہماری آبادی کا اکثر و بیشتر حصہ آج کل جن حالات میں زندگی بسر کر رہا ہے، وہ اس قدر غیر فطری ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو دس پندرہ برس کی عمر ہی میں خیال پیدا ہو جاتا ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عشق رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ نہایت افسوس ناک ہے۔ اس قسم کی قبل از وقت صنفی دلچسپیوں سے بہت برے نتائج رونما ہو سکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں۔ ان کا کم سے کم نتیجہ یہ ہے کہ نوعمر لڑکیاں اپنے دوستوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں یا کم سنی میں شادیاں کر لیتی ہیں اور اگر محبت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو خودکشی کر لیتی ہیں۔

اس طرح جن بچوں میں قبل از وقت صنفی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں ان کے لیے پہلی تجربہ گاہ اسکول ہیں۔

اسکول دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان اسکولوں کی ہے جن میں ایک ہی صنف کے بچے داخل ہوتے ہیں۔ دوسری قسم ان اسکولوں کی ہے جن میں تعلیم مخلوط ہے۔

پہلی قسم کے اسکولوں میں "صحبت ہم جنس" (Homo-Sexuality) اور خودکاری (Masturbation) کی وبا پھیل رہی ہے، کیونکہ جن جذبات کو بچپن ہی میں بھڑکایا جا چکا ہے اور جن کو مشتعل کرنے کے سامان فضا ←

یہ مختصر سے اقتباسات آپ کو میں نے اس لیے پڑھنے کی زحمت دی تا کہ آپ غور کر سکیں کہ زنا کاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں' اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی' مالی' اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے! اور پھر یہ بھی سوچیں کہ زنا کاری کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں! مزید یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب علاج زنا کاری کے ''دنیاوی عذاب'' سے نہیں بچا سکتا' اور سطور بالا میں ان بڑے مہذب' متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن بربادیوں کی نشاندھی کے اشارے دیے ہیں وہ کتنے صحیح ہیں! اور قوانین عفت مرتب کر کے اس نے دنیا پر کتنا زبردست احسان عظیم کیا ہے؟۔

← میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں' وہ اپنی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی صورت نکالنے پر مجبور ہیں۔ ڈاکٹر ہوکر لکھتی ہیں کہ اس قسم کی تعلیم گاہوں' کالجوں' نرسوں کے ٹریننگ اسکولوں اور مذہبی مدرسوں میں ہمیشہ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں' جن میں ایک ہی صنف کے دو افراد آپس میں شہوانی تعلق رکھتے ہیں اور صنف مقابل سے ان کی دلچسپی فنا ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے بکثرت واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ ملوث ہوئیں اور دردناک انجام سے دو چار ہوئیں۔ بعض دوسری کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''صحبت ہم جنس'' کی وبا کس قدر کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر لوری (Dr.Lowry) اپنی کتاب ''Herself'' میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر نے چالیس خاندانوں کو خفیہ اطلاع دی کہ ان کے لڑکے اب سکول میں نہیں رکھے جا سکتے کیونکہ ان میں 'بداخلاقی کی ایک خوفناک حالت'' کا پتہ چلا ہے۔ (صفحہ ۱۷۹)

اب دوسری قسم کے تعلیمی اداروں کو لیجئے جن میں لڑکیاں اور لڑکے ساتھ مل کر پڑھتے ہیں۔ یہاں اشتعال کے اسباب بھی موجود ہیں اور اس کو تسکین دینے کے اسباب بھی۔ جس ہیجانی جذبات کی ابتداء بچپن میں ہوئی تھی' یہاں پہنچ کر اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ بدترین فحش لٹریچر لڑکوں اور لڑکیوں کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ عشقیہ افسانے' نام نہاد ''آرٹ'' کے رسالے' جنسی مسائل پر نہایت گندی کتابیں اور مانع حمل کی معلومات فراہم کرنے والے مضامین۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو عنفوان شباب میں اسکولوں اور کالجوں کے طلباء اور طالبات کے لیے سب سے زیادہ جاذب نظر ہوتی ہیں۔ مشہور امریکن مصنف ہینڈرچ فالون (Hendrich Von Loain) کہتا ہے کہ:

''یہ لٹریچر جس کی سب سے زیادہ مانگ امریکن یونیورسٹیوں میں ہے' گندگی' فحش اور بے ہودگی کا بدترین مجموعہ ہے جو کسی زمانہ میں اس قدر آزادی کے ساتھ پیش نہیں کیا گیا''

''نکاح'' پاکدامنی کے تحفظ کا ضامن

اتنی مہلک اور خطرناک برائی' جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت نقصان پہنچاتی ہے' اس کی روک تھام کی جس شد و مد سے ضرورت تھی' وہ کسی ذی عقل سے مخفی نہیں۔ اور صرف روک دینا ہی کافی نہ ہوتا' جیسا کہ عیسائیوں اور دوسری قوموں میں اس کا انجام دیکھ رہے ہیں' بلکہ اس کے لیے مستقل قوانین وضوابط کی ضرورت تھی۔ اور اسلام نے یہی کیا' انسان کی فطرت کو جانچا اور اس کے مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی' اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط وتفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا' بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا۔

نکاح کا حکم:

زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد وعورت' جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو' ضرور شادی کریں' کہ عفت وعصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا بہترین سبب یہی ہوسکتا ہے۔ رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ﴾

(النور: ۲۴/ ۳۲)

''اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔''

ایامی' ایّم کی جمع ہے' اس کا استعمال مرد وعورت دونوں کیلئے ہوتا ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو' یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا۔

''رجل ایم'' اور ''امرأة ایم'' کہا جاتا ہے۔[1]

---

[1] ابن کثیر ج ۳ / ۲۸۶۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''یعنی احرار (آزاد) میں سے جو بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت' اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو' یا وفات وطلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو' تم ان کا نکاح کر دو' اور اسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس نکاح کے لائق ہو' یعنی حقوقِ زوجیت کو ادا کر سکے' اس کا بھی' نکاح کر دیا کرو' اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے' باوجود غلام' لونڈیوں کو ضرورت ہونے کے' ان کی مصلحت کو فوت مت کیا کرو۔''[1]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد وعورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے' جن کو شادی کی ضرورت ہو' حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتے ہیں' ان کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے۔ بشرطیکہ ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔ اور پھر اس ذمہ داری کو اللہ رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے' تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور اشارہ کیا کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے' اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں' ان کا اثر بھی پوری قوم پر پڑتا ہے۔ کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا' کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔

اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے' جس پر آگے بحث ہوگی۔

اس آیت سے اتنی بات بہر حال کھل کر معلوم ہو گئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے' اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی' کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

نکاح' قرآن وسنت کے آئینہ میں

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شادی کرنا واجب ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حدِ برداشت سے جب باہر ہو جائے'

[1] بیان القرآن ۸/ ۱۷

اور خطرہ شرعی حدود کے توڑ دینے کا سامنے آ جائے' (یعنی ظنِ غالب اس خطرہ میں مبتلا ہونے کا ہو) تو اس وقت نکاح کرنا مؤمن کے لیے واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر بے تابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنتِ مؤکدہ ہے۔ اسی طرح اگر ظنِ غالب ہو کہ حقوقِ زوجیت ادا نہ ہو پائیں گے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے۔ بلکہ حقوق زوجیت کے متعلق عجز کا جسے یقین ہو' ایسے آدمی کے لیے تو نکاح حرام ہے۔

نکاح میں تحفظِ عصمت:

بہرحال مذکورہ بالا قرآنی حکم کے سوا حدیثوں میں بھی بہت بڑا ذخیرہ ہے' جن میں شادی کی تاکید وترغیب پائی جاتی ہے۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شادی کرنے والوں پر ضروری ہے کہ جونہی وہ شادی کی ضرورت محسوس کریں شادی کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ))[1]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کرلینا چاہیے' کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بہت بچاتا ہے۔''

اس حدیث میں جہاں نوجوانوں کو شادی کا حکم دیا گیا ہے' وہاں شادی کے فائدے بھی بیان کردیے گئے ہیں' کہ شادی سے عفت وعصمت پیدا ہوگی اور آدمی حرام کاری سے بچ جائے گا' اور گو حدیث میں خطاب نوجوان ہی کی طرف ہے' لیکن جن کے جنسی میلان میں فتور اور ضعف کی کیفیت پیدا نہ ہوئی ہو گو نوجوان نہ بھی ہوں ان کو بھی نکاح کرنا چاہیے۔

نکاح اور افزائش نسل:

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ وَ تَنَاسَلُوا فَإِنِّي مُبَاهٍ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[2]

''بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ' اس لیے کہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔''

---

[1] بخاري۔ كتاب النكاح: باب قول النبي ا ''من استطاع منكم الباءة'' (ح ٥٠٦٥)
مسلم۔ كتاب النكاح: باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه اليه (ح ١٤٠٠)

[2] ابن كثير ج ٣ ص ٣٨٦

اس حدیث میں بھی نکاح کا حکم دیا گیا ہے اور نکاح کا مقصد بھی بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشاء توالد وتناسل اور نسل انسانی کی بقا ہے تاکہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔ مشکوۃ میں ایک حدیث ان لفظوں سے نقل کی گئی ہے:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ))[1]

''خوب محبت کرنے والی اور بہت سے بچے دینے والی عورت سے شادی کرو اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔''

اس حدیث میں تکثیر نسل کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت والفت' کرنے والی یعنی بااخلاق عورت سے شادی کرو کیونکہ معاشرتی زندگی کے خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے۔ زن وشوہر میں محبت والفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی مسرت کی حمایت پوشیدہ ہے۔

نکاح اور پاکدامنی:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے' بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک وصاف جائے اور اس کا دامن عفت وعصمت کسی قسم کی آلودگی میں ملوث نہ ہو تو اس کی شکل یہی ہے کہ اس کو کسی شریف عورت سے شادی کر لینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ))[2]

''اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک وصاف ملنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ شریف عورتوں سے شادی کرلے۔''

اس حدیث میں شادی سے جو عفت وعصمت اور پاک دامنی حاصل ہوتی ہے اس کا بڑا بلیغ بیان ہے۔ بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں' ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے' کہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ دوسرے گناہوں سے بھی آدمی کو بچا لیتا ہے اور یہ کہ شادی ہدایت کا اور پھر

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب النکاح: باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء (ح ۲۰۵۰)
نسائی۔ کتاب النکاح: باب کراھیة تزوج العقیم (ح ۳۲۲۹)

[2] ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب تزویج الحرائر۔ ابوداؤد (ح ۱۸۶۲) اس کی سند میں سلام بن سوار اور کثیر بن سلیم ضعیف راوی ہیں۔ الشیخ البانیؒ نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے السلسلة الضعیفة (۱۴۱۷)

نجات کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے۔

دیکھا بھی گیا ہے کہ جس کی شادی نہیں ہوتی' اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں کرتا وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے' خواہ ان گناہوں میں لوگ غیر ارادی طور پر ہی کیوں نہ مبتلا ہو جاتے ہوں' لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے عموماً ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے' بخلاف دیگر لوگوں کے جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاک دامنی کی زندگی بھی گزارنا چاہتے ہیں تو وہ خواہ مخواہ کشمکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نجانے کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہو جائے۔"

ایک حدیث میں نکاح کو "نصف دین" سے تعبیر کیا گیا ہے' ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ))[1]

"بندہ نے جب شادی کر لی تو اس نے نصف دین پورا کر لیا۔"

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے۔ لہٰذا شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

نکاح رسولوں کی سنت ہے:

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: "تم نے شادی کی؟" میں نے جواب دیا: "نہیں!" انہوں نے کہا:

((تَزَوَّجْ فَاِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَانَ اَكْثَرَهُمْ نِسَاءً يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ))[2]

"شادی کرو کیونکہ اس امت کے سب سے بہتر فرد بیویوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے بہت سی شادیاں کیں۔"

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی سنت رہی ہے اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کی ہیں' اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾

(الرعد: ۱۳/ ۳۸)

---

[1] بیهقی فی شعب الایمان (ح ۵۴۸۶) اس کی سند میں یزید رقاشی اور جابر جعفی سخت ضعیف راوی ہیں۔

[2] بخاری- کتاب النکاح: باب کثرة النساء (ح۵۰۶۹)

''اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیے۔''

غیر شادی شدہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں:

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''وہ شخص مسکین ہے جس کی بیوی نہیں ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''گو وہ کثیر المال ہو تب بھی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں! گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو (اگر بیوی نہیں ہے تو وہ مسکین ہے)۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ عورت مسکین ہے جس کا شوہر نہیں ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! اگر چہ اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت ہو تب بھی مسکین ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں تب بھی وہ مسکین ہے۔'' [1]

یہ اور اس طرح کی بیسیوں احادیث ہیں' جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں' ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے' کہ اسلام میں عقد ازدواج پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے۔ مقصد وہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر اس کو افزائش نسل کا ذریعہ بھی بنایا جائے اور عصمت و عفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کا واحد ذریعہ بھی یہی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بالکل صحیح فرمایا:

((وَ يُتَزَوَّجُ لِكَسْرِ الشَّهْوَةِ وَ اِعْفَافِ النَّفْسِ وَ تَكْثِيْرِ النَّسْلِ)) [2]

''شادی شہوت توڑنے' نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کی جاتی ہے۔''

رہبانیت پیغمبر اسلام کی نظر میں:

یہی وجہ ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ بعض لوگ نکاح سے پرہیز کو بہتر سمجھتے ہیں' تو ان کو فہمائش کر کے شادی کر لینے پر آمادہ کیا۔

حدیث میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے' کہ جب انہوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی' اور خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پا جائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں۔ تو آپؐ نے اس

---

[1] مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۲' بحوالہ طبرانی فی الاوسط (۶۵۸۵) واسنادہ ضعیف لارسالہ یہ روایت مرسل ہے حقیقت میں یہ ابو نجیح کا قول بنتا ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

[2] فتح الباری۔ ۹/ ۱۳۳

کے اس جذبہ کی تردید فرمائی اور بالآخر سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔[1]

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم ﷺ کے گھر آئے' اور آپ کی ازواج مطہرات ﷺ سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ ان سے آپ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی۔ یہ سن کر انہوں نے جو رائے ظاہر کی اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاید وہ آپ کی اس عبادت کو کم سمجھ رہے ہیں' چنانچہ انہوں نے کہا کہ کہاں رسول اللہ ﷺ جن کے سارے گناہ رب العزت نے معاف کر دیئے اور کہاں ہم سراپا گنہگار۔ ایک نے کہا "میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا" دوسرے نے کہا "میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا" تیسرے نے کہا "میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا' اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کروں گا۔"

رسول رحمت ﷺ کو اس واقعہ کی جب اطلاع ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "کیا تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟" پھر فرمایا: سنو! اللہ ذوالجلال کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں۔ اس کے باوجود میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' (نفل) روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کرے (منہ موڑے) گا وہ مجھ سے نہیں۔"

اس حدیث کے اخیر حصہ سے مجھے ثابت کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی جنہوں نے فخر کے انداز میں کہا تھا کہ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے اور شادی سے پرہیز کریں گے رحمت عالم ﷺ نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور اخیر میں فرمایا:

((وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[2]

"اور میں شادی کرتا ہوں' پس جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی خدمتِ نبوی میں عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ ﷺ میں ایک جوان مرد ہوں' زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں' اور اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ شادی کر سکوں۔" ان

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب ما یکرہ من التبتل والخصاء (ح ۵۰۷۳، ۵۰۷۴)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه (ح ۱۴۰۲)

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح (ح ۵۰۶۳)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح (ح ۱۴۰۱)

کا منشا یہ تھا کہ خصی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر یہی عذر بیان کیا' اور اجازت کی درخواست کی۔ اب کی دفعہ بھی آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تیسری مرتبہ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سوال دہرایا' تب رسول اللہ ﷺ نے خاموشی توڑی اور فرمایا: ''اے ابو ہریرہؓ! جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے۔ تم خصی ہو یا نہ ہو۔ (یعنی پھر تم خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو؟)''[1] لہٰذا اس بنیاد پر اپنے آپ کو خصی بنا لینا اسلام میں ناجائز ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہم لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کرتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔[2]

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی معاشی حالت اگر نکاح کی ذمہ داریوں کے قبول کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو ایسے لوگوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑ دیں۔ لیکن اختصاء یعنی اپنے آپ کو خصی بنانے کی اجازت اسلام میں نہیں دی گئی۔ روزہ ہی کو خصی بنانے کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

بہر حال پیغمبر اسلام نے نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کی اس شدومد سے اس لیے تردید فرمائی کی یہ اقدام نہایت غلط تھا اور اسلام کی روح کے خلاف تھا۔ ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دی ہے' اس کا یہ مصرف کسی طریقہ سے مناسب نہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا یعنی یہ بات اس وقت رد نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا۔

پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں:

ان ہی وجوہ سے عورت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر ان راہبانہ وسوسوں سے بالکل مختلف ہے' جن کا ذکر عیسائی رہبانوں کے حوالہ سے کر چکا ہوں۔ اور عورت کو زہر قرار دینے کی بجائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْیَا کُلُّهَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ))[3]

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب مایکرہ من التبتل (ح ۵۰۷۶)

[2] مسند احمد (۳/ ۱۵۸-۲۴۵) ومعجم الاوسط للطبرانی (۵۰۹۵)

[3] مسلم۔ کتاب الرضاع: باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (ح ۱۴۶۹)

نسائی۔ کتاب النکاح: باب المرأة الصالحة (ح ۳۲۳۴ واللفظ لہ)

"پوری دنیا متاع (فائدہ کی چیز) ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے۔"

جس دین میں عورت دنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو زہر یا نجس قرار دے دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی کا حکم دیا جائے؟ باقی یہ سوال کہ نیک عورت دنیا کی بہترین پونجی کیوں ہے؟ سوچا جائے تو آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت مرد کو بہت سے خطرات اور خطیئات وسیئات (برائیوں) سے محفوظ رکھتی ہے؟ طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور فطری بے چینیوں کے ازالہ کا ذریعہ وہی ہے؟ اور ایک مسلم بات ہے کہ انہی امور کے حصول کے بعد کوئی آدمی یکسوئی سے کوئی نیک کام انجام دے سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے' ورنہ نفسانی خواہشات کی ادھیڑ بن سے فرصت ملنا ہی محال ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِی فِی الصَّلَاةِ))[1]

"دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو بنایا گیا۔"

ترغیب نکاح کے ساتھ وعدۂ غناء (مالداری):

اگر آپ نے مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کو غور سے پڑھا ہوگا تو سمجھ چکے ہوں گے کہ اسلام عام انسان کو اور خصوصیت سے اپنے پیرو کو جائز طور پر شادی کرنے کی بے حد ترغیب دیتا ہے۔ اور یہ بھی جان چکے کہ جنسی میلان کا تقاضا ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو نکاح اسلام میں واجب ہو جاتا ہے۔ فقہا اسلام کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ اور اس مسئلہ کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ معاشی خطرات کو خواہ مخواہ محسوس کر کر کے نکاح سے جو کترانا چاہتے تھے' قرآن میں انہی کو حکم دیا گیا ہے:

﴿اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○﴾

(النور: ۲۴/ ۳۲)

"اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا ہے۔"

---

[1] نسائی۔ کتاب عشرة النساء: باب حب النساء (ح ۳۳۹۱، ۳۳۹۲)

معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر جینے والے جن اوہام اور وساوس میں تہ وبالا ہوتے رہتے ہیں' وہی اکثر سوچتے ہیں کہ ''شادی کیسے کریں؟'' افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے' بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا نظم ہوگا؟۔

اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے دلاسا اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ' رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بار بار قرآن میں اطمینان دلایا گیا ہے:

﴿ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق :۶۵/ ۳)

''اور وہ اس کو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں گزرتا۔''

﴿ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ (الانعام : ۶/ ۱۵۱)

''ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے۔''

مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہ کرنا چاہیے بلکہ ''الرزاق ذو القوۃ المتین'' پر اعتماد کر کے چاہیے کہ نکاح کا زمانہ جب آ جائے تو آدمی نکاح کر لے اور اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' بیوی اور پھر بال بچوں کے نان و نفقہ کا سامان من جانب اللہ ہوگا۔ ممکن ہے بیوی کی شرکت سے خیر و برکت بڑھ جائے' بیوی کا خاندان امداد کرے یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کر دے۔ خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے' کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ اس ٹکڑے کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اور احرار (آزاد) کے نکاح میں اس اپنے عزیز یا عزیزہ کے شوہر یعنی پیغام دینے والے کے فقر و افلاس بالفعل کو جبکہ بالقوۃ اس میں مادۂ اکتساب و خدمت عیال کا ہوتا ہے' مت سمجھا کرو' کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا' اس کا دارومدار مشیت پر ہے' اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے' تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہو جائے گا اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح ہونے کے بھی نہ ہوگا۔ پس ایسے ارتباطات وہمیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے؟ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے جس کو چاہے غنی کر دے اور سب کا حال خوب جاننے والا ہے

جس کو غنا کا اہل دیکھے غنی کر دے جس کو فقر کا اہل جانے فقیر کر دے۔"[1]

اس مقام پر مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف تفسیر احسن البیان میں لکھتے ہیں:

"یعنی محض غربت اور تنگدستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی تنگدستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے حدیث میں آتا ہے: "تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور امداد فرماتا ہے (۱) نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کی نیت سے نکاح کرے (۲) مکاتب غلام جو ادائیگی کی نیت سے لکھتا ہو (۳) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔" (ترمذی)

فقر و فاقہ کے شبہات و شکوک کا حل:

اس تفسیری ترجمہ سے انسان کے ان سارے شکوک کے جواب مل جاتے ہیں جو انسانی عقل میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ باوجود اختصار کے اس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے' نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے تو اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ در اصل مشیت الٰہی سے متعلق ہے مگر چونکہ یہاں پہنچ کر انسان کو خصوصیت سے فقر و افلاس کے شبہات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس موقعہ پر قرآن پاک نے خصوصیت سے اس موہوم خطرہ کا تذکرہ کر کے اس سے انسان کو نکالنے کی سعی کی ہے۔ قرآن پاک نے ایک دوسری جگہ بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۝﴾

(توبہ :۹/ ۲۸)

"اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ آئندہ تم کو اگر اس نے چاہا غنی کر دے گا۔"

اس آیت میں بھی غنا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق کیا گیا ہے' لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کر دیتا ہے' بہر حال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بیہودہ خیال قرار دیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہے اور اس نے فوری محتاجی اور تنگ دستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر دے گا۔ ہاں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصول رزق کے لیے تدابیر اختیار کرے اور اس کے لیے جدوجہد

[1] بیان القرآن ۸/ ۱۷

کرے۔

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ۝﴾ (النجم : ۵۳/ ۳۹)

''اور یہ کہ انسان کو اس کی محنت ہی کا ثمر ملتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تاثر:

قرآن پاک کی اس آیت:

﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۝﴾ (النور : ۲۴/ ۳۲)

''اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

کو پڑھ کر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے اور اس شخص کو شادی کا حکم دیتا ہے جس میں شادی کی صلاحیت پائی جائے اور ساتھ ہی غناء کا وعدہ فرماتا ہے۔[1]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے اس پر عمل کرو اور رب العزت کی اس کے اس امر میں اطاعت کرو۔ اس سلسلہ میں اس نے تم سے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے پورا کرے گا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غناء تلاش کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۝﴾ (النور : ۲۴/ ۳۲)

''اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی (مالدار) بنا دے گا۔''[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمُ الْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۸۶) تفسیر طبری (۱۹/ ۱۶۶)

[2] تفسیر ابن ابی حاتم (۸/ ۲۵۸۲) تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۸۶)

[3] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۸۶) تفسیر طبری (۱۹/ ۱۶۶)

[4] ترمذی۔ کتاب فضائل الجهاد: باب ماجاء فی المجاهد والناكح والمكاتب۔ (ح۱۶۵۵)
نسائی۔ کتاب النکاح: باب معونة الله الناكح الذي يريد العفاف (ح ۳۲۲۰)۔
ابن ماجه۔ کتاب العتق باب المکاتب (ح۲۵۱۸)۔

''جن کی مدد اللہ پر لازم ہے تین ہیں' ایک مکاتب جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے' دوسرا نکاح کرنے والا جو عفت و پاکدامنی کا ارادہ کرتا ہے اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول الثقلین ﷺ کا ارشاد ہے: عورتوں سے شادی کرو وہ تمہارے یہاں مال و دولت لانے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔[1] (یعنی اللہ تعالیٰ اس کی آمد کی وجہ سے روزی میں برکت دے گا)

حالتِ فقر میں اجازتِ نکاح:

رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا' تو آپ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا۔[2] ماحصل یہ ہے کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم ﷺ نے بالکل خیال نہیں فرمایا اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو نکاح کی اجازت دینے میں پس و پیش فرمائی۔ جیسے کہ حدیث کی کتابوں میں واقعات مذکور ہیں کہ آپ نے فقر میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فوری شادی کا حکم دیا۔ کسی صحابی کی تعلیم قرآن پر شادی کرا دی' جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔ کوئی خدمت نبوی میں آیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی اور اس کے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا' آپؐ نے اسے شادی کی اجازت دے دی' کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپؐ نے شادی کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حد یہ ہے کہ ایک لپ ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت دے دی۔[3]

ان احادیث کو پیش کر کے کہنا ہے کہ عہد نبوی میں خود ذات برکت سراپا رحمت ﷺ کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اور پیغمبر اسلام نے لوگوں کی ایسی تنگدستی میں بھی شادی کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہو گا کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں' جس سے پاکبازی پھیلے اور دنیا میں اخلاق اور عزت و آبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔

---

[1] مستدرک حاکم (۲/۱۶۱)' مسند البزار (۱۴۰۲) امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

[2] لم اجده۔ (حاشیہ بیان القرآن ۸/ ۱۷) اصل مصادر میں نہیں مل سکی۔

[3] ان واقعات کے لیے مشکوٰۃ باب الصداق یا بخاری و مسلم وغیرہ میں جوتے' ستو اور کھجور والی روایات ضعیف ہیں۔ باب الصداق وغیرہ دیکھیے۔

نکاح سے بالکل مجبوری کی حالت میں عفت کی تاکید:

ہاں انسان میں جب شادی کی بالکل صلاحیت نہ ہو' نہ بالفعل اور نہ بالقوۃ۔ (یعنی وہ دائمی طور پر مجبور ہو) یا اس کو بیوی نہ مل سکے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے کہ اس وقت تک شادی روکی جاسکتی ہے جب تک انسانوں میں صلاحیت اور استعداد نہ آ جائے' یا بیوی نہ مل جائے۔ مگر اس حالت میں بھی اسے عفت اور پاکدامنی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾

(النور : ۲۴/ ۳۲)

''ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے وہ ضبط کریں' تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔''

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتہ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے کہ ضبط نفس اور پاکدامنی سے کام لے۔ اور ضبط نفس کی جو جائز صورت ہو اسے عمل میں لائے جیسے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے ایسے مجبور آدمی کے لیے حکم دیا ہے کہ وہ روزہ رکھ کر' خواہشاتِ نفسانی کا زور توڑے' ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ اسے بدکاری پر آمادہ کرے۔ چنانچہ فرمایا:

((وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) [1]

''جو شخص اسبابِ جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو' اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔''

کتبِ احادیث میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے شادی نہ کر سکے' حالانکہ ان کو نکاح کی ضرورت تھی' رسول اللہ ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا' اور انہوں نے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا' جب اللہ تعالیٰ نے شادی کا سامان فراہم کر دیا' تو پھر انہوں نے شادی کر لی۔

OOO

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ ''من استطاع منکم الباءۃ۔'' (ح ۵۰۶۵)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح۔ (ح ۱۴۰۰)

نکاح سے فرار کے نقصانات و بربادیاں

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت و حکمت پر مبنی ہے' انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے' بلوغت کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے' اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے' تقاضے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے' سوتے جاگتے' چلتے پھرتے' اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب و مستولی پاتا ہے' دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے' طبیعت حدود کی پروا کیے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو' خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو' مگر عقل خواہش کو لگام دیتی ہے۔ الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے' غیر ازدواجی زمانہ خصوصاً ایامِ شباب میں یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کر لے اور حصول خواہش کے لیے جائز راستہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس خود شوریدہ کشمکش سے نجات پا جاتا ہے اور لاحاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے محفوظ ہو کر اسے وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتا ہے' طمانیت اور یکسوئی میسر آتی ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائے گا' وہی نتیجہ خیز ہو گا۔

مقاصدِ نکاح

زن و شوہر کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کیے گئے ہیں[1] یعنی نسل

---

[1] اسلام نے شادی کے باقاعدہ چند مقاصد بتائے ہیں' کہ جن کو مدنظر رکھ کر نکاح کیا جاتا ہے' لیکن امریکی و یورپی اقوام میں نکاح کے مقاصد کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے' ان کے سامنے نکاح کا اگر کوئی مقصد ہے تو وہ صرف جنسی ہوس کو پورا کرنا ہے۔ جبکہ اسلام نے افزائش نسل عفت و عصمت کا تحفظ' بدکاری اور زناکاری وغیرہ سے بچاؤ کو مقصد بتایا ہے۔ لہٰذا اب آپ بے مقصد جنسی نکاحوں کی ہلاکت خیزیاں بھی ملاحظہ کریں۔ ←

مقاصد نکاح سے بغاوت کا انجام:

امریکہ کے ایک میگزین (Better homes and Eardens) نے اپنے قارئین سے سوال کیا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ امریکہ میں خاندانی زندگی مشکلات (Trouble) سے دوچار ہے۔ ۷۶ فیصد کا جواب تھا کہ ہاں۔ ۸۵ فیصد نے کہا کہ پرمسرت شادی کے بارے میں ان کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں۔ اسی طرح ایک اور امریکی میگزین نیوز ویک نے مئی ۱۹۷۸ء میں اپنے ایک جائزہ کے نتائج شائع کئے تھے۔ اس کے مطابق امریکہ میں تقریباً نصف نکاح طلاق پر ختم ہوتے ہیں۔ طلاق کے بعد دوبارہ نکاح ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ طلاق۔

نکاح کے ایک مشیر رونالڈ کیلی نے لکھا کہ: مشیر نکاح کی حیثیت سے میرے لیے ایک نہایت افسوس ناک بات یہ ہے کہ اکثر عورتیں اور مرد شادی کے بعد بھی اپنے گھروں میں اجنبی کی طرح رہتے ہیں۔ ان میں بہت کم اشتراک ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ راستے پر چلتا ہے۔ ان میں صرف کبھی کبھی گفتگو ہوتی ہے۔ وہ بھی زیادہ تر پیسہ، بچہ کی پرورش یا جنس کے بارے میں بحث کے طور پر۔ ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ آخر ابتداء میں وہ دونوں کس طرح اکٹھے ہوئے تھے۔ (پلین ٹروتھ، جون ۱۹۸۷ء)

شادی خواہ کتنی ہی پسندیدگی کے تحت کی گئی ہو، اس میں بہرحال ناخوش گواریاں پیش آتی ہیں۔ کبھی زندگی کے مسائل کی بنا پر اور کبھی جنسی کشش زائل ہونے کی بنا پر۔ اب اگر میاں اور بیوی "شادی برائے مقصد" کے نظریہ کے تحت یکجا ہوئے ہوں تو پیش نظر مقصد کی خاطر دونوں اس کو نظر انداز کریں گے اور ناخوشگواریوں کو برداشت کرتے ہوئے باہم جڑے رہیں گے۔ اس کے برعکس جب "شادی برائے لذت" کا تصور ہو تو ہر خلاف مزاج بات سنگین صورت حال اختیار کر لے گی۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہ ہوگی جس کی بناء پر عورت اور مرد اس کو برداشت کرتے ہوئے تعلق کو برقرار رکھنا ضروری سمجھیں۔

مغربی دنیا کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہاں تہذیب جدید کے اثر سے شادی برائے لذت کا اصول رائج ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں خاندانی زندگی منتشر ہو کر رہ گئی ہے۔ کہیں جنسی کشش کے زوال کی بنا پر اور کہیں گھریلو مسائل پر۔

آبادی کا مسئلہ:

امریکہ میں ایک کتاب (بحوالہ ٹائم ۲۴ راگست ۱۹۸۷ء) چھپی ہے جس کا نام ہے "پیدائش کا قحط" یہ کتاب آج کل مختلف حلقوں میں بحث کا زبردست موضوع بنی ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے اعداد و شمار کی روشنی میں دکھایا ہے کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں پیدائش کی شرح خطرناک حد تک کم ہوگئی ہے، دوسری طرف اشتراکی بلاک کی شرح پیدائش بڑھ رہی ہے، اور تیسری دنیا کی شرح کا تو یہ حال ہے کہ اگلے پچاس سال میں اس کی آبادی مغربی دنیا سے دس گنا زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے نتیجہ میں اکیسویں صدی میں پہنچ کر امریکہ عالمی طاقت کی حیثیت کھو دے گا۔ اسی طرح پوری مغربی دنیا عالمی سیاست میں دوسرے درجہ کی حیثیت

انسانی کے اجراء کا یہ ذریعہ ہے۔ یہ تو خیر عام بات ہے' قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہین منت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی' دوسرا طبی نفع بھی کہ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت و سرور' یہ تیسرا فائدہ ہے۔ ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے۔[1]

مادۂ تولید اور اس کا اخراج

جالینوس کا قول ہے' کہ مادۂ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم و تر ہے' اس کا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے' کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ نیز مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے' بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے' ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے' جو صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔

''نفیسی'' جو طب کی مشہور کتاب ہے' اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے' کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنی چاہیے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو' طبیعت کا واقعی تقاضا ہو' تکلف اور جبری تصورات و خیالات کا نتیجہ نہ ہو' تقاضے کی طبعی علامت یہ ہے کہ مادہ تولید میں گویا اضطراب و التہاب کی کیفیت محسوس ہو' بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے' یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے' ورنہ اس کے بغیر صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔ آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

((وَحِينَئِذٍ لَابُدَّ مِنَ الْجِمَاعِ وَ دَفْعِ الْمَنِيِّ لِاَنَّهُ اِذَا تُرِكَ وَ كَثُرَ فِي

← حاصل کرے گی۔ اس کا حل ایک ناقد کے الفاظ میں یہ ہے کہ مغربی عورتیں دوبارہ بچہ پیدا کرنے والی قدیم عورت کا انداز اختیار کر لیں۔

جدید تہذیب نے عورت کو جو مقام دیا تھا وہ زندگی کی حقیقتوں سے ٹکرا گیا۔ اب مفکرین مغرب کو نظر آ رہا ہے کہ اگر کامیاب زندگی حاصل کرنا ہے تو عورت کے قدیم تصور کو دوبارہ اختیار کرنا ہو گا۔

[1] زاد المعاد' ج ۳' ص ۱۴۶۔

الْاَوْعِیَةِ خَنَقَ الْحَارَّالْغَرِیْزِیَّ وَاَطْفَأَهٗ وَیُلْزِمُ ذَالِكَ اَنْ یَبْرُدَ وَیُبَرِّدَ الْبَدَنَ))[1]

''اور اس وقت مقاربت اور مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے گا اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائے گا تو حرارت غریزی کا یہ گلا گھونٹ دے گا اور اسے بجھا دے گا اور لازم ہو گا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے۔''

مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات:

نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے' بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

((وَقَدْ یَسْتَحِیْلُ الْمَنِیُّ اِلٰی طَبْعِیَّةٍ سَمِّیَّةٍ وَ یُرْسِلُ اِلَی الْقَلْبِ وَالدِّمَاغِ بُخَارًا رَدِیًّا سَمِّیًّا یُوْجِبُ الْغَشْیَ وَالصَّرْعَ وَنَحْوَهُمَا))[2]

''مادہ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جائے گا اور یہ زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخارات کو روانہ کرے گا' جو غشی' مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوں گے۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''مادۂ تولید جو خود نکلنے کے لیے بے چین ہو' تو اس کو خارج کرنا ضروری ہے تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔''[3]

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت درست لکھا ہے:

''مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہیے' ورنہ جس طرح اس کنویں کا پانی خراب ہو جاتا ہے' جس کا پانی نکالا نہیں جاتا' یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہو گا۔''

محمد بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترکِ مقاربت سے' اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے' تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں' اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے۔[4]

ایک موقع پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] نفیسی' ص ۴۱۳ — [2] ایضاً

[3] ایضاً ص ۴۱۴ — [4] زاد المعاد ۳/۴۶

((وَرُبَّمَا غَلَبَتْ عَلَى الرَّجُلِ شَهْوَتُهُ فَيَتَضَرَّرُ بِالتَّاخِيْرِ فِيْ بَدَنِهِ اَوْ فِيْ قَلْبِهِ اَوْ فِيْ بَصَرِهِ))[1]

''مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے' (یعنی شدت سے غلبہ پا کر اس پر مسلط ہو جاتا ہے) اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے تو بدن کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور دل کو بھی اور بینائی کو بھی۔''

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے' کیونکہ مادۂ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائے تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی آدمی دینی و دنیوی نقصانات کا نشانہ بن جاتا ہے۔

آوارگی اور زنا کا راستہ:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مادۂ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے' اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے' جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے' اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے۔ اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے' اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لیے ابھارتی ہے' انسان کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔''[2]

ہم بستری کے فائدے

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ))[3]

---

[1] نووی شرح مسلم ۱/ ۴۵۰

[2] حجة الله البالغة ۲/ ۱۲۲

[3] بخاری۔ کتاب النکاح: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن استطاع منکم الباءۃ۔ (ح ۵۰۶۵۔ ←

''اے نوجوانوں کی جماعت!......تم میں سے جو اسبابِ مقاربت پر قدرت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے' نکاح آنکھوں کے زنا سے بچاتا ہے اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔''

جالینوس نے اپنی کتاب ''حفظ الصحۃ'' میں لکھا ہے:

''بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفاء ہے۔''[1]

علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

''مقاربت کرنے سے حرارتِ غریزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے' انسان کو خوش رکھتا ہے' غصہ کو توڑتا ہے' بیہودہ خیالات کو دور کرتا ہے اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے مفید ہے' جبکہ ترکِ مقاربت صحت کے لیے مضر ہے اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیف دہ اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''[2]

جائز ہم بستری اور تزکیہ قلب:

مولانا مدنی اپنے ایک ارادت مند کو لکھتے ہیں:

''تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی اصلاح ناممکن ہے' میں اسے تسلیم نہیں کرتا' کیونکہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں کو صاف کرتی ہے۔''

قاضی عیاض کی کتاب کے شارح نے کہا ہے کہ ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔''[3]

ہم بستری میں اعتدال:

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کی حدود کو توڑ کر آدمی اسی مشغلہ میں ڈوب جائے' کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ اوپر جالینوس اور نفیسی کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں اس طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ از بس ضروری ہے' صادق

← مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح (ح ۱۴۰۰)

[1] مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۳۲۔

[2] نفیسی' ص ۳۱۵

[3] مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۳۲

اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے' ورنہ خواہ مخواہ زور و جبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا حد سے زیادہ مضر ہے۔

چنانچہ نفیسی لکھتے ہیں:

((اَلْا فْرَاطُ فِی الْجِمَاعِ یُسْقِطُ الْقُوَّةَ وَ یَضُرُّ الْعَصَبَ فَیُوْقِعُ فِی الرَّعْشَةِ وَالْفَالِجِ وَالتَّشَنُّجِ وَ یُضْعِفُ الْبَصَرَ))[1]

''مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹا دیتی ہے' رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر اس سے رعشہ' فالج اور تشنج پیدا ہوتا ہے اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔''

معلوم ہوا کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصانات میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے' اور یہ فعل اس حد تک رہے جو اس کی صحت کے لیے مفید ہو اور دین کے کاموں میں الجھنوں سے محفوظ رکھے۔

جائز راستوں کا ترک اور اس کا عبرتناک انجام

اتنی بات جب ثابت ہو چکی کہ مادۂ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لیے ضروری ہے' لیکن قدرت نے اس کے اخراج کا جو فطری طریقہ مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو لوگ مادۂ تولید کو غیر فطری راہوں سے نکال نکال کر برباد اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہیے' آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے اس امانت کے ساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتی ہے' اتنا ہولناک کہ جس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں۔

محمد بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک جماعت' جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا اور مادہ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے' میں نے دیکھا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے' ان کی تیزی میں سستی آ گئی' بلا سبب ان پر حزن و ملال چھایا رہنے لگا' ان کی امنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں' اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔

غیر فطری طریقوں کے نقصانات:

جو لوگ مادۂ تولید کو غیر فطری طریقوں سے نکالتے ہیں ان کی صحت دائمی طور پر

[1] نفیسی ص ۴۱۵۔

خطرہ میں گھر جاتی ہے اور وہ پھر عورت کے لائق نہیں رہتے، جس سے ملک کا بڑا نقصان ہے، آدمی کی پیداوار رک جائے گی۔ جلق یا استمناء بالید (اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرنا) یا عادت قوم لوط کو اختیار کر کے جو اپنے جسم اور اپنی روح پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں، ملعونوں کا یہ طبقہ جس پر اللہ تعالیٰ کی، اللہ کے فرشتوں کی لعنتیں برستی ہیں، اپنے لیے بھیانک انجام کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں جن شکلوں میں دیکھ لیتا ہے اسی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کن حالتوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔

آج دنیا کے جعلی دوا فروشوں کا تختہ مشق، ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کا پھٹکارا ہوا یہی طبقہ بنا ہوا ہے، جو کچھ اس پر گزرتی ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا ہے، اندر ہی اندر گھٹتا ہے اور لوگ اس کی کمزوریوں سے نفع اٹھاتے ہیں، ان کے نقصانات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ اقتباس پڑھیں جو ایک معتمد حکیم کی تحریر ہے:

''استمناء بالید☆ اس بدخصلت اور قبیح حرکت کی ابتداء تو افریقہ سے ہوئی ہے، لیکن عرب، مصر، ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ بدعادت قدیم ایام سے کم و بیش برابر جاری ہے، اکثر طالب علم، مجرد لوگ، اور ریا کار زاہد اس مرض میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے کہ جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادران وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اس کی بین شہادت ہے۔ صرف یہی اکیلی ناشائستہ حرکت آج کل ہماری نسلوں کو بے حد کمزور بنا رہی ہے، جوانوں کی جوانی خاک میں ملانے والی، شباب کی امنگوں اور حوصلہ پر پانی پھیرنے والی، اور ترقی و ترفع کے ولولوں کو ملیامیٹ کرنے والی یہی بدترین خصلت ہے۔ کاش! اس وبائے عام کے مہلک نتائج اب بھی جوانوں کے سامنے آئیں، کاش ان کی آنکھیں کھلیں اور سینکڑوں واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کریں، یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس تباہ کن عادت میں اسی فیصدی آدمی گرفتار ہیں، اور اس کے اندازے کے لیے بہترین معیار وہ روزانہ کے خطوط ہیں جو حکیم صاحب قبلہ دام اقبال ہم کی خدمت میں تجویز دواء و علاج کے لیے آتے ہیں[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

''اے مومنو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے تو شیطان بے حیائی (کی باتیں) اور برے کام ہی بتائے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ←

یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملا کر' زندہ درگور ہو کر ہمیشہ کے لیے کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں' ان نتائج کا اثر قلب و دماغ و جگر و معدہ و گردوں اور آلات تولید پر یکساں پڑتا ہے۔

ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے اور وہ اغلام ہے۔ اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں' اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسے مجلوق' ان دونوں صورتوں میں عضو مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہو کر ماند پڑ جاتے ہیں اور رطوبت فاسدہ جمع ہو کر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے اور اسی وجہ سے ضعف انتشار اس کا اولین نتیجہ ہوتا ہے اور یہ بات مانی جا چکی ہے کہ ہاتھ میں ایک قسم کی سمّیت (زہریلا پن) ہوتی ہے۔[1]

غیر فطری راستوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں:

اسلام نے اسی لیے نسل انسانی کے ساتھ ان خباثت کرنے والوں کی سخت سزائیں مقرر کی

← ہوسکتا' مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (اور) اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔" (النور : ۲۴/ ۲۱)

امام مالک رحمہ اللہ سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو اپنے عضو تناسل کو رگڑے' تو آپ نے جواب میں سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ مرد و عورت کو خلافِ فطرت طریقے سے منی نکالنا حرام ہے۔ شیطان کے جال میں ایسے لوگ جلد پھنس جاتے ہیں جو شریعت سے بے خبر ہوں۔ جن کے ایمان میں ضعف ہو اور قوتِ ارادی کمزور ہو۔ جب شہوت غلبہ کرے تو یہ کام کر بیٹھتے ہیں۔ اور اس عادت سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا التزام کرے۔ فاسقوں کی صحبت سے بچے اور شیطان کے مکر و فریب کو سمجھے۔

علامہ جمال بن عبدالرحمٰن اسماعیل اس عادت بد کے برے اثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① مجلوق کے چہرے کے رنگ بدلتے رہتے ہیں کبھی سرخ ہو جاتا ہے تو کبھی زرد کبھی اور کوئی اور رنگ آ جاتا ہے۔
② کثرت سے جلق کرنے والا بے چین رہتا ہے۔ اس کے اندر اپنی شہوت کو ضبط کرنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور جلد اپنے ارادے کو پورا کر لیتا ہے۔
③ دِل پریشان و غمگین رہتا ہے دائمی تفکرات اور خوف اُسے گھیرے رکھتے ہیں۔ ایسا آدمی لوگوں کے سامنے نہیں آ سکتا' آ جائے تو شرمندگی کی وجہ سے ان سے بات کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔
④ ہر وقت جنسی تصورات سے دماغ انتہائی کمزور ہو جاتا ہے اور آدمی کو جماع کے وقت پوری شہوت نہیں ہوتی۔
⑤ عضو تناسل ڈھیلا پڑ جاتا ہے' بہت سے اطباء سے ثابت ہے کہ مردانہ قوت مضمحل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بیوی کے پاس جانے کے قابل نہیں رہتا اور نامرد ہو جاتا ہے۔

دوسرے فواحشات کا بھی یہی حال ہے' لہٰذا عقل مند کو ان بے حیائی کے کاموں سے بچنا چاہیے۔

[1] حاذق ص ۲۲۵ و ۲۲۶

ہیں۔ حدیث نبوی ہے:

((مَنْ وَجَدْ تُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ)) [1]

''تم جس کو دیکھو کہ وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر ڈالو۔''

مادۂ تولید کی بربادی کی ہی شکل یہ بھی ہے کہ بیوی کے ساتھ کوئی عمل لوط کا ارتکاب کرے' حدیث میں یہ بھی ہے:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى مَنْ أَتٰى رَجُلًا أَوِامْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا)) [2]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر ترحم سے نہیں دیکھے گا' جو کسی مرد یا عورت سے لواطت کرتا ہے۔''

اسی انسانی امانت کی خیانت کی ایک شکل حیوانوں سے ملوث ہونا ہے' جس کی طرف حدیث ہی میں اشارہ کیا گیا ہے اور سخت سزا تجویز کی گئی ہے یعنی:

((مَنْ أَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ)) [3]

''جو کسی چوپایہ سے وطی کرے اس کو قتل کر ڈالو۔''

مادۂ تولید کو ہاتھ وغیرہ سے نکال کر ضائع کرنا' اسلام میں اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے:

تجربہ و مشاہدہ بتا رہا ہے کہ ناکردنی کے کرنے والوں کے چہرہ کی رونق غائب ہو جاتی ہے وہ آدمی ایک پھٹکارا اور بے رونق معلوم ہوتا ہے' اپنی تندرستی کی نعمت سے وہ محروم ہو جاتا ہے' بسا اوقات مردمی اور رجولیت کی قوت کو بھی یہی عادت کھو دیتی ہے۔

بہرحال جو کچھ اختصار کے ساتھ عرض کیا گیا' اس سے اتنی بات کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ تمام طریقے جو غیر فطری ہیں اسلام میں سختی کے ساتھ ان کے سد باب کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ ان سے شخصی' خاندانی اور عام انسانی نقصانات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور قوم کی قوم اور نسل کی نسل کو یہی

---

[1] ترمذی۔ کتاب الحدود: باب ماجاء فی حد اللوطی (ح ۱۴۵۶)
ابن ماجہ۔ کتاب الحدود: باب من عمل عمل قوم لوط (ح ۲۵۶۱)

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان النساء فی ادبارھن (ح ۱۱۶۵)

[3] ابوداود۔ کتاب الحدود: باب فیمن اتی بھیمۃ (ح ۴۴۶۴ واللفظ لہ)۔
ترمذی۔ (۱۴۵۵) ابن ماجہ۔ (۲۵۶۱)

بری عادتیں تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اجتماعی حیثیت سے نکاح کی افادیت:

اسلام میں صرف جائز فطری راہ کھلی رکھی گئی ہے' کہ ہر حیثیت سے وہ مفید ہی مفید ہے' یہ جائز طریقہ وہی نکاح کا طریقہ ہے' مذاہب وادیان' آئین وقوانین سب ہی میں اس فطری جائز راستہ کو کھلا رکھا گیا ہے' اسی رشتہ پر خاندانی اور قبائلی زندگی کا دارومدار ہے' اگر نکاح کا طریقہ نہ ہوتو نظام حیات درہم برہم ہو جائے اور مدنیت وارتقاء کا نام ونشان مٹ جائے۔

کون نہیں جانتا کہ عمر کے ایک مخصوص حصہ میں آ کر مرد کو عورت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' تاکہ اس سے تسکین حاصل کرے اور' عورت کو مرد کی تلاش ہوتی ہے جس کا سہارا لے کر وہ اپنی سب سے بڑی دولت عصمت کو محفوظ رکھ سکے' اور پھر دونوں مل کر پاکدامنی کی زندگی گزاریں اور حوادثِ زمانہ کے وقت ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ مرد کو عقل ہے دل نہیں عورت کو دل ہے عقل نہیں۔ یعنی ہر ایک کا ایک پہلو کمزور ہے' جب تک دونوں مل نہ جائیں' کسی کی بھی زندگی مکمل نہیں ہوسکتی۔

شادی کرنا اجتماعی حیثیت سے بھی ضروری ہے تاکہ مذکور فوائد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی میں سہولت پیدا ہو' تعلقات اور باہمی انس ومحبت دو خاندانوں کو جوڑ دے۔ اگر شادی نہ ہوتو باپ کہاں سے آئے گا؟ ماں کون ہوگی؟ بھائی بہن کا رشتہ کس طرح سے پیدا ہوگا؟ شوہر اور بیوی کون کہلائے گا؟ سسر اور سالا کون بنے گا؟ رضاعی اور غیر رضاعی رشتہ کی شاخ کس درخت سے پھوٹے گی؟ بھائی' برادری دنیا میں کہاں سے جنم لے گی؟ اور باہمی تعلقات کی جڑ کیونکر مضبوط ہوگی۔

شادی روشن خیال مفکرین کی نظر میں

شادی کی یہ اہمیت آپ طبی اور مذہبی حیثیت سے پڑھ چکے' اب یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ دنیا کے موجودہ مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

بھارتی مفکر کا بیان:

ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتے ہیں:

''عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری' انجینئر نگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں' مگر گھر بار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے' فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو' لیکن گھریلو زندگی کی نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے' میں نے چھیا سٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔''[1]

ایک انگریز عورت کی رائے:

ایک فاضل فرنگن لکھتی ہے:

''عورت کا اولین فریضہ شادی' مادریت اور خانہ داری ہے' معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے موقعے بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ اسی آسانی سے مل جائے' جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔''[2]

مغربی مفکر کا مشورہ:

ایک مغربی مفکر این تھونی ایم لوڈوویسی اپنی کتاب ''عورتوں کا تحفظ'' میں لکھتا ہے:

''اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور یہ امر والدین کے ذہن نشین کرنا چاہیے' کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے[3] انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہی ہوتی ہے' اور اس کے

---

[1] زمزم لاہور اگست ۴۵ء

[2] صدق جدید لکھنو ۱۸ جنوری ۴۵ء

[3] یورپ کا مادر پدر آزاد معاشرہ اب زنا کا اس قدر دلدادہ ہو چکا ہے' کہ وہ ہر صورت میں شادی سے کتراتا ہے' شادی سے اجتناب اور زنا کی دلدادگی نے اس کو شادی سے نفرت پر ابھار دیا ہے۔ وہاں پر لڑکی کسی ایک کی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔ اب تو یورپ میں شادیوں کا سسٹم اس حد تک تباہ ہو گیا ہے کہ آج شادی ہو رہی ہے تو چند دن بعد طلاق ہو جاتی ہے۔ یوں دونوں فریق دوسری جگہ شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن وہاں سے بھی تھوڑے عرصہ بعد شادی کی ناکامی کے بعد طلاق ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر یورپ کا خاندانی نظام کس حد تک تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا ہے' اس کا اندازہ لگانے کے لیے ۱۹۹۷ء میں برطانیہ میں ہونے والے انتخابات میں ←

علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کم تر درجہ رکھتی ہے۔ اور جو لوگ اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں' وہ نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں۔''[1] یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے:

''چونکہ عورت کامل زندگی اور اس کی افزائش کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے اس لیے اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلاخوف تردید اعلان ہونا چاہیے کہ تمام وہ لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے اس کا اصلی شغل کوئی اور شغل ہے' جھوٹے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے جھوٹے ہیں اور وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچہ سے دور رہتے[2] ہوئے

← ووٹروں کے لیے چند مراعات کا اعلان کیا گیا جن میں سے ایک رعائت یہ تھی کہ:

''جو شادی شدہ جوڑا اپنی رفاقت کے دس سال مکمل کرے گا اسے ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی۔''

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شادی کا نظام جدید تہذیب کے طوفان میں کس طرح خس وخاشاک کی مانند بہہ گیا ہے۔

۱ ندائے حرم کراچی جمادی الاولی ۶۹ء

۲ امریکہ ویورپ کے جوان سب سے زیادہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ جائز یا ناجائز تعلق کی بنا پر کہیں بچہ نہ پیدا ہو جائے۔ تمام تدابیر اختیار کرنے کے بعد بھی اگر حمل ٹھہر جائے تو وہ فوری اس کو ضائع کروا دیتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آج بھی آپ کو ایسی لڑکیاں اسقاط حمل کے کلینکوں کے باہر اپنی باری کی منتظر ملیں گی۔ اس کا اندازہ آپ ۱۹۸۵ء کو شائع ہونے والی اس خبر سے لگا سکتے ہیں:

''امریکہ کی اخلاقیات کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہاں روزانہ چار ہزار حمل ساقط ہوتے ہیں اور ان میں ۶۵ فیصد غیر شادی شدہ عورتیں ملوث ہیں۔ اس طرح ۱۹۷۳ء میں سپریم کورٹ کی طرف سے اسقاط حمل کو غیر قانونی قرار دیئے جانے کے بعد سالانہ پندرہ لاکھ حمل اسقاط ہو رہے ہیں۔ گزشتہ بیس سال میں تین کروڑ بچوں کی نسل کشی کی گئی ہے۔ اس طرح امریکہ میں ہر بیس سیکنڈ کے بعد اسقاط حمل کی ایک واردات ہوتی ہے۔ اس حوالے سے لندن کے ایک رسالے نے انکشاف کیا کہ ۱۹۸۵ء میں کیلی فورنیا کے ایک لیبارٹری آپریٹر کے گھر سے سترہ ہزار جنین کے ڈھانچے بھی ملے۔ اسی جریدہ نے لکھا ہے کہ اپریل ۱۹۸۵ء میں کسٹم حکام ←

نے فرانس اور سوئٹزرلینڈ کی سرحد کے قریب چھاپا مار کر منجمد جنین سے بھرا ہوا ٹرک پکڑ لیا' ان سے بیوٹی کریم بنائی جاتی تھی۔'' (جنگ لاہور ۷ مئی ۱۹۸۵ء)

یوں امریکی و یورپی معاشرے مقاصدِ نکاح سے بغاوت کرتے ہوئے فحش کاری' زنا کاری' بدکاری اور فواحش کے ارتکاب میں ایسے ڈوبے کہ انہوں نے بچوں کو اپنی آزادی میں رکاوٹ جان کر ان کے حصول سے نہ صرف بغاوت کر دی' بلکہ ان کے دنیا میں آنے کے امکانات بھی ختم کر ڈالے۔ منصوبہ بندی کے ایسے ایسے بھیانک ہتھکنڈوں کا شکار ہوئے' کہ زندگی یونہی حرام لذات کی مصروفیتوں میں بسر کر دی۔ جبکہ عمر چالیس کے پیٹے کے قریب پہنچی تو فطری جذبے نے جوش مارا کہ ہمارا خاندان ہونا چاہئے' بچے ہونے چاہئیں یوں ہمارا دنیا میں نام باقی رہے گا۔ لیکن جب انہوں نے مڑ کر دیکھا تو اب بے سود تھا' کہ وہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے' اب انہوں نے کربناکی کے عالم میں بھاگ دوڑ شروع کی کہ کسی نہ کسی طرح ہمیں بچہ مل جائے!

اب ملاحظہ کریں اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ حیوانوں کے راستے پر چل پڑے!

شفاخانہ حیوانات میں بھینسوں' گائیوں اور گھوڑیوں کی بار آوری کیلئے اعلیٰ نسل کے نر جانوروں کے سپرم بذریعہ انجکشن استعمال کئے جاتے تھے۔ یورپ کا حیوانی معاشرہ کم از کم اس سے بچا ہوا تھا مگر اب اس میدان میں بھی کود پڑا ہے تا کہ حیوانیت کی کسی شکل سے محروم نہ رہے۔ اس سلسلے کی تازہ خبر برطانیہ سے تعلق رکھتی ہے۔

دی ٹائمز آف انڈیا کے مطابق ایک مرد جو ۱۹۹۵ء میں فوت ہوا۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کے سپرم (Sperm) لے لیے گئے اور فریز کر کے محفوظ کر لیے گئے۔ برطانیہ نے ۱۹۹۱ء میں جو قانون بنایا وہ یہ ہے کہ کسی مرد کے سپرم اس کی اجازت سے ہی لیے جا سکتے ہیں' اب یہاں صرف اتنی بات تھی کہ اس کی اجازت نہیں لی گئی' مگر مذکورہ مرد جس کا نام سٹیفن ہے۔ اس کی بیوہ ''ڈیانے بلڈ'' نے عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا کہ وہ اپنے خاوند کے سپرم کی وارث ہے' چنانچہ لوگوں کی ہمدردیاں اسے حاصل ہو گئیں' اور عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور ۳۰ جون کے خلیج ٹائمز کے مطابق اس عورت نے حاملہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

قارئین کرام! اب مسئلہ تو یہ ہے کہ سپرم کسی اور کا اور عورت کوئی اور پھر مرد کو فوت ہوئے کئی سال گزر گئے اور اس کی اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ وراثت کے مسائل' ہمدردیاں' خاندان۔ غرض یہ سارے رہے سہے بندھن ٹوٹ رہے ہیں۔ اور پھر کیا ہو گا۔ لامحالہ جس طرح مویشی زندہ رہتے ہیں' یہی حال انسانی معاشروں کا یورپ میں ہو جائے گا' کہ جو پہلے ہی کچھ کم نہیں ہو چکا ہے۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے گی۔ آہ! انسانوں کے معاشرے کو حیوانی معاشرے کی طرف سرپٹ دوڑایا جا رہا ہے۔ ہے کوئی جو اس رفتار کے آگے بند باندھے؟'' (مجلہ الدعوۃ اگست ۱۹۹۸ء)

نکاح کے بغیر بچے پیدا کرنے کی خواہش مند خواتین کے لیے سہولت:

کیلی فورنیا کے ایک کروڑ پتی رابرٹ گراہم نے ایک انوکھا بینک قائم کیا۔ اس کا نام انہوں نے اسپرم

بینک رکھا۔ اس ''بنک'' میں نوبل انعام یافتہ افراد کے مادہ منویہ کو حاصل کر کے محفوظ کیا جاتا ہے' تا کہ اس کے ذریعے عورتوں کو بارآور کیا جائے اور زیادہ اعلیٰ ذہانت والے بچے پیدا کیے جائیں۔ باقی کا کہنا تھا کہ یہ بینک اس نے نااہل شوہروں کے لیے قائم کیا ہے۔ تاہم جدید خواتین کی اباحیت پسندی اس پابندی کو ختم کر رہی ہے۔ بہت سی خواتین نکاح کے بغیر بچہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ نیز وہ چاہتی ہیں کہ ان کی اولاد اعلیٰ استعداد کی مالک ہو۔ ایسی خواتین آزادانہ طور پر اس بینک کی خدمات حاصل کر رہی ہیں۔

انہیں خواتین میں سے ایک کیلی فورنیا کی ڈاکٹر آفٹن بلیک ہے۔ اس کی عمر اس وقت ۴۴ سال ہے۔ اس نے مذکورہ نوبل اسپرم بینک سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے لیے جس قسم کی اولاد چاہتی تھی' اسی کے مطابق اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ نمبر ۲۸ کا مادہ حاصل کرے۔ واضح رہے کہ اس بینک میں جن لوگوں کے مادۂ منویہ جمع کیے گئے ہیں' ان کو ان کے نام سے پکارا نہیں جاتا۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کو ایک نمبر دیا گیا ہے اور اسی خاص نمبر سے اس کو یاد کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر بلیک ''نمبر ۲۸'' کے مادہ کو اپنے رحم میں داخل کر کے حاملہ ہوئی۔ مقررہ وقت پر اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس لڑکے کا نام اس نے ڈورون (Doron) رکھا۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی تحفہ یا عطیہ کے ہوتے ہیں۔ یہ بچہ اب چار سال سے زیادہ کا ہو چکا ہے اور اب وہ اسکول جانے لگا ہے۔ اس کی تصویر ہندوستان ٹائمز ۷ ستمبر ۱۹۸۶ء میگزین صفحہ نمبر ۴ پر شائع ہوئی ہے۔ ویکلی ٹیلی گراف کا نمائندہ آئن بروڈی مذکورہ خاتون سے اس کے لاس اینجلس (کیلی فورنیا) کے مکان پر ملا۔ اس کی رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر بلیک کی خوشیاں دھیرے دھیرے غم میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ باپ کے بغیر بچہ کی ولادت اس کے لیے طرح طرح کے مسئلے پیدا کر رہی ہے۔ ان مسائل کی طویل فہرست میں سے ایک یہ ہے نومولود اب بولنے لگا ہے اور وہ بار بار پوچھتا ہے کہ میرے باپ کہاں ہیں؟ ڈاکٹر بلیک نے بتایا کہ ایک بار ایسا ہوا جبکہ ڈورون مجھ سے غصہ ہو گیا تو اس نے کہا کہ وہ باہر جا رہا ہے تا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے۔

خاتون کے لیے شوہر کے بغیر اولاد حاصل کرنا پہلے ایک دل چسپ تجربہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب وہ نازک مسائل کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ مولود ڈورون اپنے لیے ایک باپ سے محروم ہے۔

فطرت کے نظام سے انحراف کے بعد آدمی کے لیے ایسے عجیب وغریب مسائل پیدا ہو جاتے ہیں' جن کا اس نے پہلے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

مصنوعی حمل اور ننھے بچوں کے لیے تڑپ:

جدید دور نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس کو نیابت مادری کہا جاتا ہے۔ اعداد وشمار سے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک مصنوعی حمل کے ذریعہ ۵۰۰ لڑکے پیدا کیے جا چکے

ہیں' امریکہ میں اس وقت تقریباً اس کے ایک درجن مراکز کام کر رہے ہیں۔ اور ان مراکز میں مزید اضافے کا امکان ہے کیونکہ امریکہ میں تقریباً ۱۵ فیصد شادی شدہ افراد طبی طور پر غیر زرخیز ہیں۔ (ٹائم جنوری ۱۹۸۷ء)

مسٹر ولیم اسٹرن اور ایلز بتھ اسٹرن کے یہاں اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے طے کیا کہ وہ کسی خاتون کو معاوضہ دے کر اس کے رحم کو استعمال کریں گے اور اپنے لیے ایک بچہ حاصل کریں گے۔ ۱۹۸۵ء میں ۲۰ ہزار ڈالر ادا کر کے انہوں نے میری بیتھ وہائٹ ہیڈ سے معاہدہ کیا۔ اس کے رحم میں مسٹر اسٹرن کا مادہ بذریعہ انجکشن داخل کر دیا گیا۔ اس عمل کے ذریعہ ایک بچی پیدا ہوئی۔ اب مسز وہائٹ کی ماما جاگ اٹھی۔ اس نے بچی مسٹر اسٹرن اور مسز اسٹرن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ عدالت تک پہنچا۔ عدالت نے اس کو معاہدہ کا معاملہ قرار دے کر بچی کو مسٹر اسٹرن کے حوالے کئے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ پانچ پولیس کے آدمیوں کو لے کر مسز وہائٹ ہیڈ کے گھر آئے تو خاتون بچی کو لے کر پچھلے دروازے سے بھاگ گئی' تاہم وہ دوسرے شہر میں پکڑی گئی اور آخر کار بچی اسٹرن اور مسز اسٹرن کے حوالے کر دی گئی۔

اب امریکہ میں اس پر اخلاقی بحثیں شروع ہو گئی ہیں۔ نیوجرسی کے بشپ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مادری نیابت کا طریقہ بچہ کو محض ایک سودا بنا دیتا ہے اور عورت کو محض ایک بچہ ساز: دوسری طرف جو عورت دوسرے شخص کے لیے بچہ پیدا کرتی ہے وہ خود سخت قسم کی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی ایک عورت ایلز بتھ کین نے کہا کہ مجھے اپنے بچہ کی یاد ستاتی ہے۔ ان احساسات کو دبانے کے لیے مجھے برسوں کی مدت درکار ہو گی۔

دو عورتوں کا شوہر اور بیوی بن کر اولاد پیدا کرنا:

آزادی نسواں کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ عورت اور مرد دونوں ہر اعتبار سے بالکل برابر کا درجہ حاصل کر لیں۔ مگر عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ آزادی نسواں کی تحریک اپنے اصل مقصد کو پانے میں پوری طرح ناکام ہے۔ ایک امریکی خاتون ٹی گریس اٹکنسن نے کہا کہ یہاں تحریک کا کوئی وجود نہیں۔ تحریک کا مطلب کہیں جانا ہے اور آزادی نسواں کی تحریک کہیں بھی نہیں جا رہی ہے۔ اس نے اب تک کچھ حاصل نہیں کیا:

اس تجربہ کی بنا پر مغربی ملکوں میں کچھ ایسی پر جوش خواتین پیدا ہو گئی ہیں' جن کا مطالبہ ہے کہ مردوں پر انحصار کو کامل طور پر ختم کر دیا جائے' حتیٰ کہ ان سے جنسی تعلق بھی نہ رکھا جائے۔ جل جانسٹن کا کہنا ہے کہ آزادی نسواں دراصل اس کا نام ہے کہ عورتیں ہم جنسی کا طریقہ اختیار کر لیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ عورتیں اپنی جنسی ضرورت کے لیے مردوں پر انحصار نہ کریں۔ اس طرح وہ مردانہ کنٹرول سے آزاد ہو سکتی ہیں۔

دو عورتوں کا' شوہر اور بیوی کی طرح رہنا سادہ سی بات نہیں' اس میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں' مثلاً:

یہ جوڑے اگر اپنا بچہ چاہتے ہوں تو وہ اپنے لیے ایک بچہ کیسے حاصل کریں۔ لیکن اس کا ذریعہ جدید میڈیکل سائنس نے مصنوعی تخم ریزی کی صورت میں فراہم کر دیا ہے۔

ہالینڈ کی دو عورتیں پولا ڈیجز (۳۹) اور جی نین ہاکسمن (۳۸) میاں بیوی کے طور پر رہتی ہیں۔ ان کو اولاد کی خواہش ہوئی تو انہوں نے لیڈن کے انسٹی ٹیوٹ آف برتھ کنٹرول سے رابطہ قائم کیا۔ پہلی کوشش ناکام رہی۔ دوسری کوشش میں پولا ڈیجز حاملہ ہو گئی۔ ایک نامعلوم شخص کے مادہ کے ذریعہ ان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ٹامس رکھا گیا۔ مگر ٹامس کی پیدائش کے بعد انہیں یہ محسوس ہوا کہ دوبارہ انہیں اس مرد کی ضرورت ہے جس سے توحش کی بنا پر انہوں نے ہم جنسی طریقہ اختیار کیا تھا۔ دونوں عورتیں اس حقیقت کے بارے میں بہت حساس ہیں کہ ان کے لڑکے ٹامس کو مرد درکار ہیں' جو اس کے لیے کرداری نمونہ بن سکیں۔ اب وہ دوبارہ اس مقصد کو مصنوعی طور پر حاصل کر رہی ہیں۔ چنانچہ ان خواتین کے چچا' ان کے دادا' ان کے بھائی اور مرد پڑوسیوں سے درخواستیں کی جا رہی ہیں کہ وہ بار بار ان کے گھر آئیں۔ جی نین ہاکسمن نے کہا "کہ ہم نے اپنے ایک مرد دوست کو چنا ہے جو ٹامس کے لیے باپ کا کام کرے۔ ہم ٹامس کو اس کے یہاں تمام فنی خدمات کے لیے بھیجتے رہیں گے۔

ٹامس کو ایک "باپ" فراہم کرنے کا مذکورہ بالا مصنوعی طریقہ کسی طرح بھی اصل باپ کا بدل نہیں۔ یہ یقینی ہے کہ ان دونوں باپ' اور بیٹے کے درمیان ایک قسم کی اجنبیت حائل رہے گی اور ٹامس جب بڑا ہو گا تو یہ موہوم سی اجنبیت شعوری اجنبیت بن جائے گی۔ ٹامس اپنی ماں کو جانتا ہو گا۔ مگر وہ اپنے باپ سے سراسر ناواقف ہو گا۔ ٹامس کی زندگی کا یہ خلاء اس کے اندر طرح طرح کی ذہنی پیچیدگیاں پیدا کرے گا۔ اس کی یہ ذہنی حالت آخر کار اس کو ناممکن بنا دے گی کہ وہ سماج کا ایک مفید حصہ بن سکے۔

گویا عورت اور عورت کے درمیان ہم جنسی کے نظام میں لڑکی پیدا کرنے کی گنجائش تو ہے مگر لڑکا پیدا کرنے کی نہیں۔ اگرچہ لڑکی پیدا کرنے کے لیے بھی دوبارہ اسی مرد پر انحصار کو ختم کرنے کے لیے یہ نظام اختیار کیا گیا تھا۔ فطرت کے نظام سے انحراف کرنا آسان ہے۔ مگر اس کے بعد اس انحراف کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اس کو ادا کرنا کسی انسان یا کسی انسانی سماج کے لیے ممکن نہیں۔

امریکی میگزین ٹائم کی اشاعت (۲۹ دسمبر ۱۹۸۶ء) ایک سپیشل نمبر تھا' جس کو اس نے "۲۰۸۶ کے نام ایک خط" کا عنوان دیا تھا۔ اس شمارے میں مختلف پہلوؤں سے آنے والی صدی میں امریکہ کا حال بتایا گیا تھا۔ اس کا ایک جزء خاندان کے احوال کے بارے میں بھی تھا۔ اس میں جو احوال لکھے ہوئے تھے' اس کا ایک حصہ یہ تھا۔

پچاس سال پہلے امریکی خاندان ایک چٹان تھا' جس پر ملک نے اپنا معبد تعمیر کیا تھا' اب وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ امریکی عورت نے مادری ذمہ داری اور گھر سنبھالنے کی ذمہ داری کو پندرہ سال پہلے چھوڑ دیا تھا'

مسرت‘ اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں۔“[1]

❀❀❀

← تاکہ وہ روزگار کے بازار میں اپنی جگہ بنا سکے۔ اب وہ ان تینوں ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔

امریکی مرد اپنے آپ کو ایک نئی سخت دنیا میں پا رہا ہے اور بمشکل ہم آہنگی کی کوشش کر رہا ہے۔ جب امریکی مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں‘ جیسا کہ شادی شدہ جوڑوں کی نصف تعداد آج کل ہوا کرتی ہے‘ تو امریکی بچہ اپنے سرپرستوں سے محروم ہو کر ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر پروان چڑھ رہا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں پہنچ کر امریکہ کا دانش ور طبقہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکہ نے جس چیز کو ترقی کا زینہ سمجھ لیا تھا‘ وہ اس کے لیے صرف بربادی کا زینہ ثابت ہوا۔ عورت کو گھر سے باہر نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی خاندانی نظام بالکل منتشر ہو کر رہ گیا۔ مزید یہ کہ عورت کو ”آزاد“ کرنے کا خوش نما منصوبہ عملاً ازدواجی زندگی کو غیر مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوا اور اس کے نتیجہ میں بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔

اب امریکہ میں اس سابقہ فکر پر نظر ثانی کا ذہن پیدا ہو رہا ہے‘ مگر جدید عورت چونکہ دوبارہ گھریلو عورت بننے کے لیے تیار نہیں ہے‘ اس لیے جو عورت نئی زندگی کو اختیار کرتی ہے‘ اس کے حصہ میں صرف یہ آ رہا ہے کہ وہ باہر کی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے۔ کیسی عجیب ہے وہ ترقی‘ جس کا نتیجہ بربادی کی صورت میں ظاہر ہو؟! کیسی عجیب ہے وہ آزادی جو عملاً غیر آزادی بن جائے۔؟!

(بحوالہ خاتون اسلام۔ مولانا وحید الدین خان)

پہلے بچے سے بچنے کے لیے غیر فطری حیوانی ذرائع اختیار کئے‘ پھر عمر کے دوسرے حصے میں پہنچ کر بچہ حاصل کرنے کے لیے غیر فطری اور حیوانی ذرائع اختیار کرنے سے ان لوگوں کے زخموں پر کوئی مرہم نہیں رکھا گیا کہ ان کو سکون چین اور دل کو قرار آ گیا ہو بلکہ وہ پہلے سے زیادہ اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ عفت و عصمت کے اصولوں اور پاکیزہ قوانین کو توڑنے کے نتیجے میں ان کے خاندانوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ کسی کا کوئی خاندان نہیں اور اب وہ ماہی بے آب کی طرح خاندان کی جھلک دیکھنے کو ترستا ہے۔ اس کا اعتراف امریکہ کے ٹائم میگزین نے کیا۔

[1] ندائے حرم کراچی جمادی الاولی ۶۹

پاکدامنی کا حصول اور نکاح کے مقاصد

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں' ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کون سا حصہ ہے' جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی ہے؟ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے منافع وفوائد کے ساتھ ''رشتہ ازدواج کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت و عصمت اور ناموس و آبرو کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے' اس دولت کی حفاظت کا ضامن ازدواج کا یہی آئینی طریقہ ہے' جسے ہم نکاح کہتے ہیں۔ اور اب مسئلہ کے' اسی پہلو پر گفتگو کی جائے گی۔

نکاح میں چار ضروری شرطیں

قرآن پاک نے جہاں محرمات کا بیان کیا ہے اس بیان کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۝ ﴾ (النساء : ۴/ ۲۴)

''اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں' اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں (حق مہر) کے ذریعہ چاہو تو ان کو بیوی بناؤ' صرف مستی ہی نکالنا مقصد نہ ہو۔''

یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں۔

پہلی شرط: دونوں طرف سے ایجاب وقبول پایا جائے' جس کی طرف (ان تبتغوا) سے اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسری شرط: مال دیا جائے جس کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں' جسے (باموالکم) کا لفظ بتا رہا ہے۔

تیسری شرط: یہ کہ عورت کو قبضہ میں لانا اور جائز طریقہ پر رکھنا مقصود ہو' کہ طرفین کو عفت و

عصمت اور اخلاق کی دولت نصیب ہو محض مادۂ تولید کا ضائع کرنا مقصود نہ بنالیا جائے' جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ دل کی بھڑاس نکلی' منہ کالا کیا اور چلتے بنے جس پر "محصنین غیر مسافحین" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کی جائے کہ عورت کو بیوی بنا کر ہمیشہ رکھیں گے اور عورت اس کے پاس پاکدامن بن کر رہے گی۔ یعنی وہ عورت اس مرد کی بندی ہو جائے گی جو چھوڑے بغیر نہ چھوٹے' مطلب یہی ہے کہ ازدواجی رشتہ وقتی نہیں ہے یعنی کسی مہینے یا برس (مدت) کا ذکر اور قید نہ لگائی گئی ہو۔ اس سے معلوم ہوا متعہ حرام ہے' اس لیے کہ ازدواجی رشتہ "متعہ" کا حصہ نہیں ہے' کہ چند دنوں اور مہینوں کے لیے رکھا اور پھر علیحدہ ہو گئے (اور اسی طرح مروجہ حلالہ بھی' کہ اس ملعون فعل میں بھی جماع کے بعد طلاق دے کر فارغ کر دینے کی نیت ہوتی ہے)۔

چوتھی شرط: یہ ہو کہ مخفی دوستی نہ ہو کہ ناجائز عشق و محبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو' بلکہ رشتہ ازدواج کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شرعی گواہ ہوں' عام اعلان اور شہرت ہو تو اور بہتر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿غَيْرُ مُتَّخِذِىْ اَخْدَانٍ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے۔

نکاح سے حصولِ عفت:

قرآن میں جو احصان کا لفظ لایا گیا ہے وہ حصن سے مشتق ہے' جس کے معنی قلعہ کے ہیں' یعنی انسان شادی کر کے عفت و عصمت کے قلعہ میں آ جائے اور مفاسد اخلاق سے محفوظ ہو جائے' جو شادی کا بنیادی مقصد ہے' ایسا نہ ہو کہ صرف لطف اندوزی کا ارادہ ہو اور بس۔ محصنین غیر مسافحین کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس مہتم بالشان چیز کے بغیر جس کو عفت کہتے ہیں نکاح نکاح نہیں۔ نکاح جس طرح مردوں کے لیے پاکدامنی اور اخلاق کا ذریعہ ہے' عورتوں کے نکاح کا مقصد بھی یہی ہے۔ قرآن میں اعلان ہے:

﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ﴾

(النساء: ۴/ ۲۵)

"پس ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو' اور ان کے مہران کو قاعدہ کے مطابق دے دیا کرو' اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں' نہ تو اعلانیہ بدکاری کرنے

والی ہوں اور نہ خفیہ یاریاں‘ دوستیاں قائم کرنے والی۔‘‘

اس آیت میں کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی سے عورتوں کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ عفت و عصمت کی زندگی گزاریں گی‘ اخلاق و کردار کو بلند رکھیں گی‘ اور اپنے داعیاتِ فطرت کو اپنے شوہر کے ذریعہ پورا کریں گی‘ بدکاری‘ چھپے چوری آشنائی اور عفت میں خیانت نہ کریں گی۔ سورہ مائدہ میں بھی اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۵)

’’آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو لوگ کتاب دیے گئے (یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ) ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال‘ ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا و پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہوں اور پارسا و پاکدامن عورتیں اہل کتاب کی یہ سب بھی تمہارے لیے حلال ہیں[۱] جب کہ تم ان کو معاوضہ (حق مہر) دے دو‘ اس طرح سے کہ تمہارا ارادہ ان کو نکاح میں لا کر زنا سے بچنے کا ہو‘ نہ کہ مستی نکالنے کا (یعنی کھلم کھلا زنا کرنے کا) اور نہ ہی تمہارا ارادہ ان سے خفیہ چوری چھپے آشنائی (یاری دوستی) قائم کرنے کا ہو۔‘‘

اس آیت میں ترغیب ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش و جستجو ہونی

۱۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاکدامن کی قید ہے‘ جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرے‘ اس کے بعد فرمایا گیا جو ایمان کے ساتھ کفر کرے‘ اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارہ کا سودا ہو گا۔ اور آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں‘ محتاج وضاحت نہیں۔ درآں حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس لیے اس کا جواز بھی اس وقت تک ناقابل عمل رہے گا جب تک مذکورہ دونوں چیزیں مفقود نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آج کل کے اہل کتاب ویسے بھی اپنے دین سے بالکل ہی بیگانہ بلکہ بیزار اور باغی ہیں۔ اس حالت میں کیا وہ واقعی اہل کتاب میں شمار بھی ہو سکتے ہیں؟ واللہ اعلم (حافظ صلاح الدین یوسف)

چاہیے اور رشتہ ازدواج کے قیام کے وقت اوّل نظر عورت کی پاکدامنی اور عفت وعصمت پر ہی ہونی ضروری ہے۔ اور اخیر آیت میں مردوں کی پاکدامنی اور عفت واخلاق کا بھی مطالبہ ہے۔ گویا اسلام نے بتایا کہ شادی کے ذریعہ گوہر عصمت محفوظ رکھا جائے' اور دونوں صنفیں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں اور فطری پیاس بجھائیں' ہاں صرف شہوت رانی اور ہوس پرستی پیش نظر نہ ہو ورنہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔!!

عفت وعصمت کی اہمیت:

ماحصل یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ شادی کر کے زن وشوہر کو حدود اللہ کے اندر رہ کر صنفی تقاضوں کی تکمیل کا موقعہ حاصل ہو کیونکہ کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے' بلاشبہ عفت وعصمت ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ اس پر دنیا کی ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے' مگر یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتا کہ کسی دوسری چیز پر عفت کو قربان کر دیا جائے۔

یہ دُرِعفت اگر خطرہ میں گھر جائے' حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ سامنے آجائے اور شادی کا جو بنیادی مقصد ہے وہی زد میں آجائے تو ضرورت کے وقت شادی کی گرہ کھول دی جائے گی مثلاً: زن وشوہر کے تعلقات آپس میں اتنے کشیدہ ہو جائیں کہ ایک کو دوسرے سے نفرت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرسکیں' تو ایسی حالت میں اسلام علیحدگی کی اجازت دیتا ہے۔ مگر یہ برداشت نہیں کرتا کہ رشتہ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں اور عفت وپاکدامنی کھو دی جائے۔ اسی وجہ سے ایسی حالت میں طلاق کی اجازت ہے' تاکہ عورت بھی آزاد ہو جائے اور وہ بھی اپنا کوئی جائز سامان کرے' اور مرد کو بھی آزادی حاصل ہو جائے اور یہ بھی ضرورت سمجھے تو کسی دوسری ورت سے اپنا جائز رشتہ قائم کرلے۔ اور اسی بنیاد پر عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے' کہ وہ ظالم شوہر کے پنجہ میں گرفتار ہو کر بے بس نہ ہو جائے' بلکہ اگر وہ ایمانداری سے سمجھتی ہیں کہ موجودہ شوہر کے ساتھ رہ کر حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکے گی تو شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا کل حصہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کرسکتی ہے۔

اور اسی عفت کی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ چار مہینہ سے زیادہ اپنی ایلاء (ترک تعلق کی قسم) کو باقی رکھیں' اور عورت سے ہم بستری کرنے سے قسم کھالیں بلکہ اگر چار ماہ تک مرد اپنی اس قسم پر باقی رہا تو پھر اس کے بعد اس کو حق نہیں ہے کہ عورت کو اپنی قید میں ڈالے رہے' تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت داعیات فطرت سے مجبور ہو کر عصمت کا

فانوس توڑ ڈالے اور اپنی پاکدامنی کھو دے۔ اور اسی عفت و عصمت کی اہمیت کا یہ اثر ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والوں کو اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم ایک عورت پر ایسا نہ جھک پڑو کہ دوسری لٹکی رہ جائے:

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (النساء ۴: ۱۲۹)

''پس ایک طرف نہ جھک پڑو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔''[1]

کیونکہ ہو سکتا ہے یہ چیز معلقہ کیلئے حدود اللہ توڑنے کی وجہ بن جائے' اور شادی کا جو مقصد اعظم ہے وہ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ نکاح کے سلسلہ میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان سے بھی اس مقصد کی تائید ہوتی ہے کہ عفت و عصمت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

محبت و رحمت:

نکاح کا دوسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ رشتہ ازدواج کے ذریعہ مرد و عورت ان دو صنفوں میں باہم محبت اور پریم ہو' انس اور خلوص ہو' اور ان میں سے ہر ایک کو طمانیت اور سکونِ قلب میسر آئے' جو اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا ذریعہ ثابت ہو' تہذیب و تمدن سے جو چیزیں متعلق ہیں ان کو باہمی اشتراک عمل سے آگے بڑھا سکیں اور پھر اس طرح وہ ملک اور قوم کے لیے باعث حوصلہ افزائی ہوں' خود ان کی زندگی کے لیے شادی وجہ راحت و مسرت اور باعث اطمینان و سکون ہو'

---

[1] یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت' فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح نبی ﷺ نے اس کا نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ''محبوب بیوی'' کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انہیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں' نہ انہیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو (یعنی دوسری کو نظر انداز کیے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہوگا۔ (ترمذی' کتاب النکاح)

(حافظ صلاح الدین یوسف)

قرآن پاک نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے' ارشاد رب العزت ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۝ ﴾ (الروم ۳۰/ ۲۱)

''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری قسم سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو' اور اس لیے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔''

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے لوازم نکاح کو بتایا ہے کہ اس رشتہ سے جو پہلی چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر اور اطمینانِ قلب میسر ہوتا ہے' اور پھر ہر ایک دوسرے کی بے چینی میں سہارا ہو اور جب کبھی اور جس وقت بھی طبیعت انسانی میں امنگ و ولولہ پیدا ہو' دل میں گدگدی کا احساس ہو اور جنسی اضطراب چھڑے تو فطرت کے ان تقاضوں کی تکمیل کا ایک جائز آئینی ذریعہ سامنے موجود رہے۔ اسی مسئلہ کی طرف کتنے بلیغ پیرایہ میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اشارہ فرمایا:

((اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ الشَّیْطَانِ وَ تُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْاَۃُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمَدْ اِلٰی امْرَاَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذَالِكَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ))[1]

''بلاشبہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور اسی کی صورت میں واپس ہوتی ہے۔ تم میں سے کسی کو جب کوئی (غیر) عورت بھلی معلوم ہو اور دل پر اس کی چوٹ پڑے تو چاہیے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو اس تدبیر سے اجنبی عورت کا اثر دل سے جاتا رہے گا۔''

ہیجانی کیفیت کا علاج:

جن لوگوں کا جنسی میلان قوی ہوتا ہے' طبعاً عورت کی طرف ان کی نگاہیں اٹھ جاتی ہیں اور عورت اپنی قدرتی ہیئت سے مرد کے خوابیدہ جذبات کو جگا دیتی ہے۔ اس سے بچنے کی تدبیر اسلام نے بتائی ہے' کہ اگر ایسی بات سامنے آ بھی جائے اور کسی عورت کی دید باعثِ ہیجان ہو تو ایسے نازک وقت میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ اور اس مادہ کو

[1] مسلم۔ کتاب النکاح: باب ندب من رآی امرآۃ (ح ۱۴۰۳)۔

خارج کر آؤ' جو اس کا محرک بنا ہے' تا کہ اس کے نکلنے کے بعد شیطان تمہارے دل میں نہ وسوسہ ڈالنے کی جرأت کرے اور نہ تم کو گناہ میں ملوث کرنے پائے' علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

((اِنَّهٗ یَسْتَحِبُّ لِمَنْ رَأَی امْرَأَةً فَتَحَرَّکَتْ شَهْوَتُهٗ اَنْ یَأْتِیَ امْرَأَتَهٗ فَلْیُوَاقِعْهَا لِیَدْفَعَ شَهْوَتَهٗ وَ تَسْکُنَ نَفْسُهٗ وَ یَجْمَعَ قَلْبُهٗ عَلٰی مَا هُوَ بِصَدَدِهٖ))[1]

''کسی عورت کو دیکھنے سے جب کسی کی خواہش میں ابھار پیدا ہو' تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی سے مقاربت کرے تا کہ دل کا تقاضا ٹھنڈا پڑ جائے اور نفس کو سکون حاصل ہو اور قلب جس کے درپے ہے وہ بات جاتی رہے۔''

عورت کی آمد و رفت کو شیطان کی صورت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی کہ عورت میں فطرتاً کچھ ایسی جاذبیت اور دلکشی رکھی گئی ہے کہ قدرتاً مرد کا دل عورت کی طرف کھنچتا ہے اور شیطان کو موقع ملتا ہے کہ عورت کو مرد کی لغزش کا ذریعہ بنائے۔ گویا عورت کا باہر نکلنا شیطان کا باہر نکلنا ہے' جس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بغیر شدید ضرورت گھر سے نکل کر مردوں کی سوسائٹی میں گھسنے پھرنے سے بچنا چاہیے۔

اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اسلام نے نکاح کے جن بنیادی مقاصد کی نشان دہی کی' اور جن کی طرف جگہ جگہ وضاحت اور اشارہ سے کام لیا ہے' ان کا حصول ناممکن ہے' جب تک نکاح کا وہی جائز فطری اور شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ شادی کے وہ طریقے جو اسلامی طریقے سے مختلف ہیں ان سے مقاصد نکاح کا حصول محال ہے۔

یارانہ شادی (لو میرج):

مثلاً: موجودہ زمانہ میں مغربی ملکوں نے ''یارانہ شادی'' کا ایک طریقہ نکالا ہے' کہ کوئی رسم نکاح ادا کیے بغیر مرد و عورت باہم رضامندی سے مل جائیں' اور خفیہ یا اعلانیہ زن و شوہر کی حیثیت اختیار کر لیں۔[2] یہ یارانہ شادی صرف اس لیے رچائی جاتی ہے کہ دونوں طرف عیش و عشرت مقصد

---

[1] شرح مسلم ۱/۴۴۹

[2] تا کہ کچھ عرصہ اکٹھے میاں بیوی کی حیثیت سے گزار کر ایک دوسرے کو پرکھ لیں' کہ مستقبل میں اکٹھے چل سکتے ہیں کہ نہیں۔ آزمائشی شادی کا پیریڈ کم از کم ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال نوٹ کیا گیا ہے۔

ہوتا ہے۔عفت وعصمت' بقائے نسل انسانی اور دوسرے مقاصد نہیں ہوتے۔نتیجہ ظاہر ہے کہ چند ہی دنوں میں جہاں دونوں کی طبیعت سیر ہوگئی' ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے' اور پھر نئے جوڑے کی فکر میں منہمک ہوگئے' اسی طرح یہ دور چلتا رہتا ہے اور کہیں کسی سے بھی جم کر یہ رشتہ نباہنے کی سعی نہیں کی جاتی۔انسان عجلت پسند اور تند مزاج واقع ہوا ہے' چنانچہ کسی ''یارانہ شادی'' کی مدت زیادہ نہیں گزر پاتی اور اس طرح مقاصدِ نکاح فوت ہوکر رہ جاتے ہیں۔

پھراس کمزور رشتہ کا یہ اثر پڑتا ہے کہ مرد وعورت میں سے کسی میں بھی بچوں کی پرورش کی صلاحیت نہیں ہوتی' ہر ایک اپنے کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے' بال بچوں کی تربیت وپرورش کی ذمہ داری اور سردردی کوئی بھی اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا' انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی یکسوئی اور مرکزیت نصیب نہیں ہوتی۔اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسی گناہ کی سزا ہے کہ عورتیں آج کل آپریشن کے ذریعہ اپنی بچہ دانی نکلوا لیتی ہیں تاکہ وہاں تک پہنچ کر نطفہ بچہ کی شکل ہی اختیار نہ کرنے پائے۔ اس رواج کا برا نتیجہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے' کہ عورتیں اپنی عصمت چلتے پھرتے لٹانے لگیں' کیونکہ اب اس کے بعد ان کو (حمل ٹھہر جانے جیسا) کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا۔

❀❀❀

پاک دامن رہنے کی فضیلت واہمیت

عفت وعصمت نکاح کا وہ بنیادی مقصد ہے جو اسلام نے وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں متعدد مقامات میں عفت وعصمت اور اخلاق کی تاکید کی ہے اور دل نشین انداز میں اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ عفت وعصمت اور اخلاق ومحبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۵)

''اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں معافی اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور درِ عفت کا تحفظ رکھتے ہیں' اخلاق واعمال میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے' اللہ تعالیٰ کی حدود میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں' ان افراد امت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجرِ عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

فلاحِ کامل کی بشارت:

ایک دوسری آیت مبارکہ میں اخلاق وعفت اور پاکدامنی پر فلاح کامل کی' روح پرور خوشخبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کو فلاح کامل کی شرط قرار دیا ہے ان میں پاکدامنی کو بھی شامل فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ ﴾ (المومنون : ۲۳/ ۵'۶'۷)

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں' ان پر کوئی الزام نہیں' ہاں جو کوئی ان دو کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حدِ شرعی سے نکلنے والے ہیں۔''

جنسی میلان کی تسکین کے لیے رب العزت نے دو جائز صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک بیوی سے کہ جس سے جائز طور پر رشتہ ازدواج قائم کیا گیا ہو۔ دوسری لونڈی کہ اس سے بھی ہم بستری جائز ہے۔ ان دو کے علاوہ جو صورتیں آدمی جنسی میلان کے لیے اختیار کرے ان کو اسلام کے قانون میں حدود اللہ سے تجاوز قرار دیا گیا۔

عفت جزوِ نبوت کی حیثیت میں:

پاکبازی اتنی اہم چیز ہے' کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ نبوت و رسالت کے لیے جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ رب العزت نے رسولوں اور نبیوں کے حق میں اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے۔ اگر کسی برگزیدہ بندہ پر عفت کے خلاف تہمت لگائی گئی تو خود پروردگارِ عالم نے اس کی تردید کی' اور ان کی پاکدامنی کا ثبوت فراہم کیا۔

چنانچہ جنابِ یوسف علیہ السلام کا تذکرہ گزر چکا کہ ان پر زلیخا عزیزِ مصر کی بیوی فریفتہ ہوئی اور اس نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا دامنِ عفت ملوث ہو' مگر اللہ رب العزت نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس نازک ترین وقت پر آپ کو بچا لیا۔ گو شروع معاملہ میں شرمندگی دور کرنے کے لیے زلیخا نے یوسف علیہ السلام ہی کی طرف بری نیت کی نسبت کی' مگر پھر بالآخر اسی عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی گواہی دی۔ قرآن نے تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۝ ﴾ (یوسف : ۱۲/ ۳۲)

''اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے ہی اس کو بہکانے کی کوشش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا۔''

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور عصمت کا اعلان کرنے کے بعد وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾

(یوسف : ۱۲/ ۲۴)

''تاکہ ہم اس سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں (برائی اور بدکاری) کو دور رکھیں بیشک وہ

ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا (یعنی پیغمبروں میں سے)۔"
اسی طرح یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: ۳/ ۳۹)

"اور اپنی قوم کا پیشوا (قائد) ہوگا اور اس کو اپنے نفس (کی جنسی خواہشات) پر پوری طرح قابو حاصل ہوگا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں سے اللہ کا نبی ہوگا۔"

"حصور" اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوت شہوت پر قابو رکھتا ہو اور نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہود نے تہمت لگائی تو خود اللہ رب العزت نے اس کی تردید کی اور قرآن میں اعلان کیا:

﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ۝﴾

(تحریم: ٦٦/ ١٢)

"عمران کی بیٹی مریم رضی اللہ عنہا جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۝﴾

(التحریم: ٦٦/ ١٢)

"اور (ایمانداروں کی تسلی کے لیے اللہ نے) مریم رضی اللہ عنہا (کی مثال دی) جو عمران کی بیٹی تھی۔ اس نے اپنی عزت بچائے رکھی۔ (کسی مرد سے آلودہ نہیں ہوئیں) پھر ہم نے اپنی (بنائی ہوئی) روح اس میں پھونک دی۔"

خود اہل بیت نبوی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

(النور: ۲۴/ ۲۶)

"یہ اس بات سے پاک ہیں، جو وہ بکتے پھرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔"

دیکھ رہے ہیں! اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کے گھرانوں کی عفت و عصمت کا اعلان قرآن پاک میں کس شدومد سے کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام

کی نظر میں عفت وعصمت کتنی اہم اور ضروری صفت ہے' جس سے ایک لمحہ کے لیے صرف نظر جائز نہیں۔

پاکیزہ نفس کا مرتبہ:

ایک جگہ پاکبازوں کی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۶)

''گندی عورتیں' گندے مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اور گندے مرد' گندی عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ اور پاکیزہ عورتیں' پاکیزہ مردوں کے لیے ہوتی ہیں' اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔''

یہاں خبیث (زناکار) کا درجہ طیب (پاکدامن) سے فروتر بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ یہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ خبیث اور خبیثات ایک درجہ میں ہیں اور پاکدامن مرد وعورت کا گروہ علیحدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جہاں صفتیں بیان کی ہیں' وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ نیک بندوں کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بدکار نہیں ہوتے' ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ ﴾ (الفرقان: ۲۵/ ۶۸)

''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے۔ اور جن کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے مگر کسی حق شرعی کی بنیاد پر۔ اور جو زنا نہیں کرتے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت اور پاکبازی انسان کی ایسی خوبی ہے جو عزت و آبرو اور اخلاق واعمال کی جان ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے توحید کی رگِ جان کٹ جاتی ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور قتل نفس سے آدمی کی ظاہری زندگی ختم ہو جاتی ہے جو موجودہ زندگی کے تعلق کو کاٹ دیتی ہے۔ اور بدکاری انسان کی عفت وعصمت اور اخلاق کی مٹی پلید کر کے اس کی عزت وآبرو کو ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

عورتوں سے عفت وعصمت پر بیعت:

مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا ان میں ایک یہ بات بھی تھی' کہ وہ

بدکاری نہ کریں گی اور اپنی عفت وعصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہ آنے دیں گی' جیسا کہ پہلے اس آیت کو نقل کیا جا چکا ہے:

﴿ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ﴾ (الممتحنہ :۶۰/ ۱۲)

''اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ خود ساختہ افتراء باندھیں گی۔''

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہاں قتل اولاد سے مراد حمل گرانا بھی ہے۔[1] کیونکہ عموماً بدکاری کے سلسلہ میں جو حمل ہوتا ہے وہی گرایا جاتا ہے۔ یوں تو بعض عرب قبیلوں میں قتل اولاد کا بھی رواج تھا اور اس سے بھی روکنا مقصود ہے۔ اور افتراء باندھنا یہ کہ چند مردوں سے لطفِ زندگی اٹھایا اور جس پر چاہا' الزام ڈال دیا کہ (میرا یہ جنم دیا ہوا' یا پیٹ میں موجود زیر پرورش بچہ) فلاں کا بچہ ہے۔

اس سے قبل ہم لکھ آئے ہیں کہ عرب میں ایک طریقہ نکاح کا یہ بھی تھا کہ ایک عورت کئی کئی مردوں سے آشنائی کرتی اور بچہ ہوتا تو عورت جس کا بچہ کہہ دیتی اس کو ماننا پڑتا۔ اس زمانہ جاہلیت میں بعض عورتیں دوسرے کے بچہ کو اپنا بنا کر پیش کرتیں اور اس کے شوہروں کے سر تھوپ دیتی تھیں۔[2]

رسول رحمت ﷺ کے اقوال بسلسلہ عفت

احادیث میں بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت وعصمت اور اخلاق کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اس عفت وعصمت کی قدر کریں' جو اخلاق اور عزت وعظمت کی جان ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:

((يَاشَبَابَ قُرَيْشٍ اِحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ' وَلَا تَزْنُوْا' اَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ))[3]

---

[1] سیرۃ النبی جلد ششم ص ۲۹۲

[2] سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۲۹۲

[3] مستدرك حاكم (۴/ ۳۵۸)' بیهقی فی الشعب (۵۳۶۹) المعجم الكبير للطبرانی (۷۲۷۶)

"اے جوانانِ قریش! اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو' زنا نہ کرو' سنو! جو اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھے گا اس کے لیے جنت ہے۔"

اس حدیث میں رحمتِ عالم ﷺ نے نوجوانانِ قریش کو ترغیب دی ہے کہ وہ عفت و عصمت کے فانوس کو توڑنے سے اجتناب کریں اور اخلاق و پاکبازی کی زندگی بسر کریں کہ یہ چیز وجہ نجات ہے۔

پاکدامنی کی تبلیغ:

ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا' کہ وہ تم لوگوں کیا بتاتے ہیں اور کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں' تو گو ابوسفیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا' مگر اس نے ہرقل سے کہا:

((يَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَ الصَّدَقَةِ وَ الْعَفَافِ وَ الصِّلَةِ))[1]

"آپ ہمیں نماز' صدقہ' عفت اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔"

عفت اور پاکدامنی اتنی اہم چیز ہے کہ اس کی تعلیم رسول اللہ نے اوّل دن سے دی۔ اور اسے آپ نے کبھی فراموش نہیں فرمایا۔

عفیف پر ظلِ رحمانی:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا' اللہ تعالیٰ سات قسم کے اشخاص کو اپنے سایہ میں جگہ عطاء فرمائے گا' ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کو ایک حسین و جمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا اور روسیاہی کی دعوت دی' مگر اس اللہ کے عفیف و پاکدامن بندے نے اس حسین مہ جبین کے جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ[2] "میں اللہ کریم سے ڈرتا ہوں۔"

عفیف کے لیے جنت کی ضمانت:

وہ لوگ جو عفت و عصمت کی دمکتی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے ان کے

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب صلة المرآة امها ولها زوج (ح ۵۹۸۰)
مسلم۔کتاب الجهاد: باب کتب النبی ﷺ الی هرقل ملك الشام(ح ۱۷۷۳)

[2] بخاری۔ کتاب المحاربین: باب فضل من ترك الفواحش(ح ۶۸۰۶)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل اخفاء الصدقة(ح ۱۰۳۱)

متعلق سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگ جنتی ہیں:

((مَنْ تَوَكَّلَ لِيْ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ تَوَكَّلْتُ لَهُ الْجَنَّةَ))[1]

''جو میرے لیے اپنے پاؤں کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ) اور جبڑوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) کی حفاظت کی ذمہ داری لے' میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔''

رحمت عالم ﷺ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں بارش اور طوفان سے گھبرا کر ایک کھوہ (غار) میں روپوش ہو گئے اور غار کی پناہ لے کر سر پر جو آفت منڈلا رہی تھی' اس سے بچنا چاہا۔ مگر کرشمہ الٰہی یہ ہوا کہ اوپر سے ایک وزنی (سینکڑوں من کا) پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا اور یہ تینوں اسی میں قید ہو کر رہ گئے' اس ناگہانی مصیبت میں تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی نیکی کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کی جائے' ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی روداد بیان کی' اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کے بدلہ میں ان کو مصیبت سے نجات دی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی' ان میں سے ایک کی روداد یہ تھی۔

روداد عفت اور اس کا اثر:

اے اللہ!...... میری ایک چچا زاد بہن تھی' جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ عام لوگ عورتوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے زیادہ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ میں نے اپنی اس محبوبہ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنی ذات سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے' اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ''سو اشرفی جب تک حاضر نہیں کرتے اس وقت تک مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔'' یہ سن کر میں اس گراں قدر رقم کی فراہمی میں منہمک ہو گیا' اور بالآخر میں نے سو اشرفیاں جمع کر لیں اور انہیں لے جا کر اس کے قدموں پر ڈال دیا۔ حسبِ وعدہ وہ مجبور ہو گئی' اور میں تیار ہو کر اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا' جونہی میں نے روسیاہی کا ارادہ کیا' وہ بول اٹھی:

''اے اللہ کے بندے!...... اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس مہر کو بغیر جائز حق کے مت توڑو۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اٹھ گیا اور روسیاہی کی لعنت سے بچ گیا۔ اے اللہ!...... اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے صرف تیری خوشنودی کے لیے کیا تو آج تو اس غار کے منہ کو ہمارے

---

1 بخاری۔ حوالہ سابق (ح ٦٨٠٧)

لیے کھول دے' چنانچہ پتھر غار کے منہ سے ہٹ گیا اور دنیا نظر آنے لگی۔[1]

آپ نے دیکھا عفت و عصمت کا لحاظ اس کے حق میں کتنا مفید ثابت ہوا اور اس معاملہ میں اللہ کا خوف اس کو کتنے آڑے وقت میں کام آیا۔

اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاک وصاف ملے' اس کو چاہئے کہ شریف عورت سے شادی کرے۔''[2]

منشاء یہی تھا کہ بدکاری کا ارادہ نہ کرے اور اپنے اور دوسرے کے دامن عفت و عصمت کو داغدار نہ بنائے۔ اور جو فطری داعیات ہیں ان کو حلال مقام میں پورا کرے۔

عفت کی نیت سے بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے:

ایک دفعہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی صدقہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا: ''کیا یہ کام بھی باعث اجر ہے؟'' آپ ؐ نے فرمایا:

''کیوں نہیں اگر اسے تم میں کا کوئی حرام مقام میں پورا کرے تو کیا اسے گناہ نہ ہوگا؟ پس جو چیز اس گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہو وہ باعثِ اجر وثواب بھی ہے۔''[3]

اور یہ چیز کیوں باعث اجر نہ ہو؟ رسول الثقلین ﷺ فرماتے ہیں کہ تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن رب العالمین کلام نہ فرمائے گا نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا' اور نہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا' اور یہی نہیں بلکہ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

- ایک شیخ زانی جو بڈھا ہو چکا ہے اور زنا کاری کرتا ہے۔
- دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے۔
- اور تیسرا فقیر متکبر' جو محتاج ہو کر بھی کبر وغرور کرتا ہے۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ عفت:

یہ صرف تعلیم ہی تعلیم نہ تھی' بلکہ اس پر برابر عمل درآمد رہا اور صحابہ کرامؓ نے زندگی بھر اس

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب اجابه دعاء من بروالدیه (ح ۵۹۷۴)
مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب قصة اصحاب الغار الثلاثة (ح ۲۷۴۳)

[2] ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب تزویج الحرائر والولود (ح ۱۸۶۲) واسناده ضعیف۔

[3] مسلم۔ کتاب الزکاة: باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف (ح ۱۰۰۶)

[4] مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (ح ۱۰۷)

تعلیم کو سینہ سے لگائے رکھا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بڑے بڑے سخت سے سخت نازک موقع آئے' مگر انہوں نے اپنا دامن ملوث نہ ہونے دیا۔ ایک صحابی ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں لغزش ہوئی' لیکن صحبت نبویہ نے اخلاقی احساس میں اتنی نزاکت پیدا کر دی تھی کہ اپنے جرم کا چھپانا ان کے لیے ناممکن ہو گیا' بالآخر بخوشی ''رجم'' کی سزا برداشت کر کے سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔[1]

ہجرت کے موقع پر جو ناتواں اور بے کس اہل اسلام مکہ میں رہ گئے تھے' ان کے لانے کی ذمہ داری مرثد بن ابی المرثد الغنویؓ پر تھی' سیدنا مرثدؓ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ مکہ تشریف لائے۔ اسلام سے پہلے ان کی ایک ''عناق'' نامی عورت سے راہ و رسمِ محبت تھی' یہ عورت فاحشہ تھی' اس سفر میں سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ اسی عورت کے مکان کے پاس سے گزرے' اس نے سایہ دیکھ کر سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا' اور آگے بڑھ کر پرتپاک خیر مقدم کیا' پھر ان سے درخواست کی کہ آج کی شب میرے ساتھ گزاریں۔ سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف صاف انکار کر دیا کہ اب پہلا (جاہلیت والا) زمانہ باقی نہیں رہا اور اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا' لہٰذا معاف کرو' اس نے کہا: میں ''شور و غل کروں گی اور تم کو گرفتار کرا دوں گی۔'' اس کے باوجود سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے' اور بھاگے اور چھپ چھپا کر کسی طرح کافروں کے چنگل سے اپنی جان بچائی۔[2]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اخلاقی گندگی میں مبتلا تھیں' اسلام لانے کے بعد ایک شخص نے ان کو جب چھیڑنا چاہا اور اپنی طرف مائل کرنے کی سعی کی تو بولیں' چلو ہٹو! وہ زمانہ گیا' اب اسلام کی روشنی کا دور ہے۔[3]

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیوں کا واقعہ مشہور ہے' کہ اسلام کے بعد جب اس منافق نے ان کو عصمت فروشی کے ذریعہ روپیہ کما کر دینے کا حکم دیا' تو وہ خدمت نبوی

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود: باب ھل یقول الامام للمقر لعلك لمست او غمزت (ح ۶۸۲۴)
مسلم۔ کتاب الحدود: باب من اعترف علی نفسه بالزنی (ح ۱۶۹۳، ۱۶۹۵)

[2] ترمذی۔ کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النور (ح۳۱۷۷)
نسائی۔ کتاب النکاح' باب تزویج الزانیة (۳۲۳۰)
ابو داود۔ کتاب النکاح: باب فی قوله تعالی (الزانی لا ینکح الا زانیة)' ح ۲۰۵۱۔

[3] مسند احمد (۴/ ۸۷) اسے ابن حبان (۲۹۱۱) اور حاکم (۴/ ۳۷۶، ۳۷۷) نے صحیح کہا ہے لیکن یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔ (مسند احمد: ۲۷/ ۳۶۰)

میں حاضر ہوئیں اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی۔ اس پر یہ آیت اتری:

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾[1]

''تم اپنی لونڈیوں کو زنا کاری پر مجبور نہ کیا کرو۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے' مگر یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی غیر عورت کی بو آئے۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک حسین عورت عہد نبویؐ میں مسجد میں آیا کرتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھی' بعض صحابہ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ پہلے سے آ کر اگلی صف میں بیٹھ جاتے تا کہ اس پر نگاہ نہ پڑنے پائے اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔[3]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائے عفت:

یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تھا' مگر آپ یہ سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خود ذات برکت' سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم اور خاتم الرسل تھے' بایں ہمہ آپ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی عفت اور پاکدامنی کو فراموش نہیں فرماتے تھے' اور برابر اور چیزوں کے ساتھ پاکبازی کی دعاء کرتے رہتے' کبھی دعاء کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰى))[4]

''اے اللہ!...... میں تجھ سے ہدایت' تقویٰ' عفت اور غناء کی درخواست کرتا ہوں۔''

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ دعاء یہ ہوتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْحُسْنَ الرِّضَاءِ بِالْقَدَرِ))[5]

---

[1] مسلم۔ کتاب التفسیر: باب فی قوله تعالیٰ (ولا تکرهوا فتیاتکم۔) (ح ۳۰۲۹)
نسائی فی الکبریٰ (۶/ ۳۱۹، ح۱۱۳۶۵)

[2] طبقات ابن سعد (۴/ ۸۴)

[3] ترمذی۔ کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الحجر (ح ۳۱۲۲)
نسائی۔ کتاب الامامة: باب المنفرد خلف الصف (ح ۸۷۱)
ابن ماجه۔ کتاب اقامة الصلوات: باب الخشوع فی الصلاة (ح ۱۰۴۶)

[4] مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب فی الادعية (ح۲۷۲۱)

[5] بیهقی فی الدعوات الکبیر (۱/ ۱۶۹) ح ۲۲۸، ۲۲۹۔ الادب المنفرد ح ۳۰۷۔
تاریخ بغداد ۱۲/ ۱۲۱۔ واسناده ضعیف فیه عبدالرحمن بن زیاد بن انعم وهو ضعیف

''اے اللہ!...... میں تجھ سے صحت' عفت' خوبی اور تقدیر پر رضاء کی درخواست کرتا ہوں۔''

کبھی دل کی گہرائی سے یہ آواز نکلتی اور عرش اعظم پر پہنچتی:

((اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ وَ اَعْزِمْ لِیْ عَلٰی اَرْشَدِ اَمْرِیْ))[1]

''اے اللہ!...... مجھے میرے نفس کے شر سے بچالے اور میرے لیے سب سے زیادہ ہدایت والے کام پر عمل کرنے کے لیے مجھے پختہ ارادہ عطاء کر دے۔''

کبھی رسول الثقلین ﷺ کی زبان وحی پر یہ دعاء جاری ہوتی:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ))[2]

''اے اللہ!...... برے اخلاق واعمال اور بری خواہشوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

سیدالکونین ﷺ کی ان دعاؤں میں دیکھ رہے ہیں کہ خشیت الٰہی کا آپ پر کتنا اثر اور عفت واخلاق کی طلب کا کس قدر خیال ہے' کہ دوسری چیزوں کے ساتھ عفت کو بھی برابر یاد رکھتے ہیں اور کبھی فراموش نہیں فرماتے۔

دشمن عفت پر عذاب الٰہی:

یہ جو کچھ عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کی پاکی کا اہتمام نظر آ رہا ہے یہ بلا مقصد وجہ نہیں ہے بلکہ اسلام تو آیا ہی دنیا سے شر وفتنے اور برائیاں دُور کرنے کے لیے تھا اور اس کا مقصد اہل دنیا کو اخلاق وعفت کی تعلیم دینا تھا۔ اور جو لوگ عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کے چہرہ کو داغدار کرتے ہیں اللہ رب العزت نے ان کے لیے دنیا وآخرت میں بڑی دردناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ دنیاوی عذاب کا تذکرہ اپنے موقع پر تفصیل سے آئے گا' یہاں آخرت کے عذاب کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

معراج کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کو گناہگاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی اس موقع پر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آگ کا دہکتا ہوا ایک تنور ہے' اس میں چیخ و پکار اور گریہ وبکا کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ آپ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے' رسول الثقلین ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تنور میں ننگے

---

[1] ترمذی۔ کتاب الدعوات: باب (۶۹) (ح ۳۴۸۳) اسکی سند حسن بصری کی تدلیس وغیرہ سے ضعیف ہے۔

[2] ترمذی۔ کتاب الدعوات: باب ۱۲۶ (ح۳۵۹۱)

مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں' اور شعلوں کی لپٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور سب چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا ''یہ کون لوگ ہیں؟'' مجھے بتایا گیا ''یہ زنا کار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے' جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے۔[1]

---

[1] بخاری کتاب التعبیر: باب الرؤیا بعد صلاۃ الصبح (ح ۷۰۴۷) یہ معراج کا نہیں بلکہ خواب کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

پاک دامنی کا دفاع اور تعدد زوجات

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائل عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے:

﴿ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۝﴾

(النساء: ۴/ ۳)

فطری داعیات وجذبات کی تسکین نکاح کے ذریعہ حاصل کی جائے۔ اور اس سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لے کر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جاسکتی ہے' بشرطیکہ وہ ان بلند اخلاقیوں کا مالک ہو جن سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ سکے' اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تعددِ ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ

یہ ضرورت مند انسان کے لیے علاج کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔ اور اس سے یہ منشاء نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے یا اسلام ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادی کریں۔ اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں۔ اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس میں ہی اعلان کیا:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝﴾ (النساء: ۴/۳)

”پس اگر تم کو اس کا احتمال ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کردو۔ یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو (وہی سہی)۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔“

مخالفین اسلام جس بنا پر اعتراض کرتے ہیں اس کی جڑ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے' کیونکہ جب ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے امن کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو اور اس کو متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔[1] ایک قام میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

---

[1] بعض لوگ تعدد ازدواج کے مسئلہ کو' بعض ناگزیر وجوہات و ضروریات کے ساتھ مقید و مشروط کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو اس چیز کی اجازت دی ہے کہ وہ اگر طاقت رکھتا ہے تو جب چاہے اس مسئلہ پر عمل کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت مولانا مودودیؒ یوں کرتے ہیں:

''بعض حضرات انہی خارجی اثرات سے متاثر ہو کر تعدد ازدواج کی اجازت کو صرف اُن حالات تک محدود رکھنے پر اصرار کرتے ہیں جبکہ ایک شخص کی بیوی بانجھ ہو' یا اتنی بیمار ہو کہ ازدواجی تعلق کے لائق نہ رہے' یا اور ایسی ہی کوئی ناگزیر مجبوری درپیش ہو۔ لیکن ان کے اس خیال کی کھلی تردید خود نبی ﷺ کے عمل سے ہو جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو ایک سے زائد نکاح کیے ان کی وجہ یہ نہ تھی کہ پہلی بیوی بیمار تھی' یا بانجھ تھی' یا اولاد نرینہ نہ تھی' یا کچھ یتیموں کی پرورش کا مسئلہ درپیش تھا۔ ان محدود شخصی ضروریات کے بغیر آپؐ نے تمام نکاح یا تو تبلیغی و تعلیمی ضروریات کے لیے کیے' یا اصلاحِ معاشرہ کے لیے' یا سیاسی و اجتماعی مقاصد کے لیے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ نے خود تعدد ازواج کو اُن چند گنی چنی مخصوص اغراض تک' جن کا آج نام لیا جا رہا ہے' محدود نہیں رکھا اور اللہ کے رسولؐ نے ان کے سوا بہت سے دوسرے مقاصد کے لیے متعدد نکاح کیے' تو کوئی دوسرا شخص کیا حق رکھتا ہے کہ قانون میں اپنی طرف سے چند قیود تجویز کرے اور اوپر سے دعویٰ یہ کرے کہ یہ حد بندیاں وہ شریعت کے مطابق کر رہا ہے۔ دراصل ان ساری حد بندیوں کی جڑ یہ مغربی تخیل ہی ہے کہ تعدد ازواج (نعوذ باللہ) بجائے خود ایک برائی ہے۔ اسی تخیل کی بنا پر یہ نظریہ پیدا ہوا ہے کہ یہ ''فعل حرام'' اگر کبھی حلال ہو بھی سکتا ہے تو صرف شدید ناگزیر ضروریات کے لیے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس درآمد شدہ تخیل پر اسلام کا جعلی ٹھپہ لگانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کی جائے' قرآن و سنت اور پوری امت مسلمہ کا لٹریچر اس سے قطعاً نا آشنا ہے۔

پھر یہ لوگ ''ناگزیر ضرورت'' کی شرط پر مزید دو شرطوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کسی عدالت' یا از روئے قانون مقرر کیے ہوئے کسی سرپنچ یا پنچایت کو اس بات پر مطمئن کرے کہ اسے فی الواقع دوسری بیوی کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنی پہلی بیوی کو اس پر راضی کرے' یا اس سے نکاحِ ثانی کی اجازت لے۔

یہ دونوں بالکل نرالے اور اجنبی تخیلات ہیں جنہیں اسلامی قانون میں زبردستی داخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسلامی قانون تعددِ ازواج کے لیے ناگزیر ضرورت کی شرط ہی سے ناآشنا ہے' کجا کہ اس پر ان دو شرطوں کا اور اضافہ کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آخر ان شرطوں کا ماخذ کیا ہے اور یہ کہاں سے لائی گئی ہیں؟ کیا ←

﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾

(النساء: ۴/ ۱۲۹)

''پس تم بالکل ایک ہی کی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسی کر دو کہ وہ بیچوں بیچ لٹکی ہو۔''

ازواج کے بارے میں عدل ومساوات:

اوپر کی آیت میں ''عدل'' سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے' اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے۔ کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے کھانا کپڑا' مکان' بیوی کے ساتھ رہنا سہنا' اور اس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلب یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے' اس میں شریعت نے سعی کی تاکید کی ہے اور اپنی جدوجہد کے باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے میلان میں کمی وبیشی ہو تو اس پر گرفت نہیں:

﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾

(النساء: ۴/ ۱۲۹)

← قرآن میں کہیں ان کا ذکر ہے؟ کیا کسی حدیث میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ کیا اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی تعددِ ازواج کے لیے یہ شرطیں لگائی گئی ہیں؟ کیا کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں ان میں سے کسی شادی سے پہلے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے مزید ایک بیوی کی ضرورت ہے؟ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو دوسری شادی کرنے سے پہلے اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا صحابہ کی کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کریں؟ رہی پہلی بیوی سے اجازت' تو یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان مرد اپنے نکاح کے معاملہ میں اپنے باپ اور اپنی ماں سے تو اجازت لینے کا پابند نہ ہو' مگر بیوی سے اجازت لینے کا اسے پابند کیا جائے! غالباً یہ تجویز کسی ایسے زن مرید کے ذہن کی آفریدہ ہے جس کے نزدیک شادی ہو جانے کے بعد ایک آدمی کا تعلق ماں باپ سے کٹ جاتا ہے اور صرف بیوی ہی اس کی اکیلی سرپرست رہ جاتی ہے۔ اگر بیوی کی رضامندی کو اس بنا پر ضروری قرار دیا جاتا ہے' کہ شوہر کے گھر میں ایک دوسری بیوی کا آجانا اس کے لیے پیچیدگیاں پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے' تو ہم پوچھتے ہیں کہ بیٹے کے گھر میں ایک اور بہو کا آجانا کیا باپ اور ماں کے لیے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں کرتا؟ آپ کی نگاہ میں ان بے چاروں کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ (مسئلہ تعدد ازدواج از مولانا مودودیؒ: ص ۲۲ تا ۲۴)

''اور اگر اصلاح کرلو (یعنی عورتوں میں انصاف کرتے رہو) اور (ظلم وزیادتی سے) بچے رہو تو بیشک اللہ نہایت بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

اور عدل اختیاری میں بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

''یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے' ایک افریقی بیوی' خوگر دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی' مسن اور ادھیڑ سن بیوی کی ضرورتیں' خواہشیں' دلچسپیاں سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں' دلچسپیوں خواہشوں سے مختلف ہوں گی' مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے' لیکن خود ''عدل'' کی تفسیر ''عدم ظلم'' سے کی ہے' کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔''

((ظَاهِرُ الْاٰيَةِ اَنَّهٗ فَرْضٌ اَنْ يَعْدِلَ اَیْ لَا يَجُوْرُ))[1]

''ظاہر آیت سے عدل ومساوات بیویوں میں فرض ہے یعنی حق تلفی نہ ہونی چاہئے۔''

عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک بیوی کا حکم:

اوپر کی آیت میں ''ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا'' (اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع غالب ہے) اور پھر یہ آیت:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ۴/ ۳)

''اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ قائم رکھ سکو گے تو بس ایک ہی بیوی پر بس کرو۔''

اس بات کی طرف ہے کھلا ہوا اشارہ کہ اسلام میں ایک ہی بیوی کے دستور کو اصل قاعدہ قرار دیا گیا ہے۔

بلکہ اگر صحیح معنوں میں ضرورت ہے اور اس کو یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے' کہ اگر دوسری شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے ایسی ناگزیر ضرورت میں اسلام کا قانون یہ ہے' کہ ایک سے زیادہ شادی بھی کی جاسکتی ہے اور اس طرح پاکبازی کی زندگی جس سے ملنے کا اندیشہ تھا اس پر جم جانے کی کدوکاوش کی جاسکتی ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں اس طرح کی ضرورت آئے

[1] صدق جدید لکھنو ۸ ستمبر ۵۰ء درمختار

دن زندگی میں پیش آتی رہتی ہے انسانی زندگی میں یہ چیزیں عنقا نہیں کبھی کسی کی بیوی بانجھ ہوتی ہے اور اولاد کا طبعی اشتیاق مجبور کرتا ہے کبھی کسی کی بیوی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس وقت مرد کا طبعی تقاضا اور مریضہ بیوی کو تیمار دار کی ضرورت دونوں چیزیں متقاضی ہوتی ہیں کہ دوسری شادی کی جائے کبھی مرد کا جنسی میلان زیادہ قوی ہوتا ہے اور بیوی کمزور ہوتی ہے اور کبھی ان کے علاوہ دوسری مجبوریاں پیش آتی ہیں۔

اسلام کا قانون تعددِ ازدواج اور مخالفین

اب تو یہ چیز اتنی عیاں ہو چکی ہے کہ بحث و مباحثہ کی ضرورت باقی ہی نہیں رہی۔ تعدد ازدواج کے مخالفین کو بھی حالات کے پیش نظر اس بات کو ماننا ہی پڑا کہ اسلام کا قانون ''تعددِ ازدواج'' درست ہے۔ کسی بھی مذہب اور دھرم کا ماننے والا بشرطیکہ وہ دوراندیش اور تجربہ کار ہو ''تعدد ازدواج'' کے جواز سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے بلکہ سب ہی میں اس کی اجازت دی گئی ہے خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ ''تعدد'' کی اجازت دی ہے اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات ہے کہ یورپ نے اسلام کے ''تعدد ازدواج'' کے قانون کو اپنا نشانہ بنا لیا ہے وہی یورپ جس کے ہاں نسوانی ناموس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے بلکہ لٹ رہی ہے لٹائی جا رہی ہے برسر بازار سب کچھ ہو رہا ہے لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد عورت کے تعلقات میں بے باکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے اس کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض ارباب فکر نے ''تعدد ازدواج'' کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ اس کے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

اہل یورپ کا اعتراف حق:

لندن کے ایک اسکول کی ایک استانی مس میری اسمتھ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنی چاہیے۔''[1]

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹربیون (ڈربن۔ نٹال) مورخہ ۲۴ نومبر ۵۱ء

[1] ندائے حرم کراچی ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ۔

میں اس کے لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں:

"یقین ہے کہ پچیس سال سے اوپر عمر کی پچیس لاکھ بیوائیں' جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں' وہ اس کتاب کو دلچسپی اور قدر سے ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔"

ان اقتباسات سے اندازہ لگایئے کہ تعددِ ازدواج' جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے قانونِ فطرت کے کتنا مطابق ہے! اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیت کا کیسا یقین دلا دیا ہے!

یہی میری اسمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہے:

"چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے' اس لیے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔"

اس کے بعد اس نے کہا ہے:

"ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹفک نہیں ہے۔"

"انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترہویں صدی سے کثرتِ ازدواج کا چرچا شروع کیا گیا' چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زنا کاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اسکے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے فحاشی اور زنا کاری کو روکنے کے لیے کثرتِ ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی۔"[1]

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

"ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص "کثرتِ ازدواج" کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے مرد پر کسی قسم کی تحدید عاید نہیں ہونی چاہیے۔"[2]

مشہور ماہر جنسیات لیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"گو انگلستان میں کثرتِ ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے' لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے' جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں' یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ

---

[1] اسلام اور جنسیات ص ۲۹۶۔

[2] ایضاً ص ۲۸۵

مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیے۔''[1]

ایک بصیرت افروز واقعہ:

علامہ عبدالعزیز شادیش مصری نے ایک واقعہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں:

لندن میں ایک ہسپانوی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا' ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا' اور جیسے ہی تعدد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا: ''کاش! اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی کر لیتا۔'' میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا: ''میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں' جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً آشنائیاں کرنی پڑتی ہیں' کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا' اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے میری جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی' میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی' اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔''[2]

ایک امریکن کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا گیا:

''امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے' جو سب کی سب کنواری ہیں' ان کے مقابلہ میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے۔ اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لیے شوہروں کا ملنا محال ہے کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عددی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔''[3]

بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا؟ اگر تعدد ازواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر عفت و عصمت کو دنیا کی کون سی طاقت بچا سکتی ہے اور بفرض محال بچ بھی جائے تو اس ظلم عظیم کا وبال کس کے سر آئے گا؟ اور ان تیس تیس لاکھ تعداد کی گریہ وزاری اور ان کے نالہ و شیون کیا کچھ نہ کریں گے۔ جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا:

''لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے' لیکن یہ غلط ہے' اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لامحدود حرام کاری سے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو' لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرام کاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں' اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں'

[1] ایضاً ص ۲۹۲ [2] اسلام اور جنسیات ص ۲۹۲۔

[3] زمزم لاہور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء

مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لیے منہ کالا نہ کرنا چاہیے۔"

ہندوؤں کا اعترافِ حق:

یہ تو مغرب کا اعتراف حق تھا' اب ہندوؤں کے متعلق سنیے:

"مدراس ہندو مہا سبھا نے ہندو لاء کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال کی ہے اس میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لیے بعض حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے' یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جن میں ایک مرد کو کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیے۔"

ہمیں بتانا یہ ہے کہ اسلام نے عفت وعصمت اور پاکبازی کے لیے جو شاہراہ قائم کی ہے اس پر چلنے سے ہی عزت و آبرو اور پاکدامنی حاصل ہو سکتی ہے' دوسری کوئی شکل نہیں۔ اور وہ شاہراہ یہی ہے کہ جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کر لی جائے' ایک سے کی جائے' ضرورت ہو تو دو سے' تین سے' حتیٰ کہ چار تک سے شادی کی اجازت ہے۔ مگر عدل و مساوات کی ضروری شرطوں کے ساتھ۔

تعدد ازدواج میں عدل ومساوات:

کن امور میں عدل ومساوات ضروری ہے؟ اس کی کچھ بحث عورتوں کے حقوق میں آئے گی' کچھ یہاں لکھی جاتی ہے۔ اگر واقعتہً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیوی کرنے پر مجبور کر دیا ہے تو کر لی جائے' مگر بدکاری اور روسیاہی کی کبھی جرأت نہ کی جائے' اور دوسری شادی کی جائے تو یہ یقین کر کے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل ومساوات کا رویہ قائم و دائم رکھنا ہے اور اس کے خلاف نہیں کرنا ہے' کیونکہ رب العزت کا حکم ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۝﴾ (النساء: ۴/ ۳)

"اگر تم کو ڈر ہو کہ بیویوں کے درمیان عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو ایسی حالت میں ایک ہی پر بس کرو۔"

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ وَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ شِقُّهُ سَاقِطٌ))[1]

---

[1] ابوداود۔ کتاب النکاح: باب فی القسم بین النساء (ح ۲۱۳۳)

"جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں عدل نہ کرے تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہوگا۔"

مقصد یہ ہے کہ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں تمام بیویوں میں عدل و مساوات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے' اس کے خلاف کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ شوہر کو سزا دے گا' اور ساری مخلوق کے سامنے محشر میں اس کی اس ناانصافی کی یہ علامت ہوگی کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا اور اپنے جسم کے ایک فالج زدہ حصہ کو گھسیٹ گھسیٹ اور رینگ رینگ کر چل رہا ہوگا۔ اور یہ اس شوہر کی تذلیل و توہین کا ایک طریقہ ہوگا جس نے اپنی بیویوں میں عدل و مساوات کی ضروری شرط پوری نہیں کی ہے۔

اختیاری شئے میں عدل:

عدل و مساوات ان چیزوں میں ہے جو انسان کے قصد و اختیار میں ہے جس کی تفصیل اوپر گزری' باقی جو چیز انسان کے قصد و اختیار سے باہر ہے اس میں بھی عدل و مساوات کی سعی پیہم کرے' ہاں! اس سے آگے اس کی گرفت نہیں ہے' مگر اللہ رب العزت سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم میں عدل و مساوات سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَ لَا اَمْلِكُ))[1]

"اے اللہ!...... جس میں مجھ کو قدرت حاصل ہے اس میں میری یہ تقسیم ہے' اس چیز میں ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے لیکن میں مالک نہیں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے میری بہن کے نورنظر! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے' بلکہ عدل و مساوات کی کارفرمائی ہوتی تھی۔ ہاں! یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے آپ ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے' مگر رات میں انہی کے گھر میں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی' دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن

← ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ما جاء فی التسویة بین الضرائر (ح ۱۱۴۱)
نسائی۔ کتاب عشرة النساء: باب میل الرجل الی بعض نسائہ (ح ۳۳۹۴)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب القسمة بین النساء (ح ۱۹۶۹)

[1] ابوداود (۲۱۳۴)' ترمذی (۱۱۴۰)' نسائی (۳۳۹۵)' ابن ماجہ (۱۹۷۱)' دارمی (۲۲۰۷)

قیام نہیں کرتے۔''!

۲ مسند احمد (۶/ ۱۱۷)۔ ابو داود۔ کتاب النکاح: باب فی القسم بین النساء (ح ۲۱۳۵)

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی جب دوسری شادی کرتا ہے تو کیا دونوں بیویوں پر باری تقسیم کرنے میں وظیفہ زوجیت برابر ادا کرنا اس پر لازم ہے۔ اگر کسی وقت ایک بیوی سے صحبت کرنے میں طبیعت مائل نہیں ہوتی تو کیا اس پر گناہ لازم ہوگا؟؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ دوسری شادی کے بعد آدمی پر لازم ہے کہ وہ اسباب کی تقسیم میں دونوں بیویوں کے درمیان عدل کرے' جیسے رہائش' خوراک' لباس اور باری کی تقسیم وغیرہ میں۔ اگر عدل سے کام نہیں لے گا تو قیامت والے دن اس کا مواخذہ ہوگا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب آدمی کی دو بیویاں ہوں وہ ان کے درمیان عدل سے کام نہ لے تو قیامت والے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی ایک سائیڈ فالج زدہ ہوگی'' (ترمذی۔ کتاب النکاح' مسند احمد ابو داؤد)

امام خطابی معالم السنن (۳/ ۲۱۸۔۲۱۹) میں رقم طراز ہیں: اس حدیث میں آزاد سوکنوں کے درمیان باری کی تقسیم پر تاکید ہے۔ معاشرت زوجیت میں حقوق کی کمی کرنا مکروہ ہے اگر دل کا میلان کسی جانب ہو تو وہ مکروہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ دل کسی کے کنٹرول میں نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں تقسیم میں برابری کرتے تھے اور کہتے تھے ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اور جس کا میں مالک نہیں ہوں اس پر تو میرا مواخذہ نہ کر۔ اور اسی کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا ہے'' اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں کے درمیان عدل کر سکو اگرچہ تم حرص بھی رکھو' پس بالکل ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو'' (نساء: ۴/ ۱۲۹)

امام ابن کثیرؒ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۲۹ کی بابت رقم طراز ہیں:

''اے لوگو! تم اس بات کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ تمام وجوہ کے لحاظ سے تم عورتوں کے درمیان عدل کر سکو' اگرچہ ایک ایک رات کے لحاظ سے باری کی تقسیم حاصل ہوتی ہے لیکن محبت' شہوت اور جماع میں اختلاف ایک لازمی امر ہے۔'' (۲/ ۳۹۲ بتحقیق عبدالرزاق المهدی)

یعنی انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ طبعی محبت' دل کا میلان' شہوت اور جماع پر ایک جیسا معاملہ اختیار کر سکے۔ امیر المحدثین سید الفقہا امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری کتاب النکاح میں باب العدل بین النساء کے اندر مذکورہ آیت ہی بیان کی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عورتوں کے درمیان حسب طاقت عدل سے کام لینا چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ولن تستطیعوا﴾ کی تفسیر حب (محبت) اور جماع نقل کی گئی ہے اور عبیدہ بن عمرو السلیمانی سے بھی یہی مروی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ ''تم شدید حرص بھی رکھو تو عدل ←

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے بعد نماز عصر ملتے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا آخری لمحات حیات میں عدل ومساوات:

رحمتِ عالم ﷺ کے اس معاملہ میں عدل ومساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہ فرمایا۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے' کل میری باری کہاں ہے؟

((كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ "أَيْنَ أَنَا غَدًا؟")) [2]

''آپ اپنی اس بیماری کے درمیان کہ جس میں آپ فوت ہو گئے' پوچھتے تھے کل میری باری کہاں ہے؟۔''

مانوس کرنے کے لیے نئی بیوی کے ساتھ رعایت:

دوسری شادی کرے تو دیکھا جائے گا کہ نئی بیوی جو آئی ہے یہ کنواری ہے یا بیاہی' اگر کنواری (باکرہ) ہوگی' تو اس کے پاس سات دن قیام کرے گا' پھر مساوات کی باری چلے گی اور اگر دوسری بیوی ثیبہ (بیوہ' مطلقہ) بیاہ کر لایا ہے تو اس کے یہاں تین دن قیام کرے گا' پھر اس کے بعد باری مقرر کی جائے گی۔ یعنی نئی دلہن جو آئے گی اس کے لیے یہ حق رکھا گیا ہے کہ باکرہ ہو تو

← کی طاقت نہیں رکھ سکتے'' اس سے مراد عورت سے قلبی محبت اور جماع ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری ۹/ ۳۱۳' بیہقی ۷/ ۲۹۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر مرد کی طبعی حالت کسی ایک بیوی کی طرف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جماع بھی فطری چیز ہے۔ یہ بھی بسا اوقات آدمی کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ایک بیوی کے پاس جا کر اس سے جماع کا داعیہ نہ پیدا ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی باری میں قیام اسی کے پاس کرے گا' اگر بیماری کا آدمی پر غلبہ ہو جائے اور دوسری کی باری میں اس کی طرف نہ جا سکتا ہو تو پھر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کی بیماری والے ایام میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کرنے کی ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ)

[1] مسلم۔ کتاب الطلاق: باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته (ح۲۱/ ۱۴۷۳) ونحوه عند البخاري في كتاب النكاح: باب دخول الرجل على نسائه في اليوم (ح ۵۲۱۶' ۵۲۶۸)

[2] بخاري۔ كتاب النكاح: باب اذا استأذن الرجل نساءه (ح ۵۲۱۷)
مسلم۔ كتاب فضائل الصحابة: باب فضائل عائشة ام المؤمنين (ح ۲۴۴۳)

اس کو سات دن دیئے جائیں کہ وہ شوہر سے مانوس ہو اور ثیبہ ہو تو تین دن' اور یہ دن حساب میں وضع نہ ہوں گے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا ثُمَّ قَسَّمَ وَ اِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَّمَ))[1]

''مرد جب ثیبہ کے بعد کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے' پھر تقسیم کرے۔ اور ثیبہ سے جب شادی کرے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرے۔''

سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ:

سفر میں جب کسی بیوی کو لے جانا ہو تو قرعہ کے ذریعہ سے فیصلہ کرے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اسی کو ساتھ لے جائے تاکہ ناانصافی نہ ہونے پائے' اور خود بیویوں کو بھی یہ خیال نہ گزرے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ اسْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ))[2]

''رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا' وہ آپ کے ساتھ جاتیں۔''

سفر سے واپسی پر پھر حساب وکتاب کس نہج پر ہو گا؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

① بعض علماء کی رائے ہے کہ سفر کی مدت کا حساب نہ ہو گا' گھر پہنچنے کے بعد از سر نو سب کے لیے مساوات کے ساتھ باری چلے گی۔ اور جو بیوی سفر میں ساتھ گئی ہے' اس کی باری سے مدت سفر کی مقدار وضع نہ کی جائے گی' خواہ قرعہ ڈالا ہو اور نام نکلنے پر ساتھ لے گیا ہو' یا بغیر قرعہ کے ہی ایسا کیا ہو' امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب اذا تزوج الثیب علی البکر (ح ۵۲۱۴)
مسلم۔ کتاب الرضاع: باب قدر ما تستحقه البکر و الثیب (ح ۱۴۶۱)

[2] بخاری۔ کتاب الشهادات: باب القرعة فی المشکلات (ح ۲۶۸۸)
مسلم۔ کتاب التوبة: باب فی حدیث الافك (ح ۲۷۷۰)

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ مدت سفر کا حساب ہوگا' اور جو عورت ساتھ گئی ہے اس کے حصہ سے اتنے دن وضع کر لیے جائیں گے جتنے دن وہ سفر میں ساتھ رہی ہے' یہی اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ خواہ قرعہ کے ذریعہ سے ساتھ گئی ہو' یا بغیر قرعہ کے۔

(۳) بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قرعہ کے ذریعہ نام نکلا ہو اور ساتھ گئی ہو تو یہ حساب میں وضع نہ کیا جائے گا۔ اور اگر بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو اپنی مرضی سے ساتھ لے گیا ہے تو ایسی صورت میں مدت سفر کو حساب میں شمار کیا جائے گا' یہی قول ہے امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا۔[1]

اپنے حصہ کا ہبہ اور ملنے کی آزادی:

کوئی بیوی چاہے کہ اپنی باری اپنی سوکن کو بخش دے تو ایسا کر سکتی ہے۔ اور شوہر پر لازم ہو گا کہ اس بخشنے والی بیوی کی باری اس کے پاس گزارے جس کو اس نے ہبہ کیا ہے۔ ہاں! اگر اپنی باری شوہر ہی کو بخش دے تو پھر شوہر کو اختیار ہے جس کے پاس چاہے اس دن کو گزارے۔[2]

ملنے اور بات چیت میں آزادی ہے یعنی باری جس کی بھی ہو شوہر ملاقات سبھی سے کر سکتا ہے اور سب کو جمع کر کے بات چیت بھی کر سکتا ہے' البتہ وطی اس سے کرے گا جس کی باری ہو' غیر سے نہیں کر سکتا۔[3]

ایک بحث البتہ رہ گئی' کہ کیا بیویوں سے وطی کرنے میں بھی مساوات ضروری ہے؟

چونکہ وطی کا دار و مدار محبت اور طبیعت کے میلان پر ہے' اس لیے اس میں مساوات ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے' لیکن یہ مطلب نہیں کہ مساوات کی سعی نہ کی جائے گی' بلکہ کوشش اس میں بھی مساوات ہی کی رہنی چاہیے' اگر سعی کے باوجود طبیعت مائل نہ ہو اور انتشار پیدا نہ ہو تو البتہ معذور سمجھا جائے گا' اور اگر طبعی خواہش اور میلانِ نفس کے باوجود ترک کرنا چاہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے' کہ یہ قصداً حق تلفی اور ناانصافی ہے۔[4]

بیوی کی خوشنودی:

نان ونفقہ میں بھی عورتوں کے درمیان عدل ومساوات سے کام لے' اور ماحصل یہ ہے کہ ہر طرح اپنی تمام بیویوں میں عدل ومساوات کو کام میں لائے' اور ان کی ہر طرح دل دہی کرے۔

[1] زاد المعاد ج ۴ / ۲۰۔ [2] زاد المعاد ج ۴ / ۲۰۔
[3] زاد المعاد ج ۴ / ۲۰۔ [4] زاد المعاد ۴/ ۲۰

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اسلام جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک منٹ کے لیے اسے برداشت نہیں کرتا' مگر بیویوں کی رضامندی کے لیے بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دیتا ہے' حدیث میں ہے' سیدہ ام کلثوم راوی ہیں:

((لَمْ اَسْمَعْهُ النَّبِيَّ ﷺ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْءٍ مِّمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ اَلْحَرْبِ وَ الْاِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيْثِ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَالْمَرْاَةِ زَوْجَهَا))[1]

"تین چیزوں کے سوا کسی میں آپ نے کذب کی رخصت نہیں دی' صرف ان تین چیزوں میں رخصت تھی ① جنگ ② صلح صفائی ③ اور مرد کا بیوی سے بات کرنا اور بیوی کا مرد سے۔"

چند عورتوں سے بیک وقت شادی:

مگر یہ کسی لمحہ برداشت نہیں کہ ناجائز طور پر بیوی پر مظالم ڈھا کر اس کی دل شکنی کرے اور ان کے شیشہ دل کو ٹھیس لگائے' یہ وہ زرین ہدایات ہیں جن کا لحاظ و پاس زندگی میں نہایت ضروری ہے۔

جو لوگ چند عورتوں سے بیک وقت شادی کرتے اور مذکورہ زرین اصول پر عمل نہیں کرتے ان کی زندگی عذاب الیم میں گھر جاتی ہے۔ بیویوں کی وجہ سے گھر فتنہ و فساد اور جھگڑے کا اکھاڑہ بن جاتا ہے۔ اور زن و شوہر میں کسی کو ایک لمحہ اطمینان کی سانس نصیب نہیں ہوتی۔ شوہر کا اثر و رسوخ دم توڑ دیتا ہے' وقار کی روح مردہ ہو جاتی ہے اور اپنے اور غیر میں اس کی پوزیشن پامال ہو کر رہ جاتی ہے' یہی حال اس کی متعدد بیویوں کا ہوتا ہے۔

پھر یہیں پہنچ کر بات ختم نہیں ہو جاتی' دونوں بیویاں اپنے اپنے بچوں کو دوسری ماں کے خلاف ابھارتی ہیں' خود باپ کی طرف سے بھی نفرت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے' اور بالآخر ایک شریف گھرانہ جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ اگر تمام بیویوں کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور ایک ہی بیوی پر مرد جب اس طرح جھک پڑتا ہے کہ دوسری لٹکی رہ جاتی ہے' تو دوسری بیوی کبھی اس کام کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتی ہے جس کا نام لینا بھی ننگ و عار کی بات ہے۔ راجوں'

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منه (ح ۲۶۰۵)

مہاراجوں اور نوابوں کی متعدد بیویوں کی کہانیاں مشہور ہیں۔ اور عفت وعصمت اس طرح لٹائی جاتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں' اور اسے اسلام ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

سارے قوانین کا ماحصل عفت وعصمت

اس ساری بحث کا منشاء یہ تھا کہ اسلام ایک منٹ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ انسان کی عفت وعصمت پائمال ہو اور ان کے اخلاق و اعمال کی گندگی دنیا کو متعفن کر ڈالے۔ جنسی میلان آدمی کی فطرت میں رکھا گیا ہے لیکن اس کے لیے قدرتی راہ بھی بنا دی گئی ہے۔ اس جائز راستہ سے داعیات فطرت پورے کیے جائیں' اگر کسی کو ایک بیوی سے تسکین نہ ہو (جس جس معقول وجہ سے بھی سہی) اور وہ یقین رکھتا ہے کہ عدل و مساوات کا دامن میرے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے گا' تو دو بیویاں کافی نہ ہوں تو شروطِ مذکورہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے چار بیویاں تک رکھ سکتا ہے' مگر یہ کسی حالت میں قابل برداشت نہیں کہ عصمت وعفت کا دامن داغدار کرے۔

بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں:

ہاں چار بیویوں سے زیادہ بیک وقت نہیں رکھ سکتا۔ جو لوگ چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کے قائل ہیں وہ قرآن وحدیث اور صدر اوّل کے اجماعی فیصلہ کو مسترد کر کے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کی نو' دس بیویاں تھیں' یہ بھی مسلمان ہو گئیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خُذْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا"[1] "ان میں سے چار پسند کر لو۔"

سیدنا قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسلمان ہوا تو اس وقت میری آٹھ بیویاں تھیں۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے آپؐ سے اپنی آٹھ بیویوں کا تذکرہ کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

---

[1] مسند احمد (۲/ ۴۴) ترمذی۔ کتاب النکاح: باب الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ (ح ۱۱۲۸) ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب الرجل یسلم و عندہ اکثر من اربع نسوۃ (ح ۱۹۵۳) بعض روایات میں ہے کہ ان کی دس بیویاں تھیں۔ واللہ اعلم

اِخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا[1] ''ان میں چار کو چن لو۔''

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے صراحۃً چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے' اور جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں اسلام لانے کے بعد آپ نے صرف ان میں سے چار کی اجازت فرمائی' بقیہ کو علیحدہ کرا دیا۔ خود سرورِ کائنات کا طرزِ عمل وہ ظاہر ہے کہ آپ کی ذات کے ساتھ مختص تھا۔

❀❀❀

---

[1] ابو داود۔ کتاب الطلاق: باب فی من اسلم وعنده نساء اکثر من اربع (ح ۲۲۴۱)

ابن ماجه۔ حواله سابق (ح ۱۹۵۲)

آئیڈیل دولہا اور آئیڈیل دلہن کا انتخاب

اسلام نے جس طرح عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کی بعض ضروری شرطوں کے ساتھ اجازت دی' مگر اسے گوارا نہ کیا' کہ انسانی شرافت کے چہرہ پر گندگی کی دھول بھی اڑ کر پڑے' ٹھیک اسی طرح عفت و عصمت اور اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کے لیے انسان کو اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ شادی کرنے میں حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنی پسند کی بیوی کرے' اور عورت اپنی پسند کے مطابق شوہر تجویز کرے' ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۝ ﴾ (النساء: ۴/ ۱)

''تم نکاح کرلو عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہو۔''

حقِ انتخاب:

ان عورتوں سے شادی کا مشورہ دیا گیا ہے' جو پسند ہوں' اور دل کو بھائیں' اس مسئلہ میں جو پابندی ہے وہ بس اتنی کہ حدود اللہ ٹوٹنے نہ پائیں' یعنی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن سے شادی جائز نہیں ہے' بلکہ ان سے رشتہ ازدواج کا قیام شریعت نے حرام قرار دیا ہے' ان میں کچھ قرابت دار ہیں اور کچھ غیر مذاہب کی پابند۔ ان کو چھوڑ کر جو عورتیں حلال ہیں ان میں انتخاب کا حق عطاء کیا گیا ہے۔

جس طرح مردوں کو عورتوں کے جائز انتخاب میں اختیار ہے اسی طرح عورتوں کو بھی حق انتخاب اسلام نے بخشا ہے گویا حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے مرد و عورت میں سے کوئی بھی' مجبور نہیں کیا گیا ہے کہ کسی خاص عورت یا مرد سے رشتہ جوڑے' ہر ذی عقل جانتا ہے کہ چند پیسے کی جو چیز خریدی جاتی ہے اسے ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور شادی جیسی اہم چیز جس کا پوری زندگی سے واسطہ ہے' اور جس کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک مضبوط رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں اس میں غفلت کا مشورہ کون دے سکتا ہے؟

اسلام جو ستم رسیدہ لوگوں کے لیے عدل و مساوات کا پیام بن کر آیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی جائز حمایت جس کی سرشت میں داخل ہے' وہ کیسے یہ برداشت کر سکتا تھا' کہ حق والوں کو ان کا حق نہ ملے؟ یا ظالموں کے ظلم کی بیخ کنی نہ ہو۔ چنانچہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے ہر ایک ظلم و جور کی بنیاد ڈھا دینے کا اعلان کیا' اس نے زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس میں دو اجنبی ملتے ہیں اصلاح کی' مظلوموں کو ان کا حق دلایا اور ظالم کا ظلم سے ہاتھ پکڑ لیا' تا کہ رشتہ ازدواج سے جو بنیادی مقاصد وابستہ ہیں وہ حسن وخوبی سے وجود میں آئیں۔

رشتہ ازدواج کے سلسلہ میں قرآن پاک کی ہدایات اور مشکوٰۃ نبوت کی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے' تو یقینی طور پر یہی فیصلہ ہو گا کہ نہ مرد مسلوب الاختیار ہے اور نہ عورتیں۔ جو بات پابندی کی نکلے گی' وہ صرف اتنی کہ حدود اللہ کے اندر رہنا ضروری ہے۔

ظلم و جور کی بیخ کنی:

حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اسلام نے مرد و عورت (کہ جن کی شادی ہو رہی ہے) ان کو ترجیح دی ہے' اور ان کی رائے قبول کرنے کو بہر حال ضروری بتایا ہے۔ اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا' لڑکیوں پر ان کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے ان کی شادی کر دیتے تھے' جن کو لڑکیاں پسند نہ کرتی تھیں' یہ یتیم لڑکیوں کے حق میں خصوصیت سے ناانصافی ہوتی تھی۔ جاہلیت کی تاریخ پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کس قدر پست تھی۔ یہ غریب مالِ منقولہ سمجھی جاتی تھیں۔ شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلہ بیوی کو خرید لیا ہے' چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے وارث عورت کو اپنی ملکیت میں شمار کرتے اور اس طرح دوسرے مظالم ہوتے تھے۔ اسلام جب آیا تو اس نے اس ظلم وستم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا۔

ولی کو مشورہ کا حق:

حدِ بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور عاقلہ لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں' اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقربا اس شعبہ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیے مگر یہ دباؤ ڈال کر جبر نہیں کر سکتے۔ شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں'

کہ ان کی آراء پختہ ہوتی ہیں اور محبت و شفقت میں ڈوبی ہوئی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار:

عورتیں، جن کو ہندوستان و پاکستان کے ماحول میں ہم مجبور محض سمجھتے ہیں، اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا جتنا سمجھا جاتا ہے، بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے۔ نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضاء اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَامَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ))[1]

"شوہر دیدہ (بیوہ) عورت کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔"

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَ الْبِكْرُ يُسْتَاْذِنُهَا فِیْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا))[2]

"شوہر دیدہ (بیوہ) عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔"

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَ الْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا))[3]

"وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذاتِ خود ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔"

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر و الثیب (ح ۵۱۳۶)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق (ح ۱۴۱۹)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۴۲۱)   [3] مسلم، حوالہ سابق، ح ۶۷/ ۱۴۲۱

ان احادیث میں جولب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں' اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشاء کیا ہے؟ عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے' یا اس کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم وعقل عطاء کی' وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے' کہ اسلام نے عورتوں کو شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ عورت کی رضاء حاصل کیے بغیر اس کی شادی کسی مرد سے زبردستی نہیں کی جا سکتی۔

ولی کا فریضہ اور عورت کی رضا مندی کا مسئلہ

ولی کا فریضہ ہے کہ بالغ سے رضاء حاصل کرے' پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے۔ حد یہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم وشفیق ہوتا ہے' اس کو بھی پیغمبر اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرلے' پھر اس کی شادی اس کی پسند کے مطابق کرے۔[1]

---

[1] عام طور پر مولانا ظفیر الدینؒ کی ولی کے متعلق معروضات پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ عورت کے حق اور رائے کو فوقیت دے رہے ہوں جبکہ ولی کے حق کو ثانوی حیثیت دے رہے ہوں۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں مولانا اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے کوشاں ہیں کہ جس کے تحت ہمارے معاشرے میں اسلام سے عدم واقفیت اور جہالت کی بناپر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شادی کے معاملات میں لڑکی کی رائے لینا کہ تیری کیا رائے ہے؟ لڑکی سے یہ دریافت کرنا اور لڑکی کو ایسے معاملات میں لانا بے حیائی ہے۔ لڑکی کا کیا کام اور کیا مجال کہ وہ بڑوں کی بات میں دخل دے۔ مولانا اس جاہلانہ خیال کا رد کر رہے ہیں نہ کہ وہ ولایت کو ساقط غیر معتبر قرار دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لڑکی نہ تو خود اپنا نکاح کرسکتی ہے نہ دوسری عورت' عورت کا نکاح پڑھا سکتی ہے' نہ لڑکی لو (love) میرج (ولی کی عدم رضاء مندی سے کسی سے شادی) کرسکتی ہے۔ نہ خفیہ شادی کرسکتی ہے اور نہ ہی کورٹ میرج کرسکتی ہے' اس طرح کی کسی قسم کی شادی معتبر نہ ہوگی اور حرام ہوگی کہ جس میں ولی شامل نہ ہو۔

جہاں تک نکاح کے معاملے میں لڑکی کی رضاء کا جاننا ضروری ہے جبری طور پر اس کی شادی کسی جگہ نہ کر دینی چاہئے اس سے بھی بڑھ کر ولی کی رضاء اور شمولیت ضروری ہے ورنہ شادی حرام ہوگی۔ اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کی کتاب ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں'' کا مطالعہ ضرور کریں۔

بخاری۔ کتاب النکاح: باب اذا زوج ابنته وھی کارھة فنکاحه مردود (ح ۵۱۳۸)

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضاء اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے وہاں لڑکی کی حیاء اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ بلکہ پاس ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے' اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحۃً اجازت کی ضرورت ہے استیمار اور استیذ ان سے اسی طرف اشارہ ہے' بعض علماء نے کہا ہے کہ سکوت باکرہ (کنواری کی خاموشی) جواذن کے درجہ میں اس عورت کے لیے اچھا ہے کہ یہ مسئلہ معلوم ہو۔

عورت کی عدم رضاء سے نکاح کا رد عہد نبوی میں:

حدیث میں ایک صحابیہ سیدہ خنساء بنت حزام رضی اللہ عنہا کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کر دی۔ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ رشتہ پسند نہ آیا دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کی درخواست قبول فرمائی' اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا۔[1]

دوسرا واقعہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا' کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے وہ مجھے پسند نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا کہ جی چاہے تو باقی رکھو اور جی چاہے تو رد کر دو۔[2]

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں:

ایک واقعہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبوی میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ ''میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے' جو مجھے پسند نہیں ہے۔'' اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا' کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ ''میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں' لیکن اس وقت سوال کرنے اور آپؐ سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضاء حاصل کیے بغیر شادی کر دے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] ابوداود۔ کتاب النکاح: باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یستأمرھا (ح ۲۰۹۶)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ (ح۱۸۷۵)

[2] ابن ماجہ۔ حوالہ سابق (ح ۱۸۷۳)

((وَلٰكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ))[1]
"لیکن میں نے عورتوں کو یہ بتا دینا چاہا کہ باپ دادا کے ہاتھ میں نکاح کے معاملہ میں کچھ نہیں ہے۔"

عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خدام کے نام سے مشہور تھے' انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی' ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نکاح اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔[2]

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ بالغہ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا' بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے۔ اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت' محبت ومودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں۔

ولی کا حق مشورہ اور اس کا لحاظ:

نابالغہ لڑکی کا نکاح البتہ اس کی اجازت کے بغیر ولی کر سکتا ہے اور اس کے بارہ میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی' جیسے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا بیان ہے کہ "میری شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ہوئی جب میری عمر چھ سال کی تھی۔"[3]

بہر حال نکاح کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لیے جو کچھ کیا جائے' خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے' ولی بھی اپنی حد تک اطمینانی شکل پیدا کر لیں اور جس کی شادی ہو رہی ہے وہ بھی سکونِ قلب پا لیں۔

یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ آج کل گزشتہ دور کا ردعمل یہ ہو رہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتیٰ کہ والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ کوئی شبہ نہیں کہ "شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے" مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ "جوش" کے ساتھ "ہوش" نہایت ضروری ہے۔ اور شادی کا جہاں "جنسی میلان کی تسکین" سے

---

[1] ابن ماجہ۔ حوالہ سابق (ح ۱۸۷۳) رواہ البخاری (۵۱۳۹) مختصراً
[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب النکاح الرجل ولدہ الصغار (ح ۵۱۳۳)
[3] مسلم۔ کتاب النکاح: باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ (ح ۱۴۲۲)

تعلق ہے' اس کے ساتھ شادی کا تعلق گھر' خاندان قوم اور ملک سے بھی ہے "حال" کے ساتھ "مستقبل" پر نگاہ رکھنا بھی ہر دوراندیش کا فریضہ ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہو گا' کہ شادی کے معاملہ میں والدین یا جو ولی ہوں ان کا مشورہ بڑی حد تک ضروری ہے۔[1]

---

[1] ولی کو نظر انداز کر کے عورت اپنا نکاح بذاتِ خود نہیں کر سکتی کیونکہ ولی کی موجودگی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔" (حدیث صحیح ہے) "جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا' اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے۔" (مستدرک حاکم' ترمذی' ابن ماجہ حدیث حسن ہے)

مفسرین نے اس آیت:

﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (النور : ۳۲/۲۴)

"اور تم میں جو (مرد اور عورت) بغیر نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کر دو) اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا (اور) جاننے والا ہے۔"

اس سے استدلال کیا ہے کہ عورت اپنے سرپرست کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرا سکتی۔ کیونکہ آیت میں روئے سخن ولیوں اور سرپرستوں کی طرف ہے۔ بالغہ اور نابالغہ ہر کسی کے نکاح میں ولی کا یکساں طور پر ہونا واجب ہے۔ شادی کے لیے رضامندی کی خاطر ولی کا حامی بھرنا فطرت سلیم اور ذوق مستقیم کے ساتھ پورے طور پر ہم آہنگ ہے اور اسی قسم کی روح شریعت کے دوسرے اوامر اور نواہی میں بھی کارفرما ہوتی ہے۔ اس لیے اگر رضاء مندی پائی گئی تو ولی یہ دیکھ کر ششدر نہیں رہ جائے گا کہ اس کی ایک قریبی عزیزہ گھر میں ہے اور ایک اجنبی مرد شوہر بن کر کسی پیشگی اطلاع یا علم کے بغیر بلا کھٹکے اس کے پاس آتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی عقل و بصیرت والا اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ نہ یہ صورت اس کے نزدیک قابل قبول ہوگی۔

کیا بالغ لڑکی ولی اور سرپرست کے بغیر آپ اپنا نکاح کر سکتی ہے؟ بعض لوگ اس کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ "بیاہتا لڑکی ولی کے بغیر آپ اپنا نکاح کرانے کا حق رکھتی ہے۔" حالانکہ یہ روایت ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ چنانچہ مناوی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے شرح جامع صغیر میں لکھا ہے "اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی لڑکی کا نکاح ولی اس وقت تک نہیں کرا سکتا جب تک کہ لڑکی منہ سے کہہ کر نکاح کی اجازت نہ دے دے' کیونکہ ولی کے مقابلہ میں لڑکی عقد نکاح کا خود زیادہ حق رکھتی ہے۔ لیکن یہ لوگ اس حدیث کی جو تاویل کرتے ہیں' صحیح حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے اور اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے۔" یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اگر لڑکی نکاح کے لیے خود آگے بڑھے' سب کچھ خود ←

اختلاف کے وقت عورت کی پسند قابل ترجیح:

اب یہ سوال باقی رہ گیا' کہ اگر عورت کی رائے اور مرد کی رائے میں ٹکراؤ ناگزیر طور پر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر کیا فیصلہ ہوگا؟ تو یہاں بغیر شک وشبہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کی مرضی مقدم ہوگی اور اسی کی رائے کو شرعی طور پر ترجیح دی جائے گی' کیونکہ شادی عورت کی ہو رہی ہے' عفت و عصمت کا تعلق اس سے عورت کا ہے' ولی کی نہ شادی ہو رہی ہے' اور نہ اس بندھن کے نباہنے کی ذمہ داری ہی ولی پر ہے' پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ٹکراؤ کے وقت میں ولی کی رائے کو ترجیح دی جائے اور عورت کی رائے و رضاء کی پروانہ کی جائے۔ پھر عہد نبوی کے فیصلے اور واقعات موجود ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عورت کی رضاء کو ترجیح دی اور باپ کا کیا ہوا نکاح بھی رد فرما دیا' مگر عورت کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں فرمایا' جیسا کہ میں اوپر نقل کر آیا ہوں' پھر قرآن پاک کی یہ آیت بھی سامنے رکھیے:

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۝﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۳۴)

''وہ (بیوہ) عورتیں جب اپنی عدت پوری کر لیں تو تم کو اس معاملہ میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ قاعدہ کے مطابق اپنی ذات کے لیے کچھ (نکاح ثانی) کریں۔''

اس آیت میں عورت کو اپنے معاملہ سے نبٹنے کی پوری آزادی ہے۔ عورت انسان ہے عقل وفہم کی مالک ہے' وہ کوئی عضو معطل نہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے کوئی کام کر ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کے باوجود نکاح کے مؤثر ہونے میں ولی کا ہونا لازمی وضروری ہے۔ اس کے بغیر نکاح نہ ہوگا۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ نکاح میں حتی الوسع عورت اور ولی دونوں کی موافقت ضروری ہے' تاکہ یہ نیک کام خوش اسلوبی سے انجام پا سکے۔ اس باب میں مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے بہت درست ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے:

← کرے اور سرپرستوں کو نظر انداز کر دے تو اس میں بڑی خرابیاں مضمر ہیں۔ اس لیے کہ اس کا قوی امکان ہے کہ کسی انجانے لڑکے کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر لڑکی دھوکا کھا جائے۔ اس لیے کہ لڑکی قطعی ناواقف ہے۔ پھر اس کے بعد لڑکی کی بدبختی اور حرماں نصیبی کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ مرد اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد اس لڑکی کو طلاق دے دے۔ اس لیے اے نادان لڑکی! تجھے اس راہ میں ولی کا ہاتھ پکڑ کر بھی بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے اور تباہ ہونے سے بچنا چاہیے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں تبصرہ:

مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایسے معاملات میں جن کا تعلق جماعت سے ہے' شریعت (اسلام) نے ان میں طرفین کی رعایت ملحوظ رکھی ہے' اور ایسے باب میں مجموعہ احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے' صرف ایک جانب کو سامنے رکھ کر جو بھی فیصلہ ہو گا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے' مثلاً: زکوٰۃ کا معاملہ ہے' اس معاملہ کا زکوٰۃ دینے والے' اور زکوٰۃ وصول کرنے والے دونوں سے تعلق ہے' زکوٰۃ دینے والے کے متعلق حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو زکوٰۃ دینے والا اس کو خوش کرے' جو مانگے دے۔ اور اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا انصاف کرے گا' اپنے لیے کرے گا' اور اگر اللہ نہ کرے ظلم کو راہ دے گا تو اپنے لیے وبال خریدے گا' کیونکہ زکوٰۃ کا کمال یہ ہے کہ وصول کرنے والا خوش خوش جائے۔

جیسے کہ حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے (عامل) کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا: ''اس کو خوش کرو' زکوٰۃ میں جیسا مال مانگے دو۔'' پوچھنے والے نے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ظلم کرے تو بھی؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' پھر بھی![1]

دوسری طرف عامل کے متعلق حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ میں لینے سے پرہیز کرو' مظلوم کی دعاء سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے!''[2]

دونوں کو دی گئی ہدایات سامنے رکھیے اور سوچیے' تو معلوم ہو گا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت دے رہے ہیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے تک کا حق نہیں ہے' عامل جو مانگے دے' ظلم کرے تو بھی نہ بولے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق جو ہدایت نبوی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق ہی نہیں ہے' انصاف سے مال والا جو دے' لے لے' ورنہ وعید کا مستحق ہو گا۔

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الزکاۃ: باب رضاء المصدق (ح ۱۵۸۹) واللفظ لہ۔ وھو عند مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب ارضاء السعاۃ (ح ۹۸۹) مختصراً بدون الشطر الاخیر۔

[2] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء (ح ۱۴۹۶) مسلم۔ کتاب الایمان: باب الدعاء الی الشھادتین وشرائع الاسلام (ح ۱۹)

خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابلِ غور ہے:

ایک طرف بیوی کو حکم ہے کہ شوہر کو خوش رکھے' بیوی کے لیے ذرا سی بدخلقی پر دوزخ کی وعید شدید ہے' مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں کامل فی الایمان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنی بیوی کے لیے بہترین ہو۔

ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کا معاملہ ہے' عورت کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے نکاح میں ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے نکاح باطل' اور ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے حق کی تم سے زیادہ حق دار ہے۔ گویا ولی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔

مگر اس باب کے پورے ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے' کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضاء کے بغیر نکاح نہ کرے' عورت کو ولی کی بات کا وسعت بھر پاس رکھنا چاہیے اور ولی کو عورت کی رضاء حاصل کرنا ضروری ہے' نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہو جائے' اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لیے باعثِ ننگ و عار بن جائے۔

یوں بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں' ہاں مستحب ہے کہ مشورہ دے۔ تاہم نابالغ کے بارے میں ولی کو یک طرفہ اختیار ہے۔ کیونکہ وہ بالکل بے سمجھ ہے اور ولی اور عورت کی رائے میں جب اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی' جس کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ:

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی جو توجیہ بیان کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' گو اندازِ بیان بدلا ہوا ہے' اس مسئلہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں' کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے اور ان کا غور و فکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں' پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے' ارباب حل و عقد مرد ہی ہیں' پھر معاملہ ایسا ہے' کہ عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو' دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کیلئے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے' تاکہ اس کی شہرت ہو سکے' اس لیے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیے۔ مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے

---

[1] فیض الباری جلد رابع باب من قال لانکاح الا بولی۔

عورت کی شادی کر دے‘ اس لیے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے مرد نہیں سمجھ سکتا ہے‘ نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے۔ اس لیے حکم اس سے لینا ضروری ہے۔“[1]

امام نوویؒ کی رائے:

امام نووی جو شافعی المسلک ہیں‘ وہ بھی فرماتے ہیں‘ کہ لڑکی کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح ہو گی‘ ان کے الفاظ یہ ہیں‘ تحریر فرماتے ہیں:

((وَحَقُّهَا اَوْكَدُمِنْ حَقِّهٖ فَاِنَّهٗ لَوْاَرَادَ تَزْوِيْجَهَا كُفُوًا فَامْتَنَعَتْ لَمْ تُجْبَرْ وَلَوْ اَرَادَتْ اَنْ تَتَزَوَّجَ كُفُوًا فَامْتَنَعَ الْوَلِيُّ اُجْبِرَ‘ فَاِنْ اَصَرَّ زَوَّجَهَا الْقَاضِىُ‘ فَدَلَّ عَلٰى تَاَكُّدِحَقِّهَا وَ رُجْحَانِهَا))[2]

”عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ مؤکد ہے کیونکہ اگر ولی کسی کفو سے اس کی شادی کرنا چاہے اور لڑکی آمادہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر خود عورت کسی کفو سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا ولی راضی نہ ہو‘ تو اس ولی کو مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر ولی (انکار پر) اصرار کرے گا تو قاضی اس عورت کی شادی کر دے گا‘ یہ دلیل ہے کہ عورت کا حق مؤکد اور راجح ہے۔“

بالغہ لڑکی کی رائے ہر حال میں قابلِ ترجیح ہے:

تمام بیانات کا خلاصہ یہ ہے‘ کہ عورت شادی کے معاملہ میں‘ مجبور محض نہیں‘ بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ عورت کی رائے‘ معلوم کر کے ولی اس کی شادی کا انتظام کرے‘ اگر عورت کسی لڑکے سے شادی کرنے سے انکار کر دے تو اس کی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے‘ قرآن پاک نے جس سکون و طمانیت کو مقصد اولیٰ قرار دیا ہے بغیر عورت کی رضاء کے غیر ممکن ہے۔ طلاق‘ خلع وغیرہ کے مسائل اسی لیے وضع کیے گئے ہیں۔

چنانچہ مبسوط میں ہے کہ نکاح کے موقع پر عورت سے اجازت لے لی جائے‘ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی اندرونی مرض ہو جس کی وجہ سے عورت سے صحبت نہیں ہو سکتی ہے‘ یا ممکن ہے عورت کا دل اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے سے معلق ہو‘ جس سے شادی ہو رہی ہے‘ تو اگر عورت سے حکم حاصل کیے بغیر اس کی شادی کر دی جائے گی تو اس حالت میں اس شوہر سے اس کا نباہ نہ ہو

---

[1] حجة الله البالغة باب صفة النكاح‘ جلد دوم۔ [2] شرح مسلم نووی ۱/ ۴۵۵

گا' اور عورت فتنہ میں پڑ جائے گی کیونکہ اس کا دل تو غیر سے معلق ہے' اور عشق (دل) کی بیماری سے بڑھ کر دوسری کون سی بیماری ہو سکتی ہے۔[1]

مردوں کو اختیارات:

عورت کے مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد مرد کی رضاء کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ بالغ' عاقل مرد جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رضاء اور اجازت مقدم ہے۔ مرد کو چونکہ کبھی بھی مجبور محض نہیں سمجھا گیا ہے اس لیے اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں' بلکہ یہاں تو یہ کہنا چاہئے کہ لڑکا جب اپنی شادی کرنے لگے تو اپنے بزرگ کی رائے پر ضرور غور کرے۔ اور یہ کہہ کر انہیں نظر انداز نہ کر دے کہ ''اس ذاتی معاملہ میں والدین اور گھر کے بڑے بوڑھے دخل دینے والے کون ہوتے ہیں! کیونکہ شادی میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی آراء اہمیت رکھتی ہیں اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ دور اندیشی جو بڑے بوڑھوں میں ہوتی ہے' ان نوجوانوں میں ہرگز نہیں ہوتی' جن کے ہوش پر جوش کا غلبہ ہوتا ہے۔

عورت کے انتخاب میں ہدایتِ نبوی

اب رہا عورت کے انتخاب کا مسئلہ' تو اس میں شریعت مطہرہ کا مشورہ یہ ہے کہ دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہئے' یعنی خواہ مالدار سے شادی کی جائے یا اونچے حسب ونسب والی سے اور خواہ حسین اور خوبصورت سے شادی کی جائے یا کسی معمولی عورت سے مگر پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ ضرور لے لیا جائے' ارشادِ نبوی ہے:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ))[2]

''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے (۱) اس کی مالداری کی وجہ سے (۲) حسب ونسب کی وجہ سے (۳) خوبصورتی کی وجہ سے (۴) اور اس کی دینداری کی وجہ سے پس دیندار کو لے کر کامیاب ہو۔''

---

[1] مبسوط للسرخسی ۴/ ۱۹۷

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۹۰)

مسلم۔ کتاب الرضا: باب استحباب نکاح ذات الدین (ح ۱۴۶۶)

محض دولت پرستی:

انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی مذکورہ چار چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے‘ کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا ہے‘ کہ عورت صاحب جائداد ہے‘ باثروت ہے‘ اور شاندار کوٹھی کی مالک‘ اگر اس سے شادی ہوگئی تو زندگی مزے سے گزرے گی‘ بہت سی فکروں سے نجات مل جائے گی اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا‘ دیندار ہو یا نہ ہو۔

مگر انسان عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے پہلو پر غور نہیں کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے مالدار بیوی کو شریک حیات بنائے تو زندگی کا لطف جاتا رہے‘ لذت و مسرت مفقود ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے زن و شوہر کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے‘ اس میں رخنہ پڑ جائے اسی طرح عورت کے نان ونفقہ کا توازن باقی نہ رہ سکے گا‘ اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوگی اس کے مقابلہ میں بال بچوں کے لباس سے طبیعت میں جو کیف وانبساط پیدا ہوتا ہے یہ کرکرا ہو جائے گا‘ کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے اپنی کمائی نہیں‘ بیوی کی نگاہ میں خاوند کی جو عزت و وقعت ہونی چاہیے باقی نہ رہے گی‘ کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت مینیجر اور منتظم سے زیادہ نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی اس وقت جب عورت بلند اخلاق ہو۔ اور اگر اللہ نہ کرے عورت بے ادب ہوئی تو ہر قدم پر ٹھوکر لگائے گی اور احسان جتائے گی۔

پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت و مکرمت نہیں کرسکتی جو کرنی چاہیے‘ بیوی کی کسی غلطی پر شوہر تنبیہ کرنا چاہے گا‘ تو ایسی بیوی مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جائے گی اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دے گی!! پھر خود سوچا جائے کہ ایسے حالات میں زندگی کی لذت و مسرت کیا باقی رہے گی؟ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریمؐ نے فرمایا:

((لَا تَزَوَّجُوْهُنَّ لِاَمْوَالِهِنَّ فَعَسٰى اَمْوَالُهُنَّ اَنْ تُطْغِيَهُنَّ))[1]

”عورتوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کردے۔“

---

[1] ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب تزویج ذات الدین (ح ۱۸۵۹) اس کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن انعم راوی ضعیف ہے۔ اگرچہ اس سند کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح اسناد کے ساتھ اس کے معنوی شواہد کتب حدیث میں موجود ہیں جن کی بنا پر یہ روایت صحیح ہے۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

نسل ونسب کے بت پر جان دینا:

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اس کے حسب ونسب کی وجہ سے کرتا ہے' ذاتی شرافت اور صلاحیت کو نہیں دیکھتا' حالانکہ سوچنا چاہئے کہ نسلی شرافت کافی نہیں ہوتی' جب تک ذاتی صلاحیت بھی نہ ہو' اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو تو یہ نسلی امتیاز عورت میں کبر وغرور پیدا کر دیتا ہے اور وہ عورت اس نتیجے میں اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی سعی کرتی ہے۔ بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قوامیت واختیارات کو مجروح کر ڈالتی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض نسلی امتیاز کوئی مفید چیز نہیں' جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلام میں اول دینداری اور پھر کوئی دوسری چیز ہے' دین کے مقابلہ میں حسب ونسب کوئی چیز نہیں' نبی کریمؐ نے فرمایا:

((وَ لَاَمَةٌ خَرْمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتُ دِيْنٍ اَفْضَلُ))[1]

''کالی کلوٹی' بیوقوف لونڈی جو دیندار ہو' افضل ہے۔''

دوسری احادیث مبارکہ سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے جیسے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے اولیاء متقی لوگ ہیں' جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کوئی بھی ہوں۔''[2]

حُسن پرستی:

بعض لوگ بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنا لیتے ہیں' کہ تراش خراش اور نوک و پلک دلکش ہو' رنگ وروپ میں جاذبیت ہو' عشوہ وادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء متناسب ہوں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو' شوخ اور بے باک ہو اور زمانہ کے اثر سے پوری طرح متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے حامل لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں' اگر اس میں صلاحیت اور سلیقہ نہیں تو محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں کیونکہ اگر خوبصورتی کے ساتھ قبول سیرت نہ ہو تو پھر یہ حسن و جمال سراپا فتنہ بن جائے گا اور یہ حسن بیوی میں تبختر اور ناز ضرورت سے زیادہ پیدا کر دے گا اور وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہو گی' دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی سعی کریں

[1] ابن ماجہ۔ حوالہ سابق

[2] مسند احمد (۵/ ۲۳۵) صحیح ابن حبان (۶۴۷)

گے۔

معیارِ انتخاب دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو:

اس لیے کہ رسول الثقلین ﷺ نے ارشاد فرمایا: شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں ''دینداری'' کو معیار بناؤ۔ مال و دولت حسن و جمال اور حسب نسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو اس باب میں معیار قرار دیا جائے۔ بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور لیاقت پر نگاہ رکھے۔ چنانچہ ''محض حسن و جمال اور دولت وثروت'' کی بنیاد پر شادی نہیں کرنی چاہیے کہ ان سے فتنے کے اندیشے ہیں' بلکہ دینداری کو ترجیح دینی چاہیے حتی کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہر حال بہتر ہے' ارشادِ نبوی ہے:

((وَلٰکِنْ تَزَوَّجُوْهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ))[1]

''لیکن عورتوں سے شادی ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو۔''

بات بھی معقول ہے کہ باصلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے' شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے' ایسی عورت میں بے جا کبر وغرور نہیں پیدا ہوتا' بچوں کی تربیت وتعلیم کا پورا دھیان دیتی ہے پڑوسیوں' قرابتداروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے' محلہ پڑوس کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں' اور اس طرح شوہر کا گھر باوقار بن جاتا ہے' اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں' اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہو گئی۔ ① شکر گزار دل' ② اللہ کا ذکر کرنے والی زبان' ③ مصائب پر صبر کرنے والا بدن ④ اور ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو۔''[2]

ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لیے معین اور مددگار ثابت ہو۔''[3]

---

[1] ابن ماجہ۔ حوالہ سابق' اس جملہ کا معنی صحیح حدیث میں موجود ہے اور اس کیلئے ملاحظہ ہو بخاری ۵۰۹۰ مسلم ۱۴۶۶

[2] بیهقی فی شعب الایمان (۴۴۲۹) طبرانی اوسط ۷۲۰۸ مجمع البحرین (ح۲۲۴۹) طبرانی کبیر ۱۱/ ۱۳۴ مجمع الزوائد ۴/ ۲۷۳ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اوسط کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

بیهقی۔ کتاب الاداب (ح ۱۰۳۶) حلیة الاولیاء ۳/ ۶۵۔

[3] ترمذی۔ کتاب تفسیر القرآن: باب من سورة التوبة (ح ۳۰۹۴)۔

اخلاق و اعمال سے صرف نظر اور اس کا نتیجہ:

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر شادی کے متعلق سب لوگوں کا نقطہ نگاہ اخلاق و اعمال کی بجائے صرف جاہ و مرتبہ اور حسن و جمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہو گا؟ یقیناً شر اور فتنوں کے چشمے ابل پڑیں گے۔

امن و امان خطرہ میں گھر جائے گا اور عزت و آبرو ناپید ہو جائے گی' بہت سی ایسی لڑکیاں گھروں میں بیٹھی نظر آئیں گی جن کو شوہر میسر نہ ہو گا' اور جب بے شوہر کی عورتیں بیکار ہوں گی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطنت کا پورا موقع ملے گا' اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَ خُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّاتَفْعَلُوْا تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِیْضٌ))[1]

''تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص پیام نکاح لے کر پہنچے جس کا دین و اخلاق تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر دو' ورنہ زمین میں فتنہ و فساد پھیل پڑے گا۔''

ماحصل یہ ہے کہ' جس عورت سے شادی ہو رہی ہے' وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو' دنیوی لحاظ سے بھی اور دینی پہلو سے بھی' تاکہ باہم موافقت اور انس و محبت قائم رہے۔

بیوی کا انتخاب اور خلاصہ احادیث:

مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں عورتوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے' ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

① عورت دیندار اور نیک طینت ہو۔ ارشادِ نبوی ہے: ((فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ))[2]

② خوشی و غم میں شریک ہونے والی اور فرمانبردار ہو۔ ((تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ' وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ))[3]

③ پاک دامن' امانت دار' گھر کی منتظم' مہذب اور شاکر و صابر ہو۔ ((وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ

← ابن ماجہ۔ کتاب النکاح باب تزویج ذات الدین (ح ۱۸۵۶)۔

[1] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ما جاء فیمن ترضون دینه فزوجوه (ح ۱۰۸۴)۔

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۹۰)۔

مسلم۔ کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح ذات الدین (ح ۱۴۶۶)۔

[3] نسائی۔ کتاب النکاح: باب ای النساء خیر (ح ۳۲۳۳)۔

نَفْسِهَا وَ مَالِهِ))[۱]

④ بال بچوں کی خدمت گزار' ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے والی اور تندرست ہو۔

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ' صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِي صِغَرِهٖ وَ اَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ))[۲]

⑤ شوہر سے انس و محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی۔ ((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ))[۳]

⑥ صالحہ اور باعزت خاندان کی رکن اور خود بھی تعلیم یافتہ ہو۔((فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ))[۴]

⑦ نیک صفات کی مالک اور عیوب سے پاک و صاف ہو۔

⑧ دنیا میں رہ کر آخرت سے بے فکر نہ رہتی ہو۔

بعض علماء کی اضافی آراء:

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں بعض علماء کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ اصول پیش نظر ہوں تو مناسب ہے:

((يُنْدَبُ اَنْ تَكُوْنَ اَقَلَّ مِنْهُ حَسَبًا وَّ نَسَبًا وَ عِزًّا وَّ مَالًا وَّ سِنًّا وَّ اَعْلٰى مِنْهُ خُلُقًا وَّ اَدَبًا وَّ وَرَعًا وَّ جَمَالًا))[۵]

''بہتر یہ ہے کہ عورت حسب و نسب' عزت و مال اور عمر میں مرد سے کم ہو۔ اور اخلاق و ادب اور حسن تقویٰ میں عورت مرد سے زیادہ ہو۔''

ساتھ ہی ان امور کا بھی شادی کرتے وقت خیال رکھنا چاہئے کہ:

((وَلَا يَتَزَوَّجَ طَوِيْلَةً مَهْزُوْلَةً وَلَا قَصِيْرَةً دَمِيْمَةً وَ لَا سَيِّئَةَ الْخُلُقِ وَ لَا ذَاتَ الْوَلَدِ وَلَا الْمُسِنَّةَ وَلَا زَانِيَةً))[۶]

''وہ عورت جس سے شادی کر رہا ہے وہ لمبی' دبلی' کوتاہ قد' بدصورت' بداخلاق' صاحب

---

[۱] نسائی۔ حوالہ سابق۔

[۲] بخاری۔ کتاب النکاح: باب الی من ینکح (ح ۵۰۸۲)۔

مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل نساء قریش (ح ۲۵۲۷)۔

[۳] ابو داؤد (۲۰۵۰)۔ نسائی (۳۲۲۹)۔

[۴] ابن ماجه (۱۸۶۳) واسناده ضعیف۔

[۵] در مختار۔ ج ۲' ص ۲۸۴۔ [۶] شامی۔ ۲/ ۲۸۴

اولاد سن رسیدہ اور بدکار نہ ہو۔"

شوہر کا انتخاب

عورت اپنے شوہر کا انتخاب کرنے میں بھی کم وبیش انہی امور کو ملحوظ رکھے تاکہ اس کی زندگی خوشگوار اور مطمئن گزرے' علماء اسلام فرماتے ہیں:

((وَالْمَرْأَةُ تَخْتَارُالزَّوْجَ الدَّيِّنَ الْحَسَنَ وَالْخَلِيْقَ الْمُوْسِرَ وَلَا تَتَزَوَّجُ فَاسِقًا))[1]

"عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار با اخلاق اور وسیع الظرف ہو عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بیگانہ ہو۔"

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے لیکن رواج ایسا ہو گیا ہے کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لیے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے۔ عمر' صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے' علماء اسلام لکھتے ہیں:

((وَلَا يُزَوِّجُ ابْنَتَهُ الشَّابَّةَ شَيْخًا كَبِيْرًا وَ لَا رَجُلًا دَمِيْمًا))[2]

"باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڈھے اور بدصورت مرد سے نہ بیاہے۔"

ہم عمری کا لحاظ:

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے سرور کائنات ﷺ نے اپنی جگر گوشہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں "ہم عمری" کا لحاظ رکھا تھا' نسائی نے ایک باب ہی باندھا ہے۔ **تَزَوَّجُ المرأةِ مثلَها فی السِّن** یعنی عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا۔ اور اس باب کے تحت میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

((خَطَبَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ فَخَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ))[3]

---

[1] ردالمختار ۲/ ۲۸۴

[2] ردالمختار ج ۲/ ۲۸۴

[3] نسائی۔ کتاب النکاح: باب تزویج المرأۃ مثلھا فی السن (ح ۳۲۲۳)

''سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے پیغام بھیجا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ فاطمہؓ کم سن ہیں'' پھر سیدنا علیؓ سے سیدہ فاطمہؓ سے نکاح کے لیے پیام دیا' تو آپ نے ان سے سیدہ فاطمہ کی شادی کر دی۔''

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گو یہ بات مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رحمۃ اللہ علیہا سے ان کی کم سنی میں شادی کی' مگر یہاں جو دیگر مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا' جیسے کہ دنیا کو اس کا علم ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رحمۃ اللہ علیہا کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

سیرت کے ساتھ صورت کا لحاظ:

اوپر عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے کہ مرد خوبصورت عورت سے شادی نہ کرے یا بدصورت ہی سے کرے' یہ منشاء نہیں ہے' مقصد صرف اتنا تھا کہ صورت کے ساتھ ساتھ سیرت پر نظر کی جائے اور سیرت کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر نہیں مرمٹنا چاہئے' ورنہ خوبصورتی کوئی بری چیز نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں آ کر کہا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دیکھ لیا کرو' اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے[1]

مطلب یہ ہے کہ دیکھ بھال کر شادی کیا کرو' بعد میں ایسی نوبت نہ آئے کہ تم کو اس سے شکایت پیدا ہو جائے اور اس بہانہ سے آپس کی زندگی میں کشیدگی اور شکر رنجی آ جائے۔

کنواری عورت:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابھی حال میں میری شادی ہوئی ہے' آپ نے دریافت فرمایا۔ باکرہ (کنواری) ہے یا ثیبہ (بیاہی' بیوہ)؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ثیبہ ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ))[2]

---

[1] مسلم۔ کتاب النکاح: باب ندب من اراد نکاح امرأۃ (ح ۱۴۲۴)۔

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب تزویج الثیبات (ح۵۰۷۹)

''کنواری سے شادی کیوں نہیں کی کہ تم اس سے دل بستگی کرتے اور وہ تم سے دل بستگی کرتی۔''

مسلم کی روایت میں اس کے ساتھ اتنے الفاظ زیادہ ہیں:

((تُضَاحِكُكَ وَ تُضَاحِكُهَا))[1]

''وہ تم سے ہنستی بولتی اور تم اس سے ہنستے بولتے۔''

باکرہ اس لیے فرمایا کہ اس سے موافقت اور اتحادِ عمل کی زیادہ امید ہوتی ہے' کم سے کم پر راضی و شاکر رہتی ہے' محبت زیادہ کرتی ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَ اَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ))[2]

''تم کنواری عورتوں سے شادی کرو کہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں' بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش وخرم رہتی ہیں۔''

اس حدیث میں باکرہ کی تخصیص صراحت کے ساتھ ہے۔ اس میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی دیکھی جائے تو کوئی بری بات نہیں ہے' بلکہ کسی درجہ میں شاید مطلوب ہے۔

نوجوان عورت کی خصوصیات:

سیدنا علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا' راستہ میں ان کی ملاقات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوگئی' وہ کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کرنے لگے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((اَلَا نُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَّةً لَّعَلَّهَا تُذَكِّرُكَ بَعْضَ مَا مَضٰى مِنْ زَمَانِكَ))[3]

---

[1] مسلم۔ کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح البکر (ح۵۶/ ۷۱۵)۔

[2] ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب تزویج الابکار (ح۱۸۶۱)۔

[3] مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح (ح۱۴۰۰) واللفظ له ورواه البخاری فی کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءة (ح۵۰۶۵) نحوه۔

''کیا ہم آپ کی شادی کسی نوجوان لڑکی سے نہ کر دیں کہ وہ آپ کے گزرے ہوئے دنوں کو یاد دلا دے۔''

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((فِيهِ اسْتِحْبَابُ نِكَاحِ الشَّابَّةِ لِأَنَّهَا الْمُحَصِّلَةُ لِمَقَاصِدِ النِّكَاحِ فَإِنَّهَا أَلَذُّ اسْتِمْتَاعًا وَ أَطْيَبُ نَكْهَةً وَأَرْغَبُ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ الَّذِي هُوَ مَقْصُودُ النِّكَاحِ وَ أَحْسَنُ عِشْرَةً وَأَفْكَهُ مُحَادَثَةً وَأَجْمَلُ مَنْظَرًا وَأَلْيَنُ مَلْمَسًا وَأَقْرَبُ أَنْ يُعَوِّدَهَا زَوْجُهَا الْأَخْلَاقَ الَّتِي يَرْتَضِيهَا))[1]

''اس حدیث میں ہے کہ نوجوان سے شادی مستحب ہے کہ مقاصد نکاح کے حصول کے لیے موزوں ہے۔ لطف اندوزی میں مزیدار ہے' خوشبو میں عمدہ ہے اور لطف اندوزی میں طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے' رہن سہن میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے' گفتگو میں خوش طبع ہوتی ہے' دیکھنے میں خوبصورت اور چھونے میں نرم و نازک ہوتی ہے اور اس کی قوی امید ہے کہ شوہر اپنے رنگ کا اسے عادی بنا دے۔''

دین اور حسن کا اجتماع:

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو ترغیب دیتے کہ دیندار اور خوبصورت عورت سے شادی کیا کریں' الفاظ یہ ہیں:

((وَكَانَ ﷺ يُحَرِّضُ أُمَّتَهُ عَلَى نِكَاحِ الْأَبْكَارِ الْحِسَانِ ذَوَاتِ الدِّيْنِ))[2]

''نبی کریم ﷺ اپنی امت کو باکرہ' خوبصورت اور دیندار عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دیتے۔''

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے' اس سے اتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں' بلکہ اچھی بات ہے' مگر حسن و جمال کو مقصد اصلی قرار دینا نہ چاہیے اور صرف خوبصورتی ہی پر نظر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ

[1] نووی شرح مسلم ج۱' ص۴۴۹۔

[2] زاد المعاد' ج۱' ص۱۳۶۔

اخلاق واعمال اور سیرت و کردار پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

خوبصورتی کا معیار:

پھر واضح رہنا چاہیے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چمڑے اور رنگ وروپ کی خوبصورتی نہیں ہے' بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو' اخلاق واعمال بھی پاکیزہ ہوں اور دین میں پختگی بھی۔ پھر خوبصورتی کا معیار رنگ وروپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے کہ کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو اکثر لوگوں کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے' تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہ ہوگا۔

سچی بات پوچھیے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور محبت موافقت و پسندیدہ سیرت سے پیدا ہوتی۔ واقعات شاہد ہیں کہ محبت وعشق نے رنگ وروپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ پھر اس وقت اور بھی جب اعمال واخلاق اچھے نہ ہوں۔ اس لیے صرف رنگ وروپ پر جان دینا عقلمندی نہیں ہے' ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال و اخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہیے۔

ماحصل یہ ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے' بلکہ کہنا چاہیے رغبت دلائی ہے' کہ نوجوان چاہے تو شیریں دہن اور پیکر حسن سے شادی کرے مگر گوہر عفت اور درعصمت کی بے وقعتی کا دھیان ہرگز دل میں نہ آنے دے۔

بیوہ عورت سے شادی

یہ مطلب نکالنے کی سعی نہ کی جائے' کہ کنواری ہی سے شادی ضروری ہے' یا بیوہ سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے' بلاشبہ احادیث میں کنواری عورتوں سے شادی کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہے' جیسا کہ بعض حدیثوں میں سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے' کہ کنواری سے میل ملاپ اور ہم ذوقی جلد پیدا ہو جاتی ہے' پہلے پہل شوہر کے یہاں آتی ہے اس لیے شوہر جس چیز کا عادی بناتا ہے آسانی سے ہو جاتی ہے' کم سے کم چیزوں پر خوش رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر مرد ان سے دلی طور پر اتنا گھل مل جاتا ہے' کہ اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے' اور اسی طرح مرد نظر اور خیالات کی بدکاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مرد خود دوسری شادی کر رہا ہو' یا زیادہ عمر کا ہو تو کم سن لڑکی سے اس کی شادی بے

جوڑ ہوگی' اور فقہاء کرام کی رائے آپ پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے نوجوان لڑکی کی شادی بوڑھے مرد کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے' اس لیے ایسے معمر و مسن مرد کو بیوہ ہی سے شادی کرنی چاہئے کہ میاں بیوی میں نباہ ہو سکے۔

بیوہ سے شادی عہد نبوی اور عہد صحابہ میں:

پھر اس کے علاوہ خود ذات بابرکت رحمتِ عالم ﷺ کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ ہے کہ آپ نے ایک کے سوا بقیہ تمام بیوہ عورتوں ہی سے شادی کی' اپنی بعض صاحبزادیوں کی جو بیوہ ہو گئی تھیں شادی کرائی۔ جلیل القدر خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخیں پڑھ جائیے تو معلوم ہو گا کہ ان حضرات نے بیوہ عورتوں سے کس کثرت سے شادیاں کیں۔ صحابیات کی زندگی پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ انہوں نے شوہروں کی وفات کے بعد دوسری تیسری شادیاں کیں۔

ان واقعات کو عرض کر کے بتانا یہ ہے' کہ اگر بیوہ سے شادی کرنا کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی تو خود عہد نبوی و عہد صحابہ میں ان بیواؤں سے کیسے شادی کی جاتی۔ پس معلوم ہوا کہ بیواؤں سے شادی کوئی جرعہ تلخ نہیں' بلکہ ایک کار ثواب ہے' اور شرعی نقطہ نظر سے ایک پسندیدہ عمل ہے۔

دلہن بننے والی دوشیزہ کو نکاح سے قبل دیکھنا

اسلام نے عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى مَايَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ))[1]

''تم میں سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو جو اس عورت کے نکاح کی طرف داعی ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔''

معلوم ہوا نکاح سے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ سے عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے' تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک وشبہات ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اور آئندہ کے لیے یہ بھی فائدہ ہوگا' کہ عورت کے متعلق کوئی بات ایسی کہنے کا موقع نہ رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو' اور اس طرح مقاصدِ نکاح بحسن وخوبی بروئے کار آ سکیں گے۔ گویا ضروری نہیں ہے کہ خود ہی دیکھے' کوئی دوسرا دیکھ لے۔ اور اس کے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے' دین' جمال' خاندان' خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں' تاکہ اطمینان حاصل کیا جا سکے۔

دیکھنے کے لیے مشورۂ نبوی:

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' کہ میں نے رحمتِ عالم ﷺ سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے دیکھ لیا ہے؟ سیدنا مغیرہ کہتے ہیں' میں نے کہا ''نہیں یا رسول

[1] ابو داؤد۔ کتاب النکاح: باب فی الرجل ینظر الی المرآۃ (ح۲۰۸۲)

اللہ ﷺ'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا))[1]

''اس عورت کو دیکھ لو' اس لیے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے لیے زیادہ مناسب ہے۔''

یہ فرمان نبوی کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اس کو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو شادی سے پہلے دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے' جس کا دیکھنا حرام ہے' اور یہی مذہب امام احمدؒ اور اسحاق کا ہے۔ پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

((وَمَعْنٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا قَالَ اَحْرٰی اَنْ تَدُوْمَ الْمَوَدَّةُ بَیْنَکُمَا))[2]

''ان یودم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہ سکے۔''

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے جس نے کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا' پوچھا: اَنَظَرْتَ اِلَیْهَا؟ (کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے) اس نے نفی میں جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے' اور شادی کرنا چاہتا ہے' تو آپؐ نے فرمایا:

((اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا))[3]

''جاؤ اس عورت کو دیکھ لو' کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہے۔''

امام نوویؒ کی تشریح:

امام نوویؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے مستحب ہے' یہی ہمارا (شافعی کا) مذہب ہے' امام ابوحنیفہ کا مذہب' امام مالک

[1] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة (ح۱۰۸۷)۔
نسائی۔ کتاب النکاح: باب اباحة النظر قبل التزویج (ح ۳۲۳۶)۔
ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب النظر الی المرآة اذا اراد ان یتزوجها (ح۱۸۶۶)۔

[2] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة۔

[3] مسلم۔ کتاب النکاح: باب ندب من اراد امراة الی ان ینظر قبل خطبتها (ح۱۴۲۴)۔

کا مذہب ہے اور تمام کوفیین کا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور علماء کا بھی۔ قاضی نے ایک قوم کی کراہت کا جو قول نقل کیا ہے وہ غلط ہے اور اس صریح حدیث کے خلاف اور اجماع امت کے مخالف ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''پھر ہمارا' امام مالک کا' امام احمد کا اور جمہور کا مذہب یہ ہے' کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضاء شرط نہیں ہے' بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پا کر بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے' عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے' عورت سے بغیر اجازت حاصل کیے اسے دیکھا جا سکتا ہے' اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ میں عورت' کو اجازت دینے میں حیاء بھی دامنگیر ہوا کرتی۔ پھر معاملہ مبہم ہے یقینی نہیں' کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شادی نہیں کرتا ہے۔ تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے اور شادی نہ کی جائے تو عورت کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی' اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی' اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لیے موجب اذیت نہ ہوگا' کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے' تاکہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی کو تکلیف دیے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے' بخلاف اس صورت کے کہ پیام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دی جائے' ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو اسے دیکھنے کے لیے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہوتا' کہ وہ آکر صحیح صحیح خبر دے۔ اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہیے۔''[1]

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا اَلْقَى اللّٰهُ فِيْ قَلْبِ امْرِءٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَاْسَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا)) [2]

''اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

---

[1] شرح مسلم نووی ۱/ ۴۵۶، ۴۵۷۔

[2] ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب النظر الی المرأۃ الخ (ح ۱۸۶۴)۔

دیکھنے میں اخلاص واعتدال:

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے' کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں' بلکہ اچھا ہے' خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ ہو۔ اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے۔ پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر اٹھانے نہیں پاتے' البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو' دیکھنے سے' منشاء فتنہ پیدا کرنا نہ ہو علماء کرام انہی مقاصد کی بنا دیکھنے کو جائز کہتے ہیں۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((قَالُوْا يَجُوْزُ النَّظَرُ اِلَى الْمَخْطُوْبَةِ كَيْلا يَنْجَرَّ الْاَمْرُ اِلَى الْفَسَادِ وَ قَالُوْا يُخْلِصُ النِّيَّةَ عِنْدَ ابْتِدَاءِ النَّظَرِ ثُمَّ يُفَوِّضُ الْاَمْرَ اِلَى اللّٰهِ))[1]

''فقہاء نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے' تاکہ معاملہ فساد برپا نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو' پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔''

شادی کے لیے دیکھنا مستحب ہے:

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے' اس باب میں عموماً علماء کرام استحباب کے قائل ہیں' جسے وہ ندب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں' صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے سنت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے' چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

((سُنَّ لِخَاطِبٍ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى وَجْهِ الْمَخْطُوْبَةِ وَكَفَّيْهَا قَبْلَ النِّكَاحِ اِجْمَاعًا))[2]

''شادی کرنے والے کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ (عورت) کو دیکھ لے' مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔''

فقہ کی کتابوں میں عام طور سے ندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

((يُنْدَبُ اِعْلَانُهٗ...... وَالنَّظَرُ قَبْلَهٗ))[3]

---

[1] العرف شذی باب النظر الی المخطوبة ج ا ص ۴۵۶' ۴۵۷

[2] تفسیر مظہری سورۃ النساء ہ   [3] در مختار ۲ / ۱

''نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے۔''

((وَيُنْدَبُ نَظْرُ الزَّوْجِ إِلَى زَوْجَةٍ قَبْلَ الْعَقْدِ وَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ))[1]

''عقد سے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے گو شہوت کا خوف ہو۔''

اس مسئلہ میں جو احادیث مبارکہ نقل کی جا چکی ہیں' وہی بنیاد ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل تھا' وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیام دیا اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی سعی کی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔[2]

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری' میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی' بالآخر ایک دن میں نے اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا'' ان کی اس حرکت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ آپ کی لڑکی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔[4]

دیکھنے کا شرعی طریقہ:

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام میں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہو جائیں جو غیر قوموں میں ہیں کہ شادی سے پہلے' ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بے باکی کے ساتھ باہم مل جل کر زندگی گزارتے ہیں' اور عشق و محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔[5] شرعی طریقے اسلام

[1] الکواکب المشرقۃ ص ۳

[2] ابو داؤد۔ کتاب النکاح: باب فی الرجل ینظر الی المرآۃ۔ (ح ۲۰۸۲)۔

[3] ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب النظر الی المرآۃ اذا اراد ان یتزوجھا (ح ۱۸۶۴)۔

[4] نداء للجنس اللطیف ص ۱۱۱

[5] جب امریکہ و یورپ کا آزاد معاشرہ آزادانہ محبت' آزمائشی پیریڈ اور قبل از نکاح جنسی تعلقات کے عذاب ←

میں پھنس کر ایڈز کے اژدھے کی گرفت میں آ کر عذاب الٰہی کا شکار ہوا اور تڑپ تڑپ کر ہلاک ہونے لگا' تو لوگوں کو اللہ کا ڈر پھر بھی دامن گیر نہ ہوا' بلکہ صرف اپنی جانیں بچانے اور ان جنسی بیماریوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے عفت وعصمت کی اہمیت کو تسلیم کیا اور پاکبازی یعنی پاک باز باعصمت مرد وزن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ ہمیں ڈھونڈنے سے ہی کوئی پاکباز ساتھی مل جائے تاکہ ہم ایڈز جیسی بیماریوں کا شکار نہ ہوں اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے نہ مریں۔

موجودہ زمانے میں صنفی اباحیت کا طریقہ بہت بڑے پیمانے پر اختیار کیا گیا۔ مغربی دنیا میں نکاح سے پہلے جنسی تعلق قائم کرنا عام ہو گیا' حتیٰ کہ اسے ایک فلسفہ بنا دیا گیا' کہ مستقل شریک حیات کے انتخاب کے لیے یہ ضروری' زیادہ محفوظ اور بہتر طریقہ ہے' کہ پیشگی طور پر اس کا تجربہ کر لیا جائے۔ مرد اور عورت نکاح سے پہلے اس طرح کھلے طور پر ایک دوسرے سے ملنے لگے جس طرح ایک مرد اور عورت نکاح کے بعد آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

مگر یہ طریقہ فطرت سے ٹکرا گیا۔ تخلیقی نظام کی خلاف ورزی نے ایسے ایسے مسائل پیدا کر دیئے جن کا حل موجودہ ڈھانچہ میں ناممکن نظر آنے لگا ان نتائج نے لوگوں کے اندر نظر ثانی کا ذہن پیدا کیا۔ حتیٰ کہ اب خود وہی لوگ اس طریقہ کے مخالف ہو رہے ہیں' جو اس سے پہلے نہایت پر جوش طور پر اس کی حمایت کر رہے تھے۔

اس سلسلہ میں امریکہ کی ایک بڑی سبق آموز رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اے ایف پی (AFP) کے حوالہ سے ٹائمز آف انڈیا (۱۸ مارچ ۱۹۸۷ء) نے اس رپورٹ کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

ایک جائزہ لیا گیا جس کے لیے ۱۴۰۰ سے زیادہ کالج کے طلباء سے دریافت کیا گیا' جن کی عمریں ۱۸۔۱۹ سال کی تھیں۔ تو پتہ چلا ہے کہ امریکہ کی نوجوان عورتیں ازدواجی تعلقات کے لیے پاکباز مردوں کی طرف زیادہ راغب ہیں۔ جبکہ دس سال پہلے ایسا نہ تھا۔ نیویارک کے ماہر نفسیات مسٹر سرولی بلاٹنک جن کی کمپنی نے یہ جائزہ لیا ہے' انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ پاکباز مرد بہت اچھا محبت کرنے والا نہ ہو مگر عام طور پر وہ سیکھنے کا شوق رکھتا ہے اور وہ محفوظ ہے۔ وہ ایڈز اور دوسری متعدی جنسی بیماریوں کا خطرہ اپنے ساتھ لیے ہوئے نہیں ہوتا۔ مسٹر بلاٹنک نے کہا کہ یہ دراصل جنس سے تعلق رکھنے والی بیماریوں کا خطرہ ہے۔ جس نے ''پاکباز'' مرد کو عورتوں کی نظر میں اتنا زیادہ جاذب بنا دیا ہے۔ ان کے اس جائزہ نے بتایا ہے کہ کالج کی عورتوں میں اب ۲۰ فیصد ایسی ہیں جو پاکباز مرد چاہتی ہیں۔ جب کہ دس سال پہلے اس قسم کی عورتوں کی تعداد صرف ۹ فیصد تھی۔

ہندوستان ٹائمز (۱۹ مارچ ۱۹۸۷ء) نے امریکی نیوز ایجنسی کی اس خبر کو شائع کرتے ہوئے اس پر یہ سرخی قائم کی ہے: ''پاکباز مرد کی مقبولیت'' قبل ازیں شادی کے لیے پاکبازی کی شرط طرفین کیلئے صنفی آزادی میں رکاوٹ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ آزادی نسواں کی تحریک کی ابتدائی مدت میں اس کا مذاق اڑایا گیا۔ اور اس

محض ایک مذہبی افسانہ قرار دیا گیا۔ مگر تجربہ نے بتایا کہ یہ مذہبی افسانہ نہیں بلکہ ایک حیاتیاتی حقیقت ہے۔

امریکہ و یورپ میں شادی سے قبل آزمائشی پیریڈ کے لیے لڑکی لڑکے کا باہم مل کر جنسی زندگی گزارنا ''محبت کرنا' ڈیٹ دینا'' وغیرہ کہلاتا ہے۔ وہ یہ بودی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم نکاح سے قبل ایک عرصہ اکٹھا رہ کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا ہم مستقبل میں مستقل طور پر اکٹھے رہ سکتے ہیں کہ نہیں۔ یوں اس بہانے سے لڑکی لڑکے میں سے ایک یا دونوں کا ایک دوسرے سے دل بھر جاتا ہے' تو اپنی اپنی راہ لیتے ہیں اور نئے شکار کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نیا شکار ڈھونڈ کر اس کو ڈیٹ دیتے ہیں اور یوں یہ پروگرام مستقل طور پر چلتا رہتا ہے۔ اس طرح اپنا منہ کالا کرنے کے لیے جوان کس طرح بے قرار رہتے ہیں ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

''ایک سیاح امریکہ گیا۔ ایک بار وہ وہاں کے ایک کلب میں تھا جہاں لڑکے اور لڑکیاں مل کر رقص کر رہے تھے۔ سیاح کنارے کی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک امریکی لڑکی آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اداس لہجے میں کہا کہ: مسٹر سیاح! کیا میرے اندر گلیمر نہیں؟'' سیاح نے جواب دیا: کیوں نہیں تمہارے اندر تو گلیمر ہے'' لڑکی نے کہا: ''پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی لڑکا مجھے ڈیٹ نہیں دیتا۔''

ڈیٹ کے معنی انگریزی زبان میں تاریخ کے ہوتے ہیں۔ مغربی ملکوں میں یہ لفظ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک رواج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک صنف' کا دوسری صنف کو کسی مقررہ تاریخ کو مدعو کرنا۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ڈیٹ دے کر ایک دوسرے کو اپنے پاس بلاتے ہیں۔ مغربی زندگی میں یہ رواج اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ جس لڑکی کو کوئی لڑکا ''ڈیٹ'' نہ دے وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنے لگتی ہے' اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ شادی کے بازار میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

ڈیٹنگ کا یہ طریقہ ابتداً صرف گفتگو اور ملاقات تک محدود تھا۔ اب بڑھتے بڑھتے وہ باقاعدہ جنسی تعلقات تک پہنچ گیا ہے۔ مغربی لڑکوں کے لیے یہ ایک مہذب طریقہ بن گیا ہے کہ وہ ڈیٹ دے کر ایک لڑکی کو ایک تنہا کمرے میں بلائیں اور پھر وہاں اس کے ساتھ جبری طور پر بدکاری کریں۔

اس سلسلہ میں امریکی میگزین ٹائم (۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء) نے ایک سبق آموز رپورٹ شائع کی ہے' اس کا عنوان بامعنی طور پر یہ ہے: ''جب ڈیٹ زناکاری میں تبدیل ہو جائے''

سوسن (Susan) ۲۲ سال کی ایک غیر شادی شدہ خاتون ہے۔ اس کی ملاقات ایک مرد سے ہوئی۔ جب وہ رخصت ہونے لگے' تو مرد نے اس کو ڈیٹ دی اس کے مطابق دونوں ایک کمرے میں جمع ہوئے۔ ۴۵ منٹ تک وہ ٹیلی ویژن دیکھتے رہے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد مرد اس کے پاس آ گیا اور آگے کے افعال کرنا شروع کر دیئے۔ عورت ٹھہرو ٹھہرو کہتی رہی۔ مگر مرد نہیں مانا۔ اس نے کہا کہ تم محض

تکلف میں ایسا کہہ رہی ہو ورنہ حقیقتاً تم مجھ کو روکنا نہیں چاہتی ہو۔اس کے بعد اس کمرہ میں وہ سب کچھ ہوا جس کو قانونی اصطلاح میں ''زنا بالجبر'' کہتے ہیں۔

اس قسم کی ڈیٹ ریپ موجودہ ترقی یافتہ ممالک میں عام ہو چکی ہے۔ڈیٹ کے ذریعہ بدکاری کرنا بعض محققین کے نزدیک' آج کا بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے۔کالج کے طلبہ کا جائزہ یہی بتاتا ہے' جو کہ ۶۲۰۰ عورتوں اور مردوں کے درمیان ۳۲ کیمپس میں تین سال تک کیا گیا۔ ماہر نفسیات میری کاس نے بتایا ہے کہ جن عورتوں کو اس قسم کے تجربات ہوئے جو کہ قانون کے مطابق ''زنا بالجبر'' کی تعریف میں آتے ہیں۔ان میں آدھی سے زیادہ تعداد ڈیٹ کے ذریعہ بدکاری کرنے کی تھی۔ایک لیکچرار اینڈری پیرٹ نے اندازہ لگایا ہے کہ دو کیمپس جن کا اس نے جائزہ لیا' ان کی ۲۰ فیصد خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تھا۔۱۹۸۵ء میں زنا بالجبر کے واقعات کی تعداد ۸۷۳۴۰ تھی' میری کاس نے کہا ڈیٹ کے موقع پر بدکاری کا خطرہ اس سے زیادہ ہے کہ اچانک کسی جھاڑی سے نکل کر کوئی اجنبی شخص ایسا کرنے لگے۔آزادی نسواں کے بعض علمبرداروں کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ایک بدکاری کلچر پیدا ہو چکا ہے جس میں مردوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ جارحانہ رویہ اختیار کریں اور عورتیں ان کے آگے سپر ڈال دیں۔

آہ! اس دنیا کا کیا ہوگا اگر ہمارا حال یہ ہو جائے کہ ہم کو محبت کے لیے مرجانا پڑے؟ کیونکہ ایڈز اس صدی کی آفت ہے۔

آزادانہ جنسی تعلق جس کو مغرب میں خوبصورت طور پر آزادانہ محبت کہا جاتا ہے۔وہ اب لوگوں کے لیے عذاب بنتا جا رہا ہے۔اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۹۱ء تک امریکہ میں ۲۷۰۰۰۰ افراد اس مرض ایڈز میں مبتلا ہو چکے ہوں گے۔جن کا علاج کرنا امریکی ڈاکٹرز کے بس سے باہر ہو جائے گا۔چنانچہ حکومت کی طرف سے جو مخالف ایڈز مہم چلائی جا رہی ہے' اس کا ایک ہی خاص نعرہ ہے۔''احتیاط کے ساتھ محبت کیجیے!''

''احتیاط کے ساتھ محبت کیجیے!'' کی نصیحت کو اگر ہم لفظ بدل کر کہیں تو وہ یہ ہوگی کہ نکاح کے ساتھ محبت کیجیے! بے نکاح محبت کا طریقہ چھوڑ دیجیے!

لوگ خوش تھے کہ انہوں نے شریعت اور مذہب کی پابندی سے آزاد ہو کر لامحدود عیش کا راز دریافت کر لیا ہے۔ مگر بیسویں صدی کے ربع آخر میں پہنچ کر آزادانہ جنسی تعلق نے نئے نئے امراض پیدا کر دیئے اور بالآخر ''ایڈز'' کی مہلک بیماری نے لوگوں کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ اللہ کی شریعت کا طریقہ ہی فطری طریقہ ہے۔اس کے مقابلہ میں آزادانہ جنسی تعلق انسانی صحت کے لیے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ٹائم میگزین کے مذکورہ شمارہ (صفحہ ۴۴) میں ایک مرد اور ایک عورت کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ ان کو ایک خوفناک سانپ نے چاروں طرف سے لپیٹ لیا ہے۔

علامہ محمد مہدی استنبولی منگیتر کو دیکھ لینے کے پاکیزہ اور شرعی اصول کے ساتھ ساتھ آج کل بعض مسلمان گھرانوں کے اندر اس مناسبت سے شادی سے قبل ایک گندے گمراہ کن اور غیر شرعی رواج کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا' جاؤ' دیکھ لو! کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ یعنی انصاری عورتوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ (مسلم' نسائی' طبرانی)

ایک اور صحیح حدیث میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ: ''تم عورت کو دیکھ لو! تم دونوں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے لیے یہ زیادہ مناسب ہوگا۔''[1] (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ حدیث صحیح ہے)

اس سے ثابت ہوا کہ منگیتر کو ضرور دیکھ لینا چاہئے۔

اس موضوع پر گفتگو کی مناسبت سے ہم قارئین کو ایک گندے رواج سے آگاہ کرنا اہم سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس قسم کا نکما رواج آج بہت سارے مسلم خاندانوں میں بڑھتا جا رہا ہے۔ اور وہ رواج ہے کہ شادی سے پہلے تجربہ اور آزمائش کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط کرنا۔ جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ چنانچہ ''رواج جس کو مٹ جانا چاہئے اور جس سے خوشیاں ملیا میٹ ہو جاتی ہے'' نامی ایک رسالہ میں جس پہ میں نے نظر ثانی کی اور اس پر نوٹس بھی لکھے اس اختلاط کے بھیانک نتائج کو بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ والدین اور سرپرستوں کی آگاہی کے لیے اس رسالہ کے چند اقتباسات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

[1] یعنی الفت قائم رکھنے کے لیے یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان یؤدم'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے ایک دوسرے کے ساتھ ملائمت اور نرمی قائم ہوگی' آپس میں صلاح اور درستی آئے گی۔ لفظ ''ادام'' بھی اسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''سالن'' کے ہیں' اور جس سے روٹی کھانا ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ سب ہو لیکن آپس میں کوئی مناسبت اور ربط نہ ہو تو ظاہر ہے یا تو آپس میں محبت نہ ہوگی یا اس کے اندر پختگی اور استواری پیدا نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آپس میں محبت پیدا ہونے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت پیدا ہونا بے حد ضروری ہے۔ (روضۃ المحبین ص ۶۶)

یہ پہلو بھی بڑا دردناک اور دلخراش ہے کہ بہت سارے سرپرست منگیتر کو اپنی بیٹی دکھانا پسند نہیں کرتے' اس کی بجائے اس کا فوٹو دکھاتے ہیں جس کو کوئی اجنبی فوٹو گرافر اس کی لاعلمی کی حالت میں کھینچے ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ تصویریں ایسی ہوتی ہیں جن سے پیشانی عرق آلود ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تصویریں فوٹو گرافر یا اس شخص کے پاس باقی رہیں' تو اس میں شک نہیں کہ اس سے طرح طرح کے فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ سب سنت نبوی کو چھوڑ دینے اور باطل عادتیں اپنا لینے کا نتیجہ ہوگا۔

← ایک پر فریب تہذیب کے نام سے جس نے ہمارے ذہن' ہمارے اخلاق اور ہماری روایات کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور جس کے ہم قیدی بنے بیٹھے ہیں۔ اسی تہذیب اور اندھی تقلید کے نام سے ہم نے ایسے انجانے راستوں پر چلنا سیکھا' جن کا دین اور اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس قسم کا رواج یہ چل پڑا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں بطور تجربہ شادی سے پہلے آپس میں ملیں۔ اس سلسلے میں چونکہ ہم نے اس حد تک چھوٹ دے رکھی ہے کہ نہ کوئی چوکی پہرہ ہے' نہ ضمیر کا کھٹکا ہے' نہ دین کا احساس ہے' نہ ہی کسی خویش و اقارب کا وہاں سے گزر ہے۔ اس آزادانہ اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ میل ملاپ آج اپنی بدترین صورتوں کے ساتھ ہمارے سامنے پوری طرح موجود ہے۔ اس اختلاط کے نام سے درحقیقت ہم نے بارود کو آگ دکھائی ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے نام پہ شیر جیسے پھاڑ کھانے والے درندے کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال رکھا ہے۔ پھر اس کھلی چھوٹ کے نتیجہ میں لڑکیوں اور خاندانوں کی جو درگت بنی' عزت و ناموس کو جس طرح سر بازار رسوا ہونا پڑا' اور جس قدر ذلت اور رسوائی ہوتی رہی اور جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس قسم کے جنسی اسکینڈلوں سے اخباروں کے صفحات بھرے پڑے ہیں' ظاہر ہے ان سب کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

سب سے زیادہ شرم کی بات تو یہ ہے کہ اس گندی روش نے رفتہ رفتہ ایسا عادی بنا دیا ہے' اور لوگوں کا ایسا مزاج بن گیا ہے کہ اس گندگی کا کسی کو احساس تک نہیں۔ کوئی اس پر منہ ٹیڑھا نہیں کرتا' کسی کی پیشانی پر بل نہیں آتا' نہ کسی کے ماتھے پر ندامت کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ انجام کار یہ ہوتا ہے کہ حرص ہوس کا یہ پتلا سانپ بن کر جب اپنے شکار کا رس چوس لیتا ہے' اپنا دل اس کھلونے سے اچھی طرح بہلا لیتا ہے. اور ہاتھ آئی چیز سے طبیعت بہرحال اکتا جاتی ہے۔ نیز جس چیز سے روکا جاتا ہے آدمی اسی کی کشش دل میں پاتا ہے. تب کوئی الزام دھر کر یا عیب لگا کر وہ اسے ایک طرف ڈال دیتا ہے' اور یوں اس کی عزت و ناموس کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس اختلاط کے نتیجہ میں لڑکی شادی سے پہلے ماں بن جاتی ہے' اور اس گھناؤنے جرم کی نشانی اس کے پیٹ میں پروان چڑھتی ہے۔ ایک لڑکی کی زندگی تباہ کرنے کے بعد یہ نوجوان پھر کسی دوسرے شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اور وہی کھیل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح بدکاری بڑھتی ہے' بے حیائی پھیلتی ہے اور جب ہوس کو یوں تسکین ملتی ہے تو شادی کا بازار خود بخود پھیکا پڑتا جاتا ہے' بھلا بتایا جائے کہ یہ چھٹے ہوئے بدمعاش اور بے مہار نوجوان جو بھنوروں کی طرح ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پھول پر منڈلاتے ہیں۔ ایک کلی کا رس نچوڑ کر دوسری کے درپے ہوتے ہیں' کیا کوئی ان کی گوشمالی کرنے والا نہیں ہے؟ یا کیا کوئی ان کا حساب بیباق کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے بدکار لڑکیاں مفت میں اگر اپنی عزیز متاع از خود پیش کرنے کے لیے آمادہ ہیں' تو ان اوباش نوجوانوں کے لیے نکاح کے بندھن میں پڑنے' اس کے اخراجات برداشت کرنے اور اس کی پابندیوں کو گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہوگی؟ پھر یہ ہوگا کہ نوجوان حلال کو اپنانے سے ←

میں قطعاً جائز نہیں ہیں۔ ابھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا' اس سے اندازہ لگا سکتے ← گریز کریں گے۔

اور اگر والدین اور سرپرست اس طوفان بدتمیزی کی وجہ جاننا چاہیں تو ہم عرض کریں گے کہ یہ اسی جھوٹی ثقافت اور پرفریب تہذیب کا شاخسانہ ہے' جس کی ناپاک گٹھری کو ہم نے مدت سے اپنے سروں پر اٹھا رکھا ہے' اور اس کی بدولت ہم نے اپنی روایات' اپنا دین اور اپنی عزت وشرافت سب کو تج کر دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط سے اسلام نے ہمیشہ روکا ہے اور بار بار یاد دلایا ہے کہ ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت کے ساتھ تیسرا شیطان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا خطرناک کوئی اور فتنہ نہیں پایا۔''

بعض عیاش لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دنیا میں مرد اور عورت کی ایک ایک ہڈی بھی باقی رہی تب بھی فطری طور پر ایک کا دوسرے کی طرف میلان ہوگا۔ نیز ان کا یہ پروپیگنڈہ قطعی جھوٹا ہے کہ دیندار گھرانوں کے افراد میں بھی اس قسم کا اختلاط ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ نادان ہیں یا جنسی توانائی یا انسانی فطرت کے بارے میں سراسر تجاہل برت رہے ہیں۔

اگر منگنی کرنے والا اپنے ارادے میں پختہ اور شادی کے لیے پہلے سے تیار ہے تو ایسے شخص کو اسلام چہرے اور ہتھیلیوں کے دیکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ خاندان کی کچھ مخلص بڑی بوڑھی عورتوں کو لڑکی کے گھر بھیجے تاکہ وہ لڑکی کے اخلاق اور اس کے چال چلن کا اندازہ کریں۔ لڑکے کو بھی چاہیے کہ وہ اچھی طرح پہلے جائزہ لے اور اپنی آنے والی نسلوں کے بارے میں غور وفکر کرے۔ اس لیے کہ ماں باپ کی عادتیں آنے والی نسلوں میں ضرور سرایت کرتی ہیں۔

اور اگر نوبت اس کی آئی جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اور اس کا رواج ہوا تو اس سے ننگ اور عار بڑھے گا' تباہی اور رسوائی میں اضافہ ہوگا۔ اور لوگ اسی صورت میں کامیاب ہوں گے' جب وہ لوٹ کر اپنے دین اور اپنی شریعت پر دوبارہ گامزن ہوں گے۔ اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط سے گریز کریں گے۔ مرد وعورت کا یہ فرض ہے کہ دونوں اپنے اپنے میدان میں سرگرم عمل ہوں اور جس قدر انہیں پابند کیا گیا' کسی قسم کی سرکشی اور حدود سے تجاوز کئے بغیر اس سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ آج اخبارات اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ روزانہ ایسی خبریں آ رہی ہیں جن سے عبرت اور نصیحت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آج کسی نوجوان لڑکے کا دل کسی ایسی ہی لڑکی کی طرف صحیح طریقے سے ملتفت ہوگا جو لوٹ کر پھر سے پردے اور گوشۂ عافیت یعنی شریعت کی پناہ میں چلی جائے۔ گراوٹ اور بے جا آزادی سے خود کو بچائے' ہمیشہ نقاب اور حجاب کا استعمال کرے کہ یہی اس کا سچا محافظ ہے۔ ورنہ اس کے باہر چاروں طرف انسان نما بھیڑیے ہیں' جن کے دل اس کے لیے بے کل ہیں اور ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہے۔

ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا تمام جسم ستر ہے' سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدموں کے ان تین (چہرہ' ہتھیلی' قدم) کے سوا دوسرے حصہ جسم کا عورت کے لیے غیر مرد کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا۔ گویا بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہئے۔

پھر دیکھنے میں تجسس جائز نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہو جانی چاہئیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

((ثُمَّ اِنَّمَا یُبَاحُ لَهُ النَّظَرُ اِلٰی وَجْهِهَا وَ كَفَّیْهَا فَقَطْ لِاَنَّهُمَا لَیْسَا بِعَوْرَةٍ وَلِاَنَّهُ لِیُسْتَدَلَّ بِالْوَجْهِ عَلَی الْجَمَالِ وَ بِالْكَفَّیْنِ عَلٰی خُصُوْبَةِ الْبَدَنِ اَوْ عَدَمِهَا))[1]

''مرد کے لیے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کرنا ہے) کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر نہیں ہیں اور اس لیے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہو جائے گی اور ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ ہو جائے گا۔''

یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے' خوبصورتی و بدصورتی چہرہ سے عیاں ہو جاتی ہے' بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے اور اگر اسے آلہ باطن نما کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے' وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائے گی' حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ باقی قدموں کا فقہاء نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کون سا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ اور ہتھیلی پر تو اجماع ہے' اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں' اور امام اوزاعیؒ کہتے ہیں مواضع لحم کو دیکھا جائے گا' اور داؤد ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کا دیکھنا جائز ہے۔[2]

---

[1] شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۶۔

[2] نداء الجنس اللطیف ص ۱۱۱ و تفسیر مظہری سورۃ نساء ص ۲۔

آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں پہلی نگاہ (اتفاقیہ غیرارادہ کی) جو پڑ جائے اس کی اجازت ہے' باقی پھر دوبارہ نہ ڈالی جائے یعنی اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے' بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے البتہ مل سکتا ہے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گو اجازت ہے' مگر ضروری حد تک' اور اعتدال کے ساتھ' اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں یعنی عورت کو اس کے گھر میں اس کے رات دن کے لباس میں دیکھ لے گا اور بس' پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو' اور دل میں کوئی روگ نہ ہو:

((قَالُوا يُخْلِصُ النِّيَّةَ عِنْدَ ابْتِدَاءِ النَّظَرِ ثُمَّ يُفَوِّضُ الْاَمْرَ اِلَى اللّٰهِ))[1]

''شروع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو' پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو۔''

ان قوانین سے اسلام کا منشا یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جن کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے' اور مقاصدِ نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

عشق ومحبت علامہ رشید رضاء مصری کے تجربہ کی روشنی میں

علامہ رشید رضاؒ مصری کی یہ بات بالکل درست ہے' کہ میں تیس چالیس سال سے عورت کے متعلق مسائل اور زن وشوہر کے تعلقات پر کام کر رہا ہوں' اس سلسلہ میں بہت سی قدیم وجدید کتابیں' رسالے اور اخبارات پڑھنے پڑے اور اس مسئلہ پر اپنی تفسیر المنار میں بہت کچھ لکھ بھی چکا ہوں' مگر باایں ہمہ اہل مغرب ومشرق کے اس قول کے غلط ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ ''زن و شوہر کے تعلقات کی خوشگواری کا دار ومدار اس بات پر ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی میں تعارف ہو اور ہر ایک کو دوسرے سے عشق ہو۔''

تجربات نے اس بات کی غلطی آشکارا کر دی ہے اور یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ نوجوانوں کا باہمی عشق ومحبت شادی کے بعد عموماً ختم ہو جاتا ہے' اور عرب کا یہ قول صادق آتا ہے۔

اَلزَّوَاجُ يُفْسِدُ الْحُبَّ شادی پہلی محبت کی بنیاد ہلا دیتی ہے۔

زن وشوئی تعلقات کی خوشگواری کے لیے صحیح قاعدہ وہی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا تھا' جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست دی تھی' اور اپنے شوہر کے متعلق کھل

[1] العرف الشذی' ص ۳۹۰۔

کر کہا تھا کہ ''اس سے طبعی محبت نہیں کرتی ہوں یعنی میرے دل میں اس کی طبعی محبت جاگزین نہیں ہوتی ہے۔''

سیدنا عمرؓ نے یہ سن کر اس عورت سے فرمایا:

''اگر عورتوں میں سے کسی عورت کو اپنے شوہر سے طبعی محبت نہ ہو تو اس عورت کو چاہیے کہ یہ بات اپنے شوہر سے نہ بیان کرے' کیونکہ بہت کم ایسے گھر ہیں جن کی بنیاد طبعی محبت پر ہوتی ہے' لوگ باہمی زندگی حسب اور اسلام پر بسر کیا کریں (یعنی میاں بیوی میں ہر ایک اس بات کا التزام کرے' کہ ایک دوسرے کے شرف ومجد کا لحاظ کرے اور اسلام نے زن وشوئی تعلقات کے سلسلہ میں جو ضروری ذمہ داریاں' آداب اور فرائض عائد کیے ہیں ان کو نباہنے اور بجا لانے کی سعی کرے' بس اسی طریقہ سے زندگی کی خوشگواری نصیب ہو سکتی ہے)۔''

یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دل میں جتنی محبت پاتا ہے' اظہار اس سے زیادہ کا کرے' تاکہ اس طرح بتدریج محبت دلوں میں جاگزین ہو جائے اور باہمی زندگی اطمینان وسکون اور مسرت وانبساط سے نباہ دے۔

پاک دامنی کے دفاع کیلئے بالغ ہوتے ہی شادی کا حکم

اسلام نے عفت وعصمت کے ان تمام لوازمات کو اپنی تعلیمات میں سمودیا ہے' جن سے عفت واخلاق کی بنیادیں استوار ہوں' اور پاکبازی و پاکدامنی کا ماحول فراہم ہو جائے۔ ساتھ ہی کہیں سے کوئی ایسا رخنہ پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا ہے جس سے شیطانی وسوسے راستہ پاسکیں اور انسان کو عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے پر آمادہ کرسکیں۔

یوں تو اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی لڑکے اور لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے' اور جوانی کا ہنگامی دور آنے سے پہلے ہی ایسا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے جو مرد وعورت کے خیالات کو بھٹکنے سے روک دے' اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائے بلوغت میں بھی جب سوچیں گے تو دونوں جائز محبت اور رشتہ داری پر ہی سوچیں گے۔

بلوغت کے بعد شادی کی تاکید:

مگر بلوغت کے بعد تو اسلام نے یہ قانون بنادیا ہے' کہ جلد سے جلد شادی ہو جانی چاہیئے کہ یہ دور شباب ہے' امنگ کا زمانہ ہے اور جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع ہے' آدمی میں اس عمر میں گو مستقبل پر غور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے' مگر وہ جذبات کے نیچے دبی ہوتی ہے' عموماً کم ہی لوگ عمر کے اس حصہ میں نفع ونقصان سوچنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں۔ اس لیے اگر عمر کے اس نازک ترین حصہ میں قانونی نگرانی نہ کی جائے تو راہ راست سے دور پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے' اس لیے خصوصیت سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ))[1]

''اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع پر قادر ہو اس کو شادی کر لینی چاہیئے۔''

شباب کا زمانہ بلوغت کے بعد شروع ہوتا ہے اور بتیس برس کی عمر تک رہتا ہے' اور بعض کے

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب قول النبی ﷺ ''من استطاع منکم الباءة۔'' (ح ۵۰۶۵)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب استحباب النکاح (ح ۱۴۰۰)۔

نزدیک تیس تک۔

((قَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ اِنَّ الشَّبَابَ مِنْ لَّدُنِ الْبُلُوْغِ اِلَى اثْنَيْنِ وَ ثَلَاثِيْنَ وَ قَالَ النَّوَوِيُّ: اَلْاَصَحُّ الْمُخْتَارُ اَنَّ الشَّبَابَ مَا لَمْ يُجَاوِزِ الثَّلَاثِيْنَ ثُمَّ كَهْلٌ اِلَى اَنْ يُّجَاوِزَ الْاَرْبَعِيْنَ ثُمَّ هُوَ شَيْخٌ' هٰكَذَا فِي فتح الباری))[1]

''زمخشری نے کہا ہے کہ شباب بلوغت سے بتیس سال کی عمر تک ہے۔اور نووی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ شباب بلوغت کے وقت سے لے کر تیس برس کی عمر تک ہے' تیس سے چالیس تک کہل (ادھیڑ پن) ہے اور چالیس کے بعد شیخ (بڑھاپا)۔''

بال سفید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے' یہ مزاجوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے۔اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ بلوغت کے فوراً بعد اسلام نے شادی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔اور منشاء یہی ہے کہ عمر کے اس ہنگامہ خیز زمانہ میں انسان غلط راستہ پر پڑ کر عفت وعصمت کے دامن کو داغ دار کرنے نہ پائے۔

لڑکے اور لڑکی کی شادی کی ذمہ داری والدین پر:

اس عمر میں عموماً انسان والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے' شادی کا سامان خود فراہم کرنا چاہے تو اکثر انسان نہیں فراہم کرسکتا' حیاء وشرم الگ دامنگیر ہوتی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت محسوس کرنے پر بھی والدین سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ایسے زمانہ میں عفت وعصمت کبھی کبھی خطرہ میں گھر جاتی ہے' اس لیے پیغمبر اسلام نے اس عمر کی شادی کی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے' ہدایت نبوی ہے:

((مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهٗ وَ اَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ))[2]

''جس شخص کے بچہ ہو اس کو چاہیے بچہ کا اچھا سا نام رکھے' تعلیم وتربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے' بلوغت کے بعد اگر باپ نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہو گیا' تو اس کا گناہ اس کے باپ پر (بھی) ہے۔''

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں' پہلی بات یہ کہ لڑکے' لڑکی کو ایسی تعلیم وتربیت دے جوان کی آئندہ زندگی میں رہبر کا کام دے اور ان کے دل میں خشیت الٰہی کی پرورش کرے' تاکہ

[1] مفاتح الحاجة حاشية ابن ماجه ص ۱۳۴۔

[2] شعب الايمان (۸۶۶۶) واسناده ضعيف۔

یہ گناہ کے کاموں سے مجتنب اور متنفر رہیں' دوسری بات یہ کہ جونہی بالغ ہوں باپ ان کی شادی کر دے' تاخیر اور تساہلی سے کام نہ لے' کیونکہ اگر والدین کی عدم توجہی سے تاخیر ہوئی اور اس اثناء میں ان سے گناہ سرزد ہو گیا' تو والدین بھی گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

دوسری حدیث میں لڑکی کے متعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ فِي التَّوْرَاةِ مَكْتُوبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُهُ اثْنَتَى عَشَرَةَ سَنَةً وَّ لَمْ يُزَوِّجْهَا فَأَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذَالِكَ عَلَيْهِ))[1]

''توریت میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا۔''

ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے' کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائے تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں' خود لڑکے اور لڑکی پر بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کرنے میں ٹال مٹول نہ کریں' وقت آئے تو فوراً تیار ہو جائیں اور والدین کا بھی فریضہ ہے کہ لڑکے' لڑکی شادی وقت پر کر دیں' مگر ان کی رائے معلوم کر کے' تاکہ رشتہ مضبوط ہو سکے۔

شادی کی اہمیت:

والدین پر تاکید جتانے اور مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وقت پر شادی نہ ہوئی اور والدین نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا' اور اس کی وجہ سے اولاد سے لغزش ہو گئی اور لڑکے یا لڑکی میں سے کسی سے زنا یا دواعی زنا کا ارتکاب ہو گیا' تو گناہ کا ایک حصہ والدین کا بھی ہوگا اور مرتکب معصیت تو گناہ میں ڈوب ہی جائے گا۔

رشتہ ازدواج کی ایمان و توحید پر استواری:

رشتہ ازدواج کے انعقاد میں اسلام نے اس کا بھی خیال رکھا ہے' کہ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط بنیاد پر قائم ہو' تاکہ آئندہ چل کر اس میں ضعف و اضمحلال نہ پیدا ہونے پائے' اسی وجہ سے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جو دو اجنبی رشتہ مناکحت سے آپس میں مل رہے ہیں وہ دونوں اپنے عقائد و اعمال طرزِ معاشرت اور مسلک و مذہب میں ایک جیسے ہوں۔ اسی بنیاد پر مشرک مرد و عورت سے مسلمان مرد و عورت کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۱)

---

[1] رواه البيهقي في شعب الايمان (ح ٨٦٧٠) والصحيح موقوف

’’مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح مت کرو۔‘‘[1]

[1] مشرکہ عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیوں کہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے۔ البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہوسکتا۔ تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’عورت سے چار وجوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال‘ حسب نسب‘ حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔‘‘ (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح‘ باب الاکفاء فی الدین وصحیح مسلم‘ کتاب الرضاع‘ باب استحباب نکاح ذات الدین) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: ((خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) (صحیح مسلم‘ کتاب الرضاع باب خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ) ’’دنیا کا بہترین متاع‘ نیک عورت (بیوی) ہے۔‘‘
یہ عورت کے اولیاء سے خطاب ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کوئی عورت‘ ولی کی اجازت اور رضاء مندی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس سے قبل مردوں سے خطاب کیا گیا تو اس میں فرمایا ﴿وَلَا تَنْكِحُوا......﴾ ’’تم مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔‘‘ اور جب یہی بات عورتوں سے کہی گئی کہ وہ بھی مشرک مردوں سے نکاح نہ کریں تو براہ راست عورتوں سے خطاب کرنے کی بجائے ان کے اولیاء سے خطاب کر کے فرمایا گیا ﴿وَلَا تُنْكِحُوا﴾ ’’تم مؤمن عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو۔‘‘ (حافظ صلاح الدین یوسف) اس کی مزید تفصیل ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں تفسیر احسن البیان میں سورہ البقرہ آیت ۲۳۲ کا حاشیہ اور سورہ نور آیت ۳۲ کا حاشیہ۔ سیدنا حذیفہ یا عبداللہ بن رواحہ کے گھر میں ایک سیاہ فام لونڈی تھی۔ انھوں نے اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلیا۔ مگر ان کے دوستوں نے اس نکاح کو پسند نہ کیا اور ایک مشرکہ کا نام لے کر انہیں پیش کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (شوکانی‘ ابن کثیر)
بعض نے لکھا ہے کہ ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے‘ کہ اس نے مکہ کی ایک مشرکہ عورت عناق سے نکاح کا ارادہ کیا‘ جس سے جاہلیت میں ان کے تعلقات تھے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)
اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرک عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنا حرام ہے‘ اسی طرح مؤمن عورت کا مشرک مرد سے نکاح حرام ہے۔ ہاں کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے (دیکھئے سورۃ المائدہ: ۵)
حدیث میں ہے کہ عورت سے نکاح کے وقت چار باتیں مدنظر ہوتی ہیں:
① مال ② حسب ونسب ③ خوبصورتی ④ دینداری۔
تمھیں چاہئے کہ دینداری کو دوسری باتوں پر ترجیح دو۔ بخاری (۵۰۹۰) مسلم (۱۴۶۶)
بچیوں کی شادی کرتے وقت غفلت برتنے والے اور مشرکوں اور بدعقیدہ لوگوں کو اپنی بیٹیاں دینے والے سوچیں کہ کیا وہ عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ عفت وعصمت کے تحفظ کے تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں؟

یہ آیت نکاح مشرک کی حرمت کو بتاتی ہے' اس کے ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ لکھتے ہیں:

''مشرکین اور مشرکات جن کا ذکر ہوا' ان کے اقوال' ان کے افعال' ان کی محبت' ان کے ساتھ اختلاط کرنا' شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے جس کا انجام دوزخ ہے' اس لیے ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے۔''[1]

شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں مصلحت بیان کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی صحبت جب کفار و مشرکین کے ساتھ رہے گی' اور کافروں اور مسلمانوں میں مواسات کا تعلق ہوگا تو بالخصوص یہ سب تعلقات ازدواج کے طور پر ہوں گے' تو دین کے لیے ایک مفسدہ کا پیدا ہونا لازم ہے اور پھر کفر کا شعوری اور غیر شعوری طور پر قلب میں اثر انداز ہونا۔''[2]

یہ تو دینی مفاسد ہیں' دنیاوی طور پر نقصان یہ ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں محبت اور پیار کی زندگی پروان نہیں چڑھ سکتی' خوشگواری کا پیدا ہونا مشکل ہے' بلکہ تلخیوں کی خلیج وسیع ہوتی جائے گی' جس کے نتیجہ میں بہت ممکن ہے کہ عفت و عصمت خطرہ میں گھر جائے یا سرے سے مقاصدِ نکاح ہی انجام پذیر نہ ہو سکیں۔

مسئلہ کفائت

مودّت و محبت اور خوشگواری تعلقات کی غرض سے خود مسلمانوں میں بھی بعض چیزوں میں کفایت کا اعتبار کیا گیا ہے' مثلاً: یہ کہ نیکو کار عورت کی شادی بدکار مرد سے' یا نیکو کار مرد کی شادی بدکار عورت سے نہ کی جائے گی' قرآن پاک نے بتایا:

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ز وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ○﴾ (النور: ۲۴/ ۳)

''زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔''

---

[1] موضح فرقان برحاشیہ قرآن پاک ص ۴۳۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۳۳۔

اس سے معلوم ہوا کہ زنا کار مرد اور زنا کار عورت نیک مرد اور نیک عورت کے کفو نہیں ہیں' کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہو گا' میل ملاپ ہونے کی امید بہت کم ہے' چنانچہ ایک جگہ اور قرآن میں کہا گیا ہے:

﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُنَ ۞ ﴾

(السجدہ: ۳۲/ ۱۸)

''کیا ایمان لانے والا (پستی کے) اس درجہ میں ہو گا' جس درجہ میں نافرمان ہے' وہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔''

مال میں کفو کا اعتبار تقریباً نہیں ہے۔ صرف امام شافعیؒ مالی کفو کے قائل ہیں' مگر تجربات کی روشنی میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے' جو محبت اور پریم میں حائل ہو' یوں تو کبھی کبھی ثروت و دولت بھی باعثِ فساد ہو جایا کرتی ہے۔

نسبی کفو زیادہ قابل اعتماد نہیں:

نسب میں بھی بعض ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے۔ غالباً عقلی مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاندانوں کے معاشرتی اختلافات کی وجہ سے مختلف پیچیدگیاں عملی زندگی میں پیدا ہوتی ہیں' لیکن جہاں تک مسئلہ کی دینی حیثیت ہے تو بقول ابن حجر کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے' بلکہ برعکس اس کے ایسے آثار و روایات کا ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں نسبی کفوء کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔''

بخاریؒ نے باب الاکفاء فی الدین کے عنوان کے نیچے دو ایسے واقعات نقل کیے ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفو کا اعتبار نہ تھا۔ پہلا واقعہ سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے (جو قریشی بدری صحابی ہیں) کہ انہوں نے سیدنا سالم رضی اللہ عنہ کی شادی (جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے) اپنی بھتیجی ہند بنت ولیدؒ کے ساتھ کی اور یہ ہند قریشی مہاجرات میں سے ہیں۔

دوسرا واقعہ ضباعہ بنت زبیر کا نقل کیا ہے کہ ان کی شادی سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی' حالانکہ ضباعہ اپنے نسب کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں [1]

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نسب میں کفو

---

[1] بخاری- کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۸۸، ۵۰۸۹)

معتبر نہیں ہے۔ اور کفو فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے' اللہ تعالیٰ نے شعوب وقبائل کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۳)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ تم میں سے وہ زیادہ عزت والا ہے جو تم میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہو۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۰)

''بلاشبہ مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

نسبی کفو کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد اور آپ کے عہد کا عمل:

اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں جو مسلمانوں کی باہمی مساوات کو بتاتی ہیں' نبی کریم ﷺ نے اس مسئلہ کو اور بھی اجاگر کیا ہے۔ ترمذی کی یہ حدیث اوپر نقل کر آیا ہوں' کہ اگر تمہارے پاس پیام نکاح ان لوگوں کی طرف سے آئے جن کا اخلاق اور دین تمہارے پسند کے لائق ہے تو اس سے شادی کرلو۔ کیونکہ دین اور اخلاق کے ماسوا کوئی دوسری چیز کو بنیاد بناؤ گے تو روئے زمین میں فتنہ وفساد کے چشمے ابل پڑیں گے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اٰلَ بَنِیْ فُلَانٍ لَيْسُوْا لِیْ بِاَوْلِيَاءَ اِنَّ اَوْلِيَائِیَ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ حَيْثُ كَانُوْا وَاَيْنَ كَانُوْا))[1]

''بنی فلاں کی اولاد میرے اولیاء نہیں ہیں۔ میرے اولیاء متقی لوگ ہیں' جہاں ہوں اور جس طرح کے ہوں۔''

پھر یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے' کہ رحمتِ عالم ﷺ نے زینب بنت جحش قرشیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کی۔ فاطمہ بنت قیسؓ فہریہ کی شادی زیدؓ کے بیٹے سیدنا اسامہؓ سے کی۔ سیدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کی شادی سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ہمشیرہ

---

[1] زاد المعاد (۵/ ۱۵۸) واللفظ له دراصل یہ دو روایتوں کا مجموعہ ہے۔ دیکھیے بخاری۔ کتاب الادب: باب تبل الرحم ببلالها(ح ۵۹۹۰)

مسلم۔ کتاب الایمان: باب موالاة المؤمنین (ح ۲۱۵) ابو داؤد (۴۲۴۲) مسند احمد (۵/ ۴۳۵)

سے ہوئی۔[1]

اس طرح کے واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کفائت فی النسب کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کفائت کے مسئلہ میں سختی اختیار نہ کی جائے۔

نکاح کا اعلان

اسلامی قوانین عفت میں تمام فتنہ و فساد کے سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے' سوسائٹی اور سماج کے اندر جس چیز سے بداخلاقی نشوونما پاسکتی ہے' حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس کو بند کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے' یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے' کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہو' تو اس راستہ سے فتنوں کے سر اٹھانے کا اندیشہ کیا جاتا ہے' پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کھلے طور پر نکاح اور ناجائز تعلقات کے درمیان مابہ الامتیاز کوئی حد ضرور ہونی چاہیے' تاکہ التباس پاس پھٹکنے نہ پائے اور آدمی ذہنی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔ اوپر اشارہ کر آیا ہوں کہ نکاح کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ کم از کم دو مرد' یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں' جو نکاح کی مجلس میں موجود ہوں' اور ایجاب و قبول اس طرح ہو کہ گواہ سن سکیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی شریک ہوں' چنانچہ رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ))[2]

''اس نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور اس پر دف پیٹو (کہ خوب اعلان ہو جائے)۔''

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان کا حصول بھی ہے' جہاں آزادی کے ساتھ ہر خاص و

---

[1] زاد المعاد ۴/ ۲۲۔

[2] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی اعلان النکاح (ح ۱۰۸۹) اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون راوی ضعیف ہے۔ ارواء الغلیل ۱۹۹۳' شیخ البانیؒ فرماتے ہیں ''اس حدیث کا پہلا جملہ (اعلنوا هذا النكاح) عبداللہ بن زبیر کی حدیث میں حسن سند کے ساتھ مرفوعاً ثابت ہے۔ اور اس کی میری کتاب آداب الزفاف ص ۱۰۵ میں تخریج کی گئی ہے۔ ''دف'' کے متعلق بھی حسن حدیث موجود ہے دیکھئے ارواء الغلیل ۱۹۹۴۔

عام آ سکیں اور کسی کو پہنچنے میں کوئی اعتراض باقی نہ رہے' اور دف بجانے کا مقصود اعلان کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا' اسلام میں فضول لہو ولعب کی تو گنجائش نہیں رکھی گئی ہے' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِى النِّكَاحِ))[1]

''حلال اور حرام میں حد فاصل نکاح کی شہرت اور دف ہے (کہ لوگوں کو خبر ہو)''

اعلان کی ضرورت:

واقعہ یہ ہے اگر نکاح کی شہرت ضروری قرار نہ دی جائے' تو پھر لوگ چوری چھپے آشنائی اور ناجائز تعلق کو بھی نکاح کی صف میں لا کر ملا دیں' اور اس طرح ایک چور دروازہ قائم ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ جہاں شادی کا تذکرہ ہے کہ عفت مقصود ہونی چاہیے صرف ہوس رانی نہ ہو' اس سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک جملہ لا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ ہونا چاہیے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۝﴾ (المائدہ :۵/ ۵)

''وہ مرد پارسا ہوں' نہ صرف مستی نکالنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے۔''

﴿ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۝﴾

(النساء :۴/ ۲۵)

''عورتیں پاکباز ہوں' نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی (دوستی) کرنے والیں۔''

ان آیات میں معجزانہ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے اور اعلان کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔

نکاح کی شہرت بذریعہ دعوت ولیمہ

نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے جس کی دلچسپی اور پاکیزگی کا ہر ایک کو

---

[1] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی اعلان النکاح (ح ۱۰۸۸)۔

نسائی۔ کتاب النکاح: باب اعلان النکاح بالصوت و ضرب الدف (ح ۳۳۷۱)۔

ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب اعلان النکاح (ح۱۸۹۶)۔

اعتراف کرنا پڑتا ہے' وہ یہ ہے کہ عورت کے پاس شب باشی کے بعد دعوت ولیمہ مستحب ہے۔

احادیث مبارکہ میں دعوت ولیمہ کی خاص تاکید پائی جاتی ہے۔ خود ذات بابرکت ﷺ نے بھی یہ دعوت دی ہے اور لوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جب آپؐ نے عقد کیا تو بکری ذبح کی گئی اور اس کے گوشت سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی دعوت ولیمہ کی۔[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حیس پکوایا' اور لوگوں کو کھلایا۔[2] حیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور' پنیر اور گھی ملا کر بنتا ہے۔

حتیٰ کہ بعض ازواجِ مطہراتؓ کے ولیمہ میں اور کچھ فراہم نہ ہو سکا تو دو مد جو سے دعوت کی۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے۔

((قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ))[4]

''مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا دعوت ولیمہ کرو' اگرچہ ایک ہی بکری سے ہو۔''

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے اس دعوت کو واجب کہا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ سنت ہے یا مستحب' جس کو جتنا میسر ہو۔ چند لوگوں کو اور سادہ کھانا کھلانے سے بھی ولیمہ ہو جائے گا یہ منشاء ہر گز نہیں ہے کہ قرض لے کر اور سود ادا کر کے روپیہ ملے تو بھی ضرور لے اور دعوتِ ولیمہ کرے۔

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا:

اور پھر غور فرمایئے دعوتِ ولیمہ کا ایک طرف حکم ہے اور دوسری طرف جن لوگوں کو دعوت ملے ان کو حکم نبوی ہے کہ ضرور دعوتِ ولیمہ میں شریک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] بخاري۔ کتاب النکاح: باب الولیمة ولو بشاة (ح ۵۱۶۸)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب زواج زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (ح ۱۴۲۸)

[2] بخاري۔ حوالہ سابق (ح ۵۱۶۹)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب فضیلة اعتاقة امته ثم یتزوجها (ح ۸۴/ ۱۳۶۵)

[3] بخاري۔ کتاب النکاح: باب من اولم باقل من شاة (ح ۵۱۷۲)

[4] بخاري۔ کتاب النکاح: باب الولیمة حق' تعلیقا فی ترجمة الباب واسنده فی اوائل کتاب البیوع (ح۲۰۴۸)

((إِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ إِلَى وَلِيمَةِ عُرْسٍ فَلْيُجِبْ)) [1]

''شادی میں جب کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔''

مفلس کو بھی دعوت دی جائے:

پھر تاکید نبویؐ ہے' کہ دعوت ایسی نہ ہونی چاہیے کہ مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے' بلکہ بھوکوں اور غریبوں کو بھی بلایا جائے' ارشادِ نبویؐ ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهُ الْاَغْنِيَاءُ وَ يُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ)) [2]

''بدترین کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔''

اسی حدیث میں ہے:

((مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ)) [3]

''جس نے دعوت ولیمہ میں دعوت کے باوجود شرکت نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

ان احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے' کہ اس دعوت کی کتنی اہمیت ہے! اس میں اظہارِ خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کی خوب شہرت ہوتی ہے اور کسی کو شک وشبہ کا موقع نہیں ملتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے' کہ اس اعلان وشہرت کا بڑی حد تک مقصد یہی ہے کہ عفت وعصمت کی پوری طرح حفاظت عمل میں آئے' اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت وعصمت کی مٹی پلید کرنے نہ پائے' اور نہ نکاح کا نام لے کر کوئی دوسری کارروائی کر سکے۔ اور ساتھ ہی جائز نکاح کے سلسلہ میں کسی کے دل میں شکوک وشبہات نہ رہ جائیں۔

❁❁❁

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب حق اجابة الولیمة (ح ۵۱۷۳)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی دعوة (ح ۹۸/ ۱۴۲۹) واللفظ له۔

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب من ترک الدعوة فقد عصی اللہ و رسوله (ح ۵۱۷۷) موقوفاً۔
مسلم۔ کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی دعوة (ح ۱۴۳۲) موقوفاً ومرفوعاً۔

[3] بخاری و مسلم (حوالہ سابق)۔

بذریعہ نکاح جائز لطف اندوزی اور پاکدامنی کا حصول

شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں' اس سلسلہ میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے' باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی کوئی قید نہیں۔ جاڑا' گرمی کا سوال نہیں' بہار وخزاں کی کوئی شرط نہیں' برسات اور غیر برسات کی کوئی بات نہیں' اور نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

صرف سال کے کچھ حصوں میں ممانعت:

ماہِ رمضان: پورے سال میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے' جس میں روزہ میاں بیوی دونوں پر فرض ہے اور حالتِ روزہ میں مقاربت کی اجازت نہیں ہے' پھر بھی باہم گفتگو اور دلچسپی کی باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہر حال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے' افطار کے بعد' اور ان اوقات کے علاوہ' جیسا کہ معلوم ہے' رمضان میں بھی آزادی عطاء کی گئی ہے۔ خود قرآن ہی میں صراحۃً فرما دیا گیا ہے:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۸۷)

''روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے' وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے' ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد سے میاں بیوی ہر طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ﴾

(البقرہ: ۲/ ۱۸۷)

''اب ان سے صحبت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے (تمہاری قسمت میں) لکھا ہے (لڑکا یا لڑکی) اس کی خواہش رکھو۔ اور کھاتے اور پیتے رہو۔ یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔''

رمضان کے علاوہ دوسرے کسی بھی نفل روزہ میں عورت کو حکم ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت حاصل کیے روزہ ہی نہ رکھے' کہ کسی وقت اس کو ضرورت آ پڑتی ہے۔

حیض ونفاس:

دو موقعے اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا رہتی ہے (۱) ایک حیض کا وقت ہے اور یہ وہ جو خون غیر حاملہ کو تقریباً ہر مہینہ آیا کرتا ہے' جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور کم سے کم تین دن (۲) دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت کو جب ولادت ہوتی ہے' اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے' اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لیے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے۔

حیض ونفاس کے مذکورہ دنوں میں بھی مقاربت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ گندگی کا زمانہ ہوتا ہے' طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے' دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔[1]

---

[1] شریعت میں قید نہیں پابندی ضرور ہے' لیکن ایک وقت میں یہی حلال کھانا حرام بن جاتا ہے' یعنی روزہ کی حالت میں' بالکل اسی طرح مرد کے لیے بیوی سے جماع جائز ہے لیکن ایام حیض اور نفاس میں اس سے سختی سے منع فرمایا۔ آخر کیوں؟

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق ایام حیض اور نفاس میں نکلنے والا خون انتہائی زہریلا' تیزابی اور متعفن ہوتا ہے کیونکہ یہ عورت کے جسم کا حصہ نہیں اسی لیے اس کا نکلنا بھی ضروری ہے۔

ایک صاحب کو کثرت سے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ بہت علاج کرائے لیکن افاقہ نہ ہوا' علاج کی غرض سے تشریف لائے' تشخیص اور معلومات کے بعد پتہ چلا کہ موصوف ایام حیض میں ہم بستری میں مصروف رہے ہیں اور اس دن سے یہ کیفیت مسلسل ہے۔

ایک خاتون کو گردن کے اردگرد دانے' پھنسیاں اور زوردار جلن تھی۔ موصوفہ کی تشخیص پر ان کے خاوند کو مذکورہ کیس کی نوعیت بتائی گئی۔ ←

قرآن پاک نے اس کا تذکرہ کیا ہے:

- ایک صاحب کی پیشاب کی نالی بند ہوگئی۔ قاثاطیر (ایک آلہ) کے ذریعے پیشاب نکالتے تو پیشاب خارج ہو جاتا ورنہ پیشاب خود بخود نہیں آتا تھا۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ موصوف ایام حیض میں جماع کرتے رہے ہیں۔

اسلام امن' سکون اور صحت کا مذہب ہے۔ اس سے بغاوت سراسر مرض اور بے سکونی ہے۔ ایام حیض اور نفاس میں جماع سے کون سے امراض جنم لیتے ہیں' ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(۱) آتشک Syphils (۲) سوزاک Gonorrhoea (۳) نارفارسی Ghancroid
(۴) پنٹا Pinta (۵) رائٹر کی بیماری Reiters Disease (۶) پیشاب کی جلن (۷) پیشاب کی رکاوٹ
(۸) پیشاب کے غدود کا ورم اور سوزش (۹) پتھری کے امراض (۱۰) خواتین میں ایام کی رکاوٹ (۱۱) خواتین میں شرم گاہ کی خارش (۱۲) خواتین میں رحم کا ورم۔

یہ تمام امراض جو کہ میڈیکلی طور پر مستند کتب میں موجود ہیں' اس وقت لاحق ہوتے ہیں جب انسان فطری قوانین کو توڑ کر خواہش نفس کی طرف گامزن ہوتا ہے۔

یوں اگر انسان حیض کے دنوں میں شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے' اپنی بیوی کے پاس جماع کیلئے آتا ہے' تو کئی ایک مہلک اور تکلیف دہ بیماریوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہر سمجھ دار انسان کو چاہیے کہ وہ ان ایام میں اپنی بیوی کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے۔ اسلئے بھی کہ عورت کئی ایک عوارض کا شکار ہو کر ان دنوں چڑچڑی طبیعت کی مالک ہوتی ہے۔ اور تکلیف کی شدت میں وہ بعض اوقات اپنے خاوند کی نہ چاہتے ہوئے بھی نافرمانی پر اتر آتی ہے۔

''بیوی کی نافرمانی'' کے عنوان کی مناسبت سے اس جسمانی اور نفسیاتی رد و بدل اور تغیر کا ذکر کرنا ضروری ہے' جس سے حیض کے دنوں میں عورتیں دوچار ہوتی ہیں۔ اس سے ان کے اخلاق' افکار اور خیالات میں زبردست تبدیلی رونما ہوتی ہے اور عورتوں کو انہیں برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس لیے عورتوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ جو سلوک پاکی کے دنوں میں ہوتا ہے' حیض کے دنوں میں وہ سلوک اور رویہ برقرار نہیں رہتا۔ اور کبھی ماہواری میں بے قاعدگی ہونے کی صورت میں انہیں اور بھی دشواری کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ ذیل میں ایسی بعض تبدیلیوں اور دشواریوں کا ذکر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''پردہ'' ص ۱۸۶'۸۵ سے نقل کر کے ہم پیش کرتے ہیں۔ جن کی بنیاد فن حیاتیات اور عضویات کے مشاہدے پر ہے:

(۱) جسم میں حرارت کو روکنے کی قوت کم ہو جاتی ہے' اس لیے حرارت زیادہ خارج ہوتی ہے اور درجہ حرارت گر جاتا ہے۔

(۲) نبض سست ہو جاتی ہے' خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے' خون کے خلیوں کی تعداد میں فرق پڑ جاتا ہے۔

(۳) دورون افرازی غدود' گلے کی گلٹیوں اور غدود لمفاوی میں تبدیلی آ جاتی ہے۔

(۴) پروٹین تحول میں کمی آ جاتی ہے۔

(۵) فاسفیٹس اور کلورائڈ کے اخراج میں کمی اور ہوائی تحول میں انحطاط رونما ہوتا ہے۔

(۶) ہضم میں خلل واقع ہوتا ہے اور غذا کے پروٹینی اجزاء اور چربی کے جزو بدن بننے میں کمی ہو جاتی ہے۔

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۝ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۲)

''(اے نبی) لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں' آپ فرما دیجئے وہ گندگی ہے پس تم حیض کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان سے جماع نہ کیا کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں' پھر جب اچھی طرح پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے۔''

اس حیض و نفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے' ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہو جاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

عورتوں سے تمتع کا بلیغ بیان:

قرآن پاک نے زن و شو کے باہمی تعلقات کے لیے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ ہے۔ اور دونوں کے باہمی داعیات فطرت کی تکمیل کے لیے جو طرز تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے۔ ابھی اوپر کی آیت میں یہ حصہ گزر چکا:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۝ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۸۷)

''وہ (عورتیں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

---

(۷) تنفس کی قابلیت میں کمی اور گویائی کے اعضاء میں خاص تغیرات واقع ہوتے ہیں۔

(۸) عضلات میں سستی اور احساسات میں ٹھنڈک آ جاتی ہے۔

(۹) ذہانت اور خیالات کو مرکوز کرنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔

یہ تغیرات ایک تندرست عورت کو بیماری کی حالت سے اس قدر قریب کر دیتے ہیں' کہ درحقیقت اس وقت صحت اور مرض کے درمیان کوئی واضح خط کھینچنا مشکل ہوتا ہے۔ سو میں سے بمشکل ۲۳ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ایام ماہواری بغیر کسی درد اور تکلیف کے آتے ہوں۔ ڈاکٹر امیل فوڈک جو اس شعبہ علم کا بڑا محقق ہے لکھتا ہے:

''حائضہ عورتوں میں عموماً جو کیفیتیں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: دردسر' تکان' اعضاء شکنی' اعصابی کمزوری' طبیعت کی پستی' مثانہ کی بے چینی' ہضم کی خرابی' بعض حالات میں قبض' کبھی متلی' کبھی قے۔ اچھی خاصی تعداد ایسی عورتوں کی ہے جنہیں اپنے سینے میں ہلکا سا درد محسوس ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ ٹیس سی اٹھتی معلوم ہوتی ہے۔'' (تحفۃ العروس ص ۵۳۶' ۵۳۷)

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لیے پوشاک ولباس قرار دیا گیا ہے' عورت مرد کی عفت وعصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کی ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح عورت مرد کے لیے زینت ہے اور مرد عورت کے لیے۔ جس طرح لباس کو آدمی جب چاہتا ہے زیب تن کر لیتا ہے یہی حال زن وشوہر کا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جس وقت چاہیں مل سکتے ہیں۔ اس میں محبت ویگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے' جو ازدواجی تعلق کی جان ہے "لباس" کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں۔

ایک دوسری آیت مبارکہ میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے' ارشاد ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۝﴾

(البقرہ ۲/: ۲۲۳)

"تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت ہیں' سو اپنے کھیت ہیں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ۔"

لواطت کی حرمت:

عورت مرد کے لیے بمنزلہ کھیتی کے ہے' اس کھیتی سے مرد کو متمتع ہونے کا حق ہے' اسی لیے عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی باپ ہی کی کہی جاتی ہے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مقاربت میں کسی خاص شکل یا ہیئت کی پابندی ضروری نہیں ہے' البتہ "حرث" یعنی کھیتی کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ پیداواری کی حدود تک یہ حکم محدود ہے۔ اسی وجہ سے لواطت حرام ہے' کیونکہ یہ تو انسانی تخم کی بربادی ہے' نہ کہ اس کی کاشت۔ مذکورہ بالا آیت سے بعض کو غلط فہمی ہوئی ہے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے "حرث" ہی کا لفظ کافی ہے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث میں گزر چکا کہ غیر فطری استعمال' خواہ بیوی ہی کے ساتھ ہو' قطعی حرام ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ عورت کے آگے میں ہی آنا چاہیے:

﴿فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۝﴾ (البقرہ ۲/: ۲۲۲)

"تم ان کے پاس آؤ جاؤ' جس جگہ سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔"

اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکم صرف مقام کاشت میں ہے' اس حصہ میں نہیں جس کا استعمال حیوانوں میں بھی پایا نہیں جاتا۔ اور جس کی وجہ سے آدمی انسانیت کو پامال کرتا ہوا بہائم سے بھی نیچے گر جائے' بھلا اس کو اسلام کیسے جائز رکھ سکتا ہے؟ حدیث میں کھلے طور پر اس سے روکا گیا

ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ کَاهِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ))[1]

''جو شخص حائضہ کے پاس آئے' یا کسی عورت سے لواطت کرے' یا کسی کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد ﷺ کا انکار کر دیا۔''

((لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِ امْرَاَةً فِی الدُّبُرِ))[2]

''جو شخص کسی مرد سے اغلام کرے' یا کسی عورت سے لواطت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے گا۔''

((مَنْ اَتَی النِّسَاءَ فِیْ اَعْجَازِهِنَّ فَقَدْ کَفَرَ))[3]

''جن لوگوں نے عورتوں سے لواطت کی وہ کافر ہو گئے۔''

اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنے موقع محل پر کیا جائے گا۔

محبت اور پیار

میاں بیوی کے تعلقات کو قرآن نے محبت اور پیار کی زندگی سے تعبیر کیا ہے اور سکون و طمانیت کی زندگی بتایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی اہم نشانیوں میں زن و شوہر کے تعلق کو ایک اہم نشانی قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ (الروم: ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے' کہ اس نے تمہاری بیویاں تم ہی میں سے (یعنی آدمیوں میں سے) بنائیں' تاکہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور اس (اللہ) نے تم میاں بیوی کے درمیان محبت و الفت ڈال دی۔''

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الطب: باب فی الکھان (ح۳۹۰۴)۔
ترمذی۔ کتاب الطھارۃ: باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان الحائض (ح ۱۳۵)۔
ابن ماجہ۔ کتاب الطھارۃ: باب النھی عن اتیان الحائض (ح ۶۳۹)۔

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ما جاء فی کراھیۃ اتیان النساء فی ادبارھن (ح ۱۱۶۵)

[3] مجمع الزوائد (۴/ ۲۹۹) بحوالہ طبرانی فی الاوسط (۹۱۷۵)

ایک دوسری آیت میں اس ملی جلی پرسکون زندگی کا نقشہ کھینچا ہے' اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۸۹)

''اللہ وہ معبود برحق ہے جس نے تم کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے تسکین وچین حاصل کرے۔''

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات ہیں جو زن وشوہر کے تعلقات کو عمدہ پیرایہ میں بتاتی ہیں اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں' کہ انسان پاک طریقوں سے اپنی جنسی خواہشات کی تسکین حاصل کرے اور روحانی بے چینی کا مداوا تلاش کرے' اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو جوڑا پیدا کیا کہ تنہائی کی بے چینی میں ایک کا دوسرا غمگسار بنے' اور اس طرح دونوں مطمئن زندگی گزار سکیں۔

بیوی بچوں کی بے جا محبت اور اس پر تنبیہ:

بیوی بچے انسان کو طبعاً اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں الجھ کر فرمانِ باری تعالیٰ ہی بھول جاتا ہے' لذت ومسرت اور کیف وانبساط کی خوشگوار زندگی میں محو ہو جاتا ہے' اور یہ دولت وراحت جس مالک نے عطاء کی اس کی یاد سے غفلت طاری ہو جاتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التغابن: ۶۴/ ۱۴)

''اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں' سو ان سے بچتے رہو' اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف (بارک اللہ فی علمہ وعملہ) تفسیر احسن البیان میں لکھتے ہیں:

''اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکے میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا' جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا۔ لیکن ان کے بیوی بچے آڑے آ گئے اور انہوں نے انہیں ہجرت نہیں

کرنے دی۔ پھر بعد میں جب کافی عرصہ بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انہیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا جنہوں نے انہیں ہجرت سے روکے رکھا۔ چنانچہ انہوں نے انہیں سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر جس طرح انہیں بیوی بچوں کی طرف سے دینی معاملات میں رکاوٹ ڈالے جانے کے حوالے سے تنبیہ کی گئی وہیں انہیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین بھی فرمائی۔" (ترمذی۔ تفسیر سورہ تغابن)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"بہت مرتبہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ کو اور اس کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ان تعلقات کے پیچھے کتنی برائیوں کا ارتکاب کرتا اور کتنی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے! بیوی اور اولاد کی فرمائشیں اور رضاء جوئی اسے کسی وقت دم نہیں لینے دیتیں۔ اس چکر میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے خسارہ اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً دوست نہیں کہلا سکتے بلکہ بدترین دشمن ہیں، جن کی دشمنی کا احساس بھی بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو، اور ایسا رویہ اختیار کرنے سے بچو جس کا نتیجہ ان کی دنیا سنوارنے کی خاطر اپنا دین برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں سب بیویاں اور ساری اولاد اسی قماش کی ہوتی ہیں۔ بہت سی اللہ کی بندیاں ہیں، جو اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتیں اور نیک کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لیے باقیات صالحات بنتی ہے۔[1]

---

[1] تفسیر موضح القرآن بر حاشیہ قرآن پاک مترجم از شیخ الہندؒ ص ۷۲۲

دولہا کے فرائض واختیارات اور ذمہ داریاں

اس جائز لطف اندوزی کے برقرار رہنے اور رشتہ ازدواج کی استواری کے لیے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کیے ہیں اور ان کے اوپر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں' الگ الگ دل و دماغ اور فکر و عمل رکھتے ہیں۔ بسا اوقات دونوں کی طرز معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ پھر عورت و مرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے' دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص' عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں۔ ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کیے ہیں۔ اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض و اختیارات ہیں۔ یہاں پہلے شوہر کے فرائض و اختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر وتحمل:

زندگی میں یہ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بہکانے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے' اور اس سے عفت و عصمت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ پھر اس وقت معاملہ اور بھی نازک ہو سکتا ہے جب کہ عورتیں نازک طبع' تندخو اور متلون مزاج ہوتی ہیں۔ اس لیے اسلام میں ان حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار نہیں کی گئی ہے۔ عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایتیں دی گئی ہیں تاکہ زن و شوہر کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے اور اگر عورتوں کے کسی قول و فعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝ ﴾ (النساء: ۴/ ۱۹)

''اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی سے گزر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔''

اس آیت میں ایک جامع ہدایت ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں' تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہیے' اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہیے' کیونکہ یہ کوئی عجوبہ بات نہیں ہے' کہ انسان کو اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو' جو اس کے لیے دین و دنیا دونوں میں موجب خیر و برکت ہو' اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جس کی طرف اس ارشاد نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ))[1]

''کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لیے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوار خاطر ہے' اس لیے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔''

اور یہ حقیقت ہے کہ برے پہلوؤں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں' پس چاہیے کہ آدمی برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے کرتا رہے۔

سرورِ کائنات کی وصیت:

سید الکونین ﷺ نے عورتوں کی طبعی وفطری کمزوری کی نشان دہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَ اِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ))[2]

''تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے لہٰذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے (مگر سیدھا نہ کر سکو گے) اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لیے کجی رہ جائے گی'

---

[1] مسلم۔ كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء (ح١٤٦٧)۔

[2] بخاری۔ كتاب النكاح: باب الوصاة بالنساء (ح ٥١٨٦)۔

مسلم۔ كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء: (ح٦٠)

اس لیے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔''

اس حدیث میں بتایا گیا' کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے' جو اس سے جدا نہیں ہوسکتی ہاں! اس کی ضروری حد تک اصلاح ہوسکتی ہے۔ اور وہ بھی رفق و ملاطفت سے ہونی چاہیے۔ اس لیے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے کیونکہ دونوں کی طبیعت دو طرح کی پیدا کی گئی ہے' اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی سعی کی تو اطمینان کی بجائے پریشانی ہی سامنے آئے گی۔ ہاں! اس سے غافل بھی نہ ہونا چاہئے کہ عورت اپنی من مانی کارروائی پر اُتر آئے' کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں' گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحادِ عمل میں مضمر ہے' عورت زندگی کی ساتھی ہے' اس سے ایک منٹ کے لیے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم' بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو؟ جس نے کہا سچ کہا کہ ''مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لیے دو پہیے ہیں' ان دونوں کی دوستی اور اتحادِ عمل کے بغیر یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔

اُوپر والی حدیث کے سلسلہ میں صاحب فتح الباری نے سیدنا ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں تھیں اور چونکہ اس وقت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اس لیے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

رفق و ملاطفت:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب باندھا ہے باب قوا انفسکم و اھلیکم ناراً جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہئے کیونکہ مرد پر اس کی اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے' نیز حدیث مذکور میں اس طرف راہ نمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت و الفت کے رسوخ کا باعث ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفو و درگزر کی جائے' اور ان کی بدخلقی پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔

بات سمجھنے کی ہے کہ عورت میں جب خلقتہً کجی ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال کیسے ممکن ہے؟ ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح بقدر ضرورت ہو سکتی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں' نرمی اور محبت سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو پہچانو۔ تمہاری ذرا سی لغزش سے اتنے فتنے اٹھ سکتے ہیں۔ اس بات سے تمہارے خاندانی وقار کو بھی ٹھیس لگے گی اور تمہارے پیارے شوہر کے لیے بھی یہ غلطی ضرر رساں ثابت ہوگی' اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہر حال ضروری ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مرد کو تحمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ))[1]

''عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہے اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے۔''

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے' ارشادِ نبوی ہے:

((اِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ بِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَ كَسْرُهَا طَلَاقُهَا))[2]

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے بالکل سیدھی ہرگز نہ ہوگی۔ اس سے فائدہ کے حصول کی خواہش ہو تو اس کی کجی سمیت فائدہ حاصل کر سکتے ہو اور اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔''

عورت کی تلون مزاجی:

تجربات کی دنیا میں ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے گی' ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی' اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں۔ پھر ان کو کسی ایک حالت پر قرار نہیں' خوش رہیں تو سراپا امتنان وتشکر اور اگر خفاء ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں۔ سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب المداراۃ مع النساء (ح ۵۱۸۴)
مسلم۔ کتاب الرضاع: باب الوصیۃ بالنساء (ح ۱۴۷۰)

[2] مسلم۔ کتاب الرضاع: باب الوصیۃ بالنساء (ح۵۹)

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول موجود ہے:

((یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَ یَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْاَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاھُنَّ الدَّھْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَیْئًا قَالَتْ مَارَأَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطُّ))[1]

''عورتیں شوہروں کی ناشکر گزار ہوتی ہیں' اور ان کے احسان کی منکر' تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کے خلاف طبیعت ہو گئی تو بول اٹھیں گی' کہ میں نے کبھی بھی تم سے کوئی بہتری نہیں دیکھی۔''

مرد ایک ایک بات پر اگر داروگیر شروع کر دے' تو نباہ مشکل ہو جائے' مرد میں نسبتاً ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے' اس لیے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے' کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقع آ جائے تو صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے۔ عورت اس معاملہ میں کمزور ہے۔

جدید تحقیقات اور عورت:

فرید و جدی آفندی نے ''المراة المسلمة'' نامی کتاب میں عورت کے مزاج کے متعلق کافی بحث کی ہے' مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اس کتاب کا ترجمہ اور تلخیص کی ہے جس کا نام ''مسلمان عورت'' ہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ فرید و جدی نے انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے لکھا ہے:

''درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کی طرح واقع ہوئی ہے' اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے۔ بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے' قریب قریب یہی حال عورتوں کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے اس قسم کے جذبات سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہیں' کیونکہ یہ مؤثرات اس کے تصور پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کا ان سے لگاؤ نہیں ہوتا' یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال (مستقل مزاجی) نہیں ہوتا اور اسی لیے سخت اور خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔'' (مسلمان عورت ص ۳۶)

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب کفران العشیر (ح۵۱۹۷)

مسلم۔ کتاب الکسوف: باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف (ح ۹۰۷)۔

عورت کے عضلات:

عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں ہے' صبر وتحمل کا مادہ اس میں' فطرتاً کم ہے' کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دار و مدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر دوفارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

''مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف' اور حجم اور قوت کے لحاظ سے اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کیے جائیں' تو دو حصے قوت مرد کے حصہ میں آئے گی' اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی' عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جنسی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔''

عورت میں خوبیاں:

مگر ان کمزوریوں کے ساتھ ساتھ عورت میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں' جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور جن سے مرد کو قلبی سکون و اطمینان میسر ہوتا ہے' اس لیے عورت کی ایک پہلو کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اس کو مطعون نہیں کرنا چاہیے۔

تجربات کی دنیا میں اسے ماننا پڑے گا کہ عورتیں عموماً جفا کش[1]' قناعت پسند' شوہر پر جان چھڑکنے والی' بچوں کی پرورش پر نثار' گھریلو معاملات کی بہتر منتظم' اور وفاء و اخلاص کی پیکر ہوتی ہیں' کہا جا سکتا ہے کہ ضعف و کمزوری سے زیادہ خیر اور بھلائی کے پہلو عورت میں پائے جاتے ہیں۔

عورت کی محنت و جفاکشی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے' جب گردشِ زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت و تکلیف میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کر دیا ہے۔ علامہ لومبروز لکھتے ہیں:

''حمل اور وضع کی شدید تکلیف پر نظر کرو اور دیکھو کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور

---

[1] ہڈی سے عورت کی پیدائش میں شاید اس کی جفاکشی کی طرف بھی اشارہ ہو' نیز حسن و جمال میں مرد سے برتری شاید اسی لیے حاصل ہوئی کہ مرد حماء مسنون' صلصال کالفخار سے پیدا ہوا ہے اور عورت ایک سفید چمکدار چیز سے بنی یعنی مرد کاربن سے اور عورت فاسفورس سے۔ واللہ اعلم

مصائب کی متحمل ہوسکتی ہے' اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہوسکتی۔ درحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم رکھا ہے' ورنہ بنی نوع انسان کی پیدائش جیسے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہو جاتی۔''[1]

بلاشبہ یہ صنفِ نازک ہیں' ان کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں' عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے' بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہیں' اور ذرا سی خلاف طبیعت بات پر چراغ پا ہونا بھی جانتی ہیں۔ اس لیے مرد کو عورت کی مجموعی حیثیت کا پاس کرتے ہوئے کوئی برتاؤ کرنا چاہیے۔ قرآن پاک میں جہاں طلاق دینے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ عورتوں پر ظلم و تعدی نہ ہونے پائے۔

ظلم و تعدی کی ممانعت:

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ﴾ (البقرہ ۲/ ۲۳۱)

''اور تنگ کرنے کے لیے ظلم کی نیت سے ان کو لٹکائے نہ رکھو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ اور اللہ کے احکام کو مذاق (کھیل تماشہ) مت بناؤ۔''

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ ہی میں ظلم و تعدی کی روک تھام کے لیے اتری' مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر اللہ رب العزت نے ترس کھایا ہے۔ اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورت کی متلون مزاجی کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا:

((لَا يَجْلِدْ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي الْيَوْمِ الْآخِرِ))[2]

''تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے' جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے' اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لیے اس کے پاس پہنچے۔''

---

[1] مسلمان عورت ص ۴۰

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب ما یکرہ من ضرب النساء (ح ۵۲۰۴)

مسلم۔ کتاب الجنۃ: باب النار یدخلها الجبارون (ح ۲۸۵۵)

عورت میں ہیجان:

عورت اس لیے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے پیٹا جائے' ہاں اس کی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیش نظر اسلام نے ضرورتاً خاص حالات میں معمولی تنبیہ کی اجازت دی ہے اور اس کا موقع بھی بہت بعد میں رکھا ہے' یہ بھی غالباً اس لیے کہ نظام حیات میں برہمی نہ آنے پائے اور عورت کی عفت و عصمت محفوظ رہ سکے۔ تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج میں ہیجان کا مادہ زیادہ ہوتا ہے' عورت طبعاً زودرنج واقع ہوئی ہے اور مرد میں عقل و فہم زیادہ ہے' اس لیے یہ ضبط و تحمل پر قابو رکھتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں دوفارینی فرماتے ہیں:

''یہ اختلاف ان دونوں کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہے' مرد میں ذکا و فہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہے اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے۔''[1]

ایک ماہر انگریز تروسیہ کا قول ہے:

''عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے' کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو۔''[2]

زدوکوب اور مار دھاڑ کی ممانعت:

رحمتِ عالم ﷺ نے ایک اور موقعہ پر بھی عورت کی مار پیٹ سے روکا ہے' ارشاد نبوی ہے:

((لَا تَضْرِبُ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اَمَتَكَ)) [3]

''اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:

((اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَ لَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَ لَا تُقَبِّحْ وَ لَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ)) [4]

''تم جب کھاؤ اس کو کھلاؤ اور تم جب پہنو اس کو پہناؤ' نہ اس کے چہرے پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ جدائی اختیار کرو۔ اور اگر اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر ہی میں ہو۔''

---

[1] مسلمان عورت ص ۵۰ [2] ایضاً

[3] مسند احمد (۴/ ۲۱۱)۔ ابو داؤد۔ کتاب الطهارة: باب فی الاستنثار (ح۱۴۲)

[4] ابو داؤد۔ کتاب النکاح: باب فی حق المرأة علی الزوج (ح۲۱۴۲)
ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب حق المرأة علی الزوج (ح۱۸۵۰)۔

یہ ساری تاکید نبی کریم ﷺ اس لیے فرما رہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو یہ اجازت دی گئی ہے' کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو تنبیہ کی جا سکتی ہے' ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں اور عورتوں کو ستانے اور اذیت دینے لگیں' یا اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسن سلوک کر کے دکھایا' عبرت کے اسباق سے وہ معمور ہے' نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہنچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اس کا مطلب:

حالانکہ قرآن پاک میں خاص حالات میں ''جسمانی اذیت'' تک کی اجازت دی گئی ہے' یعنی ارشاد ہے:

﴿وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا۝﴾ (النساء: ۴/ ۳۴)

''ایسی عورتیں جن کی بد دماغی[1] کا تم کو احتمال ہو' ان کو زبانی نصیحت کرو' اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو' اور ان کو مارو' پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو (مارنے کے لئے) ان پر بہانہ مت تلاش کرو' بے شک اللہ تعالیٰ عالیشان اور بلند مرتبہ ہے۔''

---

[1] آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' (بخاری۔کتاب النکاح: باب اذا باتت المراۃ مهاجرۃ فراش زوجها)
نشوز کا لغوی معنی بلندی یا ارتفاع' اٹھان اور ابھار کے ہیں۔ خصوصاً جب کسی چیز میں یہ اٹھان تحرک اور ہیجان کا نتیجہ ہو مثلاً: عورت اپنے خاوند کو اپنا ہمسر یا اپنے سے کمتر سمجھتی ہو یا اس کی سربراہی کو اپنے لیے توہین سمجھ کر اسے تسلیم نہ کرتی ہو۔ اس کی اطاعت کے بجائے اس سے کج بحثی کرتی ہو۔ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی بجائے بدخلقی سے پیش آتی ہو اور سرکشی پر اتر آتی ہو۔ بات بات پر ضد اور ہٹ دھری دکھاتی ہو یا مرد پر ناجائز قسم کے اتہامات لگاتی ہو۔ یہ باتیں نشوز کے معنی میں داخل ہیں۔ ایسی عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تین قسم کے ترتیب وار اقدام کرنے کی اجازت دی ہے۔ پہلا قدم یہ ہے کہ اسے نرمی سے سمجھائے کہ اس کے اس رویہ کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ کم از کم اپنی بہتری اور مفاد کی خاطر گھر کی فضا کو مکدر نہ ←

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوۂ حسنہ بتا رہا ہے' کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بہرحال قرآن میں جو کچھ فرمایا گیا' اس کا مطلب ہے کہ عورت کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھائے اور منا لینے کی کوشش کرے۔ دوسرا درجہ یعنی جب زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے' تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خواب گاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے' اور علیحدگی کی یہ شکل بھی جب ناکام ہو جائے تب فَاضْرِبُوْهُنَّ (پس انہیں مارو) کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ

← بنائے۔ پھر اگر وہ خاوند کے سمجھانے بجھانے کا کچھ اثر قبول نہیں کرتی تو خاوند اس سے الگ کسی دوسرے کمرہ میں سونا شروع کر دے۔ اور اسے اپنے ساتھ نہ سلائے۔ اگر اس عورت میں کچھ بھی سمجھ بوجھ ہوگی اور اپنا برا بھلا سمجھنے سوچنے کی تمیز رکھتی ہوگی تو وہ اپنے خاوند کی اس ناراضی اور سرد جنگ کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ اگر پھر بھی اسے ہوش نہیں آتا تو پھر تیسرے اور آخری حربہ کے طور پر مارنے کی بھی اجازت دی گئی ہے' مگر چند شرائط کے ساتھ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے واضح ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! عورتوں کے متعلق نیک سلوک کی وصیت قبول کرو۔ وہ تمہارے پاس صرف تمہارے لیے مخصوص ہیں۔ اس کے سوا تم ان کے کچھ بھی مالک نہیں' بجز اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں بستروں میں علیحدہ کر سکتے ہو اور اس طرح مار سکتے ہو کہ انہیں چوٹ نہ آئے۔''
(ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب فی حق المرآۃ علی زوجھا ح ۱۱۶۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیوی کو مارو نہیں نہ اسے برا بھلا کہو اور نہ اسے چھوڑو مگر گھر میں'' (یعنی گھر میں ہی اسے اپنے بستر سے علیحدہ سلاؤ۔ گھر سے نکالو نہیں) (ابو داؤد۔ کتاب النکاح' باب فی حق المرأۃ علی زوجھا ح ۲۱۴۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو یوں نہ مارے جیسے اپنے غلام کو مارتے ہو' پھر دن کے آخر میں اس سے جماع بھی کرے۔'' (بخاری۔ کتاب النکاح' باب ما یکرہ من ضرب النساء ح ۵۲۰۴ مسلم کتاب الجنۃ۔ باب النار یدخلہ الجبارون ۲۸۵۵)

یعنی اگر مارنے کے بغیر عورت کے راہ راست پر آنے کا کوئی امکان نہ ہو تو یہ سوچ کر مارے کہ ممکن ہے رات کو اسے بیوی کی ضرورت پیش آ جائے اور اسے منانا پڑے۔ دوسرے یہ کہ اسے غلاموں کی طرح بے تحاشا نہ مارے۔ اور ایک حدیث کے مطابق کسی کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی' یا ملازم یا بال بچوں کو منہ پر مارے۔ اور تیسری پابندی یہ ہے کہ ایسی مار نہ مارے جس سے اس کی بیوی کو کوئی زخم آ جائے یا اس کی کوئی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے۔ ان حدود و قیود کے ساتھ خاوند کو ایسی اضطراری حالت میں بیوی کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اٹھا سکتا ہے لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ))[1]

''ان (عورتوں) کو مارو اس طرح کہ جلد نہ کھلے (یعنی زخم نہ ہو جائے) یا شدید چوٹ نہ لگ جائے)۔''

جس کا مطلب یہی ہوا کہ معمولی سرزنش (چاہے اسے گوشمالی کہہ لیجئے) سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبوی:

حجۃ الوداع کا مشہور تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے ان ہی میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

((اَلَا اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَالِكَ، اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا، اَلَا اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَاءِ كُمْ حَقًّا وَ لِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَلَا يَاْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ))[2]

''سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے یہاں بطور قیدی ہیں اسکے سوا تم انکی کسی چیز کے مالک نہیں ہو اگر وہ کھلی ہوئی نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو اور معمولی تنبیہ کرو۔ اور اگر وہ اطاعت کر لیں تو پھر زیادتی کی ضرورت نہیں۔ سنو تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے تم پر۔ تمہارے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جن کو تم

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الحج: باب حجة النبی ﷺ (ح۱۲۱۸)

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها (ح ۱۱۶۳)۔

ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب حق المرأة علی الزوج (ح۱۸۵۱)۔

ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو نہ بلائیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں کپڑا دینے اور کھانا دینے میں حسن سلوک کرو۔''

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے' رسول اللہ ﷺ کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ ''فاحشہ مبینہ'' ہی کی حد تک اس اجازت کو محدود رکھا جائے' اس کے علاوہ خطبہ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ ''زن و شوہر'' کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

غور کیجئے! اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے متعلق جو ہدایات دی ہیں' پہلی بات تو یہی ہے کہ خانگی زندگی کے نظام میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مردوں کو عورتوں پر برتری عطاء کی گئی' آخر دونوں کی حیثیت اگر برابر ہوگی تو اقتداری مساوات کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے۔ جیسے کہ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد وہی بات یعنی ''فاحشہ مبینہ'' کی صورت میں فہمائش' ترک خوابگاہ کے بعد ضرب غیر مبرح (یعنی گوشمالی اور سرزنش) کی اجازت دی گئی ہے' اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے۔ اس میں مرد کو ہدایت ہے کہ پوشاک و خوراک میں حسن سلوک سے پیش آؤ' قوام بن جانے سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ جو جی میں آجائے کر بیٹھو' بلکہ عورتوں کی فطری ضرورتوں اور دلچسپیوں کا خیال رکھو' کھانے پینے اور لباس میں ان کے شوق کو پورا کرو کیونکہ اس باب میں عورتیں تمہاری محتاج ہیں۔

اصول ہے کہ جس شعبہ زندگی میں آدمی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے' اس میں اگر اس کے ذوق کی آسودگی نہیں ہوتی تو اس کی دلی آزردگی ہوتی ہے' اور اس کے نازک قلب کو ٹھیس لگتی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ جاہلی دستور تھا کہ لوگ غیر محرم مردوں اور عورتوں کے میل جول اور بات چیت میں کسی قسم کا کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے تھے' جیسا کہ آج کل بھی یورپ کی جدید' جاہلیت میں دیکھا جا رہا ہے۔ اس حدیث میں ''ان لا یوطئن فرشکم'' سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اب پہلی جاہلیت کی رسموں کو ختم کریں۔

''وطی فرش'' سے مراد نفس زنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو من کل الوجوہ حرام ہے' پھر مکروہ سمجھنے کا کیا منشاء ہوگا' اس سلسلہ کا دوسرا حق عورتوں پر یہ ڈالا گیا کہ گھر میں محرم یا غیر محرم جو بھی داخل ہو' اس کے آنے کے متعلق شوہر کی رائے معلوم کر لی جائے' کسی کو شوہر کی رضاء معلوم کیے بغیر یونہی گھر میں نہ آنے دے۔

دولہا......دولہن کا دل کیسے جیتے؟

رسول اکرم ﷺ نے تعلیم دی کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ حسن اخلاق کا پیکر اور مروت و حسنِ کردار کا مجسمہ ہو۔ اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے مال بچوں اور بیوی کے لیے اخلاق و مروت میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ كُمْ))[1]

''ایمان میں کامل ترین مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ثابت ہو۔''

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مؤمن کی شناخت یہ ہے کہ حسن سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو۔ یہ طرز بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے حق میں سراپا محبت و شفقت ہونا چاہیے اور بیوی کی ہر جائز دل دہی کرنی چاہیے۔ الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ کو اچھا ثابت کرنے میں کامیاب ہو بتایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے ورنہ کچھ دیر کے لیے مصنوعی طور پر تو بد سے بدتر آدمی بھی تاثر جما دیتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتادِ طبع کو ظاہر کر دیتی ہے اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کی پیاری بندیوں کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو۔''[2]

عرب جہاں عورتوں کی جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی مردوں کے جو جی میں آتا تھا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔ مار بیٹھنا پیٹ دینا یہ تو معمولی بات تھی لیکن حکم کے نفاذ کے ساتھ ہی

---

[1] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها (ح ۱۱۶۲)۔

[2] دیکھیے حوالہ آئندہ

سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے اور عورتوں کی جان میں جان آئی۔

صدیوں کی مظلومیت سے خلاصی کا ردِعمل جیسا کہ ہونا چاہیے تھا وہ بھی سامنے آیا' جس کا پتہ اس روایت سے چلتا ہے۔ یعنی ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رسول مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہو گئیں'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مذکورۂ بالا فرمان کی سختی نرمی سے بدل گئی۔ مگر مردوں نے اس ''نرمی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز نفع اٹھانا شروع کیا' جس کی شکایتیں دربار نبوت تک پہنچنے لگیں۔ انہی شکایتوں کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اعلان فرمایا:

((لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ))[1]

''بہت سی عورتوں نے محمد ﷺ کے گھر والوں کو گھیر لیا' جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں' ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

''نہ اچھے ہونے کی خبر'' اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق' کون برداشت کر سکتا تھا!؟ اور ردعمل میں جیسا کہ چاہیے تھا معاملہ آخر حدِ اعتدال پر آ گیا' اور یہی مقصود بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں

زندگی کے آخری حصہ یعنی مدنی زندگی میں مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ ''زن وشوہر'' کے باہمی تعلقات کا عملی درس بھی تھا' رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ))[2]

''تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہے اور خود میں اپنے بال بچوں کے لیے بہتر آدمی ہوں اور جب ساتھی فوت ہو جائے تو اس (کی خامیوں) کو چھوڑ دو۔''

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے' نیکی اور بھلائی تو وہی ہے جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو۔ بہرحال

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب النکاح: باب فی ضرب النساء (ح۲۱۴۶)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب ضرب النساء (ح۱۹۸۵)

[2] ترمذی۔ تکاب المناقب: باب فضل ازواج النبی ا (ح۳۸۹۵)

عمل کر کے یہی دکھایا جاتا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا:

((فَاِنَّ اَکْمَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِهٖ))[1]

''سب سے زیادہ کامل مؤمن وہ ہے' جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے بال بچوں کے لیے نرم خو ہو۔''

سرور کائنات ﷺ کی محبت بیویوں سے:

سرورِ کائنات ﷺ کی عملی زندگی وہی تھی' جو فرمایا کرتے تھے' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو رسول مکرم ﷺ کی پہلی بیوی ہیں' ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کو ان کی وفات کے بعد بھی برابر یاد کرتے اور اسی حد تک نہیں' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی جو سہیلیاں زندہ تھیں آپ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر آپ کی اور کسی بیوی پر مجھے رشک نہیں ہوتا تھا' گو میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا' مگر آپ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے (کہ میرے لیے اجنبی نہ تھیں) ان سے انس و محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب بھی بکری ذبح ہوتی تو آپ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ جاتیں اور گوشت کا ایک حصہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرما دیتے۔''[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اکثر آپ سے کہا کرتی تھی' کہ کیا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے؟ یہ آپ کی کثرتِ یاد کو دیکھ کر کہتی' جب بھی میں یہ باتیں کہتی تو آپ ﷺ فرماتے: بات یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے اولاد دی تھی' اور وہ ایسی نیک اور باوفا تھی۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویوں سے محبت

اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے' اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر صحابی ہیں'

[1] ترمذی۔ کتاب الایمان: باب استکمال الایمان (ح ۲۶۱۲)

[2] بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب تزوج النبی ﷺ خدیجۃ وفضلھا رضی اللہ عنھا۔
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل خدیجۃ رضی اللہ عنھا (ح ۲۴۳۵)

[3] بخاری (۳۸۱۸)' مسلم (۲۴۳۵)۔

ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے' جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کی بیوی بیمار ہیں' یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقع پر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کیں۔[1]

انہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے محترم ابا جان نے آپ کو حکم دیا کہ بیوی کو علیحدہ کر دو (یعنی طلاق دے دو)' یہ سن کر حیص بیص (تذبذب) میں پڑ گئے کہ ایک طرف بیوی کی محبت' دوسری طرف والد محترم کا حکم' نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پائے' بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے تقریباً انکار کر دیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو آپ کے والد محترم تھے' انہوں نے یہ مقدمہ دربارِ نبوی میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جا کر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔[2]

جگر گوشہ بتول سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہما نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بیوی کا جو کچھ مہر تھا بیوی کے یہاں بھجوا دیا' ان کی بیوی کو جب طلاق کی خبر پہنچی تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگیں' قاصد نے آ کر بیوی کا یہ سب حال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا' تو آپ بھی بے اختیار رو پڑے' اور فرمانے لگے اگر بائن طلاق نہ دے چکا ہوتا تو رجوع کر لیتا۔[3]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے' کہ ان کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی' اور اس محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گزرتا تھا' اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے۔ اس کی اطلاع جب ان کے والد بزرگوار صدیق اکبر کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا کہ ''بیوی کو طلاق دے دو'' پہلے تو صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی' مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر مجبور ہو گئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ علیحدہ کرنے کو تو کر دیا' مگر دل سے محبت نہ گئی' جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا ''رجوع کر لو''۔[4]

سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا اور مغیث رضی اللہ عنہ کی محبت کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور

---

[1] بخاری۔ کتاب التقصیر: باب تصلی المغرب ثلاثا فی السفر (ح۱۰۹۲)

[2] ابو داؤد۔ کتاب الادب: باب فی بر الوالدین (ح۵۱۳۸)۔
ترمذی۔ کتاب الطلاق باب ماجاء فی الرجل یسأله ابوه ان یطلق زوجته (ح۱۱۸۹)
ابن ماجه۔ کتاب الطلاق: باب الرجل یامره ابوه بطلاق امرأته (ح۲۰۸۸)۔

[3] اسوۂ صحابہ ۱/۳۵۳۔ [4] ان واقعات کے لیے دیکھیے اسوہ صحابہ جلد اوّل ص ۲۵۳۔

دلچسپ بھی۔ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا پہلے لونڈی تھیں اور ان کی شادی سیدنا مغیث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ جب یہ آزاد کر دی گئیں تو شرعی طور پر ان کو شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ سیدہ بریرہؓ نے آزادی کے بعد طے کر لیا کہ مغیثؓ کے ساتھ نہ رہیں گی' سیدنا مغیث کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔[1]

اسلام کے قوانین عفت وعصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمان عزت وعظمت کی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں' اور کیسے یہ عزت و رفعت حاصل نہ کرتیں جب کہ پیغمبر اسلام نے ان کو ان کے حقوق دلوائے ہیں۔

بیوی کے حقوق کی اہمیت:

عبادت وریاضت کتنی قابل ستائش چیز ہے! مگر اسلام نے یہاں بھی برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے ان کو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے۔ شروع شروع میں ایک سے زائد صحابیوں کے اس طرز عمل پر' کہ راتوں کو عبادت گزاری میں بسر کرتے تھے اور ''زن وشوہر'' کے باہمی تعلقات کی ان کی نگاہوں میں وقعت نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر ان کو سمجھایا:

((اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))[2]

''تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔''

اس سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لیے نظافت کا اہتمام:

اپنی بیوی کے لیے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنے کی عملی صورتیں جہاں یہ ہیں کہ بیوی کی خاطر مدارت' دل جوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے' اسی کے ساتھ ان باتوں کا بھی مردوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے جس کی طرف نبوی ارشادات میں

---

[1] بخاری۔ کتاب الطلاق: باب خیار الامة تحت العبد۔ (ح ۵۲۸۰' ۵۲۸۳)
ابو داؤد۔ کتاب الطلاق: باب فی المملوكة تعتق (ح ۲۲۳۱)

[2] سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری۔ کتاب النکاح: باب لزوجک علیک حق (ح ۵۱۹۹)' مسلم۔ کتاب الصیام: باب النهی عن صوم الدهر (ح ۱۱۵۹) میں ہے اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قصہ بخاری۔ کتاب الصوم باب من اقسم علی اخیه لیفطر فی التطوع (ح ۱۹۶۸) میں موجود ہے۔

اشارے کیے گئے ہیں۔

مثلاً: شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آئے۔ تا کہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں وضع قطع میں صاف ستھرا اور پاکیزہ مذاق ہے' گندا گھناؤنا' بدسلیقہ اور پھوہڑ نہیں ہے۔ آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی صاف ستھری رہے' میلی کچیلی نہ رہے تو اسی طرح عورتوں کی بھی تو طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں۔ یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں؟ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی' صفائی' پاکیزگی' خوش وضعی کی اپنی مثال آپ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ سفر وحضر ہر حال میں آئینہ' کنگھی' سرمہ دانی اور اسی قسم کی چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستگی میں مدد ملتی ہے' رسول اللہ ﷺ التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے؟[1]

سید الکونین ﷺ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں ہی بری ہیئت میں رہے۔ سیدنا عطاء بن یسار رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے' کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا' جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے اور پریشان تھے۔ آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ بالوں کو درست کر لے۔ چنانچہ اس نے اشارۂ نبوی پا کر سر اور داڑھی کے بال درست کر لیے' اور اس شخص کے پلٹتے وقت آپ نے جب اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا: کیا یہ ہیئت اس پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے وہ جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی؟[2]

بیوی کے لیے سامان طہارت و نظافت:

ان حدیثوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے' کہ شوہر کو بیوی کے لیے خصوصاً صاف ستھرا رہنا چاہیے' اور بیوی کو شوہر کے لیے' تو یہ ایسی بات ہوگی جس پر عمل کرنا چاہیے' فقہائے کرام نے تفصیل بیان کی ہے کہ مردوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ بیوی کو ایسے سامان فراہم کر کے دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے:

((وَ يَجِبُ عَلَيْهِ مَا تُنَظِّفُ بِهِ وَ تُزِيْلُ الْوَسَخَ كَالْمُشْطِ وَالدُّهْنِ

---

[1] اس سلسلہ کے لیے مشکوٰۃ باب الترجل کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] موطا امام مالک (۹۴۹/۲)' عطاء بن یسار تابعی ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس حدیث میں کنگھی کے بغیر نظافت دی گئی ہے' جبکہ سر کو کنگھی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ سے صحیح بخاری (۵۹۲۵) مسلم (ح ۲۹۷) میں موجود ہے۔

وَالسِّدْرِ وَالْخَطْمِيُّ وَالْأُشْنَانِ وَ الصَّابُوْنِ عَلٰى عَادَةِ اَهْلِ الْبَلَدِ وَ اَمَّا)) الطِّيْبُ فَيَجِبُ عَلَيْهِ مَا يَقْطَعُ السُّهُوْكَةَ لَاغَيْرَ وَ عَلَيْهِ مَا تَقْطَعُ الصِّنَانَ))[1]

''شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے ایسی چیزوں کا سامان کر دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے اور میل کچیل سے پاک رہے' جیسے کنگھی' تیل بیری کی پتی' خطمی' شنان اور صابون وغیرہ جیسا کہ وہاں رواج ہو اور اتنی خوشبو کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے' جس سے بدبو کو دور کر سکے۔ اسی طرح بغل کی بو کو دفع کرنے کا سامانمہیا کرے۔''

((وَعَلَيْهِ الْمَاءَ مَا تَغْسِلُ بِهٖ ثِيَابَهَا وَ بَدَنَهَا مِنَ الْوَسَخِ))[2]

''اتنا پانی بھی فراہم کر دینا شوہر پر ضروری ہے جس سے کپڑے اور اپنا بدن دھو سکے۔''

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے' کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے' تو اس کو واپسی کے وقت چاہئے کہ بیوی کو کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے اور دفعتاً پہنچنے کی کوشش نہ کرے' وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں رکھتی جو اس کو شوہر کے لیے رکھنا چاہئے' اس لیے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائے گی' تو وہ اپنے آپ کو سنوار لے گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لِكَيْ تَمْشِطَ الشَّعِثَةُ وَ تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ))[3]

''تاکہ عورت پراگندگی درست کر لے اور لوہا استعمال کر کے صاف ستھری بن جائے۔''

بیوی کی بیماری یا مصیبت میں اظہار وفاداری:

شوہر کا یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ بیوی کے ساتھ وفاداری اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے' اگر حوادثِ زمانہ کی وجہ سے عورت پر کوئی ناگہانی مصیبت آ جائے تو محبت اور لطف و کرم میں کمی نہ کرے' بلکہ پہلے سے بڑھ کر اخلاق و مروت سے پیش آئے' بیمار پڑ جائے تو علاج کرائے' کوئی دوسری مصیبت آئے تو اس کے دفعیہ کی سعی کرے' اگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کی شکل وصورت

[1] رد المحتار۔ ۲/ ۷۰۴۔ [2] عالمگیری مصری ۱/ ۵۶۹۔

[3] بخاری۔ کتاب النکاح: باب تزویج الثیبات (ح۵۰۷۹)

مسلم۔ کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح البکر (ح۵۷/ ۷۱۵)

میں فرق آ جائے تو عورت کو بدصورت دیکھ کر بے مروتی اور بد اخلاقی کا برتاؤ نہ کرے' بلکہ اسکی دل دہی اور دل جوئی کرے۔ مرد اگر ایسا نہ کرے گا تو اس اللہ کی بندی کا دل ٹوٹ جائے گا' اسکی مسرت حزن وملال میں تبدیل ہو جائے گی' اور عورت مرد کی بے وفائی پر گھٹ گھٹ کر جان دے دے گی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ کل ایک حسین و دلفریب عورت کو شادی کر کے لائے اس پر اپنی جان نثار کی اور بلائیں لیں' اور اس کی خوشنودی کے لیے بازار چھان ڈالا اور قیمتی زیور اور کپڑے لا کر دئے' سب کی ناراضی برداشت کی' مگر رفیقہ حیات کی اداسی برداشت نہ ہو سکی۔ اتفاق کی بات وہی بیمار ہوئی اور آج اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چیچک نے اس کی صورت بگاڑ دی یا آنکھوں کی بینائی چھین لی' وہ۔ آئینہ دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں' کہ میں یہ کیا سے کیا بن گئی' اور اگر خوبصورت آنکھوں کی روشنی جاتی رہی ہے تب تو ساری دنیا ہی اندھیری ہے' بیچاری عورت ان مصیبتوں کی تاب نہ لا کر دن رات روتی ہے۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ شوہر کی آنکھیں پھر گئیں' بات بات پر غریب جھڑکی جا رہی ہے۔ اس کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی جا رہی ہے اور بے قصور ٹھوکر لگائی جا رہی ہے۔ یہ بساطِ محبت کیوں الٹ گئی اور بہار خزاں میں کیوں تبدیل ہو گئی!!؟ کہ حسن و جمال جاتا رہا اور وہ بھی قدرتی مرض سے۔!

للہ سوچا جائے کیا انسانیت کا یہی تقاضا ہے؟ محبت کا یہی انجام ہے؟ اور اخلاق کی عدالت کا یہی فیصلہ ہے؟ پھر یہ بھی پیش نظر رکھنے کی سعی کی جائے کہ غریب و بے کس عورت کی دلسوزیوں کا وبال کس کے سر ہو گا؟ اس کے گرم گرم آنسو جو آنکھوں سے جاری ہیں کیا رنگ لائیں گے؟ یقین کیا جائے کہ اسلام ایسی بے مروتی اور کج خلقی کی اجازت نہیں دیتا' وہ ایسی سنگ دلی کو برداشت نہیں کرتا' بلکہ اعلان کرتا ہے:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ))[1]

''اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے' جو رحم نہیں کرتا۔''

بیوی کے جذبات کا پاس:

یہ تو ایک ضمنی بات تھی اصل میں یہ بتانا مقصود تھا کہ شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے' اس کے تمام داعیات و جذبات کا پاس کرے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے' کہ ایک گھر

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمة الولد (ح۵۹۹۷)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمة صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال (ح۲۳۱۸)

سے درد ناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی' آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے' ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی۔

فَوَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ تُخْشٰی عَوَاقِبُهٗ لَزُحْزِحَ مِنْ هٰذَا السَّرِیْرِ جَوَانِبُهٗ

اللہ تعالیٰ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کے عتاب کا خوف نہ ہوتا تو بلاشبہ اس چار پائی کے کنارے جنبش میں ہوتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا' کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس سچے جذبہ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے تھیں' پوچھا: ''عورت بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے۔'' سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''چار مہینے'' یہ معلوم کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا:

((لَا یَتَخَلَّفُ الْمُتَزَوِّجُ عَنْ اَهْلِهٖ اَكْثَرَ مِنْهَا(اَیْ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ))[1]

''جو (سپاہی) شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے۔''

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے' اور اگر زیادہ مدت کے لیے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلاء کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت' یا چار ماہ' یا اس سے زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت ہوگی:

﴿لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۶، ۲۲۷)

''جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھے ہیں' ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے' سو اگر یہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۵۴ تحت سورۃ البقرۃ: ۲۲۷) مصنف عبدالرزاق (۱۲۵۹۳-۱۲۵۹۴) بیہقی (۹/ ۲۹) المحلی لابن حزم (۱۰/ ۴۰)

لوگ رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے' رحمت فرمائیں گے۔ اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔''

بیوی پر اعتماد:

مرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بیوی پر اعتماد کرے اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے حوالہ کر دے۔ تاکہ وہ اپنی حیثیت کو جان سکے' اور اس کی عزت وعظمت اور اس کا وقار اس میں خود اعتمادی پیدا کرے' نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو گھر کا نگران قرار دیا ہے' ارشاد نبوی ہے:

((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا))[1]

''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔''

دوسری بہت سی احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' جن میں کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کے مال کی محافظ ہیں' بیوی پر اعتماد سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا وقار بلند ہوگا' اور یہ اپنے آپ کو گھر کے ایک شعبہ کی ذمہ دار سمجھے گی' جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو بڑی حد تک سکون رہے گا اور اس کو اطمینان کی زندگی میسر ہوگی۔

بیوی کی راز داری:

بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات کو دوسروں سے نہ کہے' بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجہ میں رہنے دے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردہ کی باتوں کو افشاء کرے:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً الرَّجُلُ يُفْضِي اِلَى امْرَأَتِهٖ وَتُفْضِي اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))[2]

''لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس سے ملے' پھر مرد اس کے راز کی بات کو پھیلائے۔''

معلوم ہوا کہ مرد وعورت کی پرائیوٹ باتیں طشت از بام نہ ہونی چاہئیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت ومرد کے باہمی استمتاع کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب المراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا (ح۵۲۰۰)
مسلم۔ کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامیر العادل (ح۱۸۲۹)

[2] مسلم۔ کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المرأۃ (ح ۱۴۳۷)

مثلاً: یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی' اور پھر زن وشوہر کے راز کی کہانی بیان کرے' حد یہ ہے کہ بلا فائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہیت سے خالی نہیں امام موصوف لکھتے ہیں:

((فِی هٰذَا الْحَدِیْث تَحْرِیْمُ اِفْشَاءِ الرَّجُل مَایَجْرِیْ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ امْرَاتِهٖ مِنْ اُمُوْرِ الْاِسْتِمْتَاعِ وَ وَصْفِ تَفَاصِیْلِ ذَالِكَ وَمَایَجْرِیْ مِنَ الْمَرْاَةِ فِیْهِ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْنَحْوِهٖ)) [1]

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کا ظاہر کرنا جیسے لطف اندوزی اور اس کی تفصیل' کہ باہم ایسے ایسے ہوا' حرام ہے۔ اسی طرح عورت سے متعلق کوئی راز کی بات' یا کوئی فعل' یا اور کسی ایسی ہی چیز کا اظہار بھی حرام ہے۔''

بیوی کا نفقہ:

شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت کچھ ذمہ داری عائد کی ہے' ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ''بیوی'' کو نفقہ (کپڑا' کھانا اور گھر) دیا کرے' اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کر دے جو اس کے لیے ضروری ہیں' تاکہ وہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کر سکے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ﴾

(الطلاق: ۶۵/ ۷)

''جس کو گنجائش ہو اس کو چاہیے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی تلی تلی ہو وہ جتنا اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے' اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔''

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا ہے' بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے انداز ہی سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۳۳)

[1] شرح مسلم ۱/ ۴۶۴

''اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے' کسی شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔''

یہ ارشاد بتاتا ہے کہ بیوی کے ''نفقہ'' کا بار شوہر پر اس لیے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ بچہ پیدا کرے' اس کی تربیت اور نشوونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے' جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خود مرد کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا' اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا۔

پہلے ابواب میں جو احادیث گزر چکی ہیں' ان میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بیوی کا حق یہ بھی ہے:

((اَنْ تُحْسِنُوْ اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ)) [1]

''کہ تم ان (بیویوں) کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔''

مقدار نفقہ:

سیدنا ابوسفیانؓ کی بیوی ہندؓ بنت عتبہ کا واقعہ مشہور ہے' کہ نبوی سرکار میں حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں' کہ میرے شوہر کنجوس آدمی ہیں' بخوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کو کافی ہو' یہ روداد سنا کر دریافت کیا:

((فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِيْ لَهٗ عِيَالَنَا)) [2]

''اگر میں ان کے مال سے بال بچوں کو کھلاؤں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟۔''

آپؐ نے فرمایا:

((خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَ وَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ)) [3]

''اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لیے کافی ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کا انتظام نفقہ:

خود سرور کائنات ﷺ کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواج مطہراتؓ کے نفقہ کا انتظام فرمایا

[1] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا (ح۱۱۶۳)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب حق المرأۃ علی الزوج (ح۱۸۵۱)

[2] بخاری۔ کتاب النفقات: باب نفقۃ المرأۃ اذا غاب عنھا زوجھا (ح۵۳۵۹)۔
مسلم۔ کتاب الاقضیۃ: باب قضیۃ ھند (ح۹/ ۱۷۱۴)۔

[3] بخاری۔ کتاب النفقات: باب اذالم ینفق الرجل فللمرأۃ ان تاخذ (ح۵۳۶۴)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح۷/ ۱۷۱۴)

کرتے‘ بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لیے خاص کر رکھا تھا‘ جسے فروخت کر کے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کرا دیتے:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَبِیعُ نَخلَ بَنِی النَّضِیرِ وَ یَحبِسُ لِاَھلِہٖ قُوتَ سَنَتِھِم))[1]

’’نبی کریم ﷺ نخل بنی نضیر (باغ کا پھل) کو فروخت فرما دیا کرتے اور اس کی قیمت اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نان ونفقہ کے لیے جمع فرما دیتے۔‘‘

فقہاء نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے‘ خواہ بیوی مالدار ہو یا غریب جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے زیر فرمان ہے تو نفقہ دلوایا ہے۔ نفقہ کا ماحصل کھانا‘ کپڑا اور مکان ہے:

((ھِیَ لُغَۃً مَا یُنفِقُہُ الاِنسَانُ عَلٰی عِیَالِہٖ وَشَرعًا ھِیَ الطَّعَامُ وَالکِسوَۃُ وَ السُّکنٰی))[2]

’’لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں‘ جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانے‘ کپڑے اور مکان کا نام ہے۔‘‘

اس کی تفصیل فقہ اسلام کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بیوی کو والدین سے ملنے کی اجازت:

بیوی کے حقوق میں سے شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے‘ کہ بیوی کو اس کے ماں باپ سے ملاقات کی اجازت دے اور قریبی رشتہ دار سے بھی۔ یعنی ان لوگوں سے بھی جو محرم ہیں۔ خود رسول رحمت ﷺ کا یہ دستور تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمہ ﷞ کے گھر جا کر ملاقات کرتے۔ شیخین یعنی سیدنا ابوبکر وعمر ﷠ اپنی اپنی صاحبزادیوں سے ملنے کی غرض سے کاشانہ نبوی ﷺ میں حاضری دیا کرتے۔ حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملنے کے لیے جائے تو شوہر کو روکنا نہیں چاہئے۔ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ بیوی کے والدین کسی معقول عذر کی وجہ سے خود حاضری سے مجبور ہوں‘ ورنہ وہ خود آ کر لڑکی سے مل جائیں۔

---

[1] بخاری۔ کتاب النفقات: باب حبس نفقة الرجل قوت سنة علی اهله (ح ۵۳۵۷)
مسلم۔ کتاب الجهاد: باب حکم الفئی (ح۱۷۵۷)

[2] درمختار یا ردالمختار باب النفقة۔

زن وشوہر میں اختلاف کے وقت حکم:

بیوی سے کسی بات میں اختلاف ہو جائے اور کشیدگی بڑھ جائے تو شوہر کے لیے اس وقت بھی عجلت پسندی اچھی نہیں سمجھی گئی ہے۔ ضرب کے بعد بھی معاملہ درست نہ ہو تو ایسی شکل میں دونوں جانب سے پنچ مقرر کرایا جائے' قرآنی ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ (النساء: ۴/ ۳۵)

''اگر تم اوپر والوں (ورثاء) کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو' مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو' تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔''

مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھا جائے کہ جو بھی پنچ مقرر کیے جائیں وہ مخلص ہوں' کیونکہ ان کا اخلاص ہی ان گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے' ورنہ پھر فائدہ کی بجائے شدید نقصان کا احتمال ہے۔

قرآن پاک سے بھی اس کی یوں تائید ہوتی ہے:

﴿ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴾ (النساء: ۴/ ۳۵)

''ان دونوں آدمیوں کو اگر اصلاح منظور ہوگی' تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرما دیں گے' بلاشبہ اللہ بڑے علم والے اور باخبر ہیں۔''

مولانا تھانویؒ اس سلسلہ کی آیات کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اور جو عورتیں ایسی ہوں' کہ تم کو قرائن سے ان کی بد دماغی کا احتمال قوی ہو تو ان کو اوّل زبانی نصیحت کرو' نہ مانیں تو ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو' یعنی ان کے پاس مت لیٹو اور اس سے بھی نہ مانیں تو ان کو اعتدال کے ساتھ مارو' پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ اور موقع مت ڈھونڈو۔ اور اگر قرائن سے تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں ایسی کشاکش کا اندیشہ ہو کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں گے' تو تم لوگ ایک آدمی' جو تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی' جو ایسے تصفیہ کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے تجویز کر کے اس کشاکش کو رفع کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجو' کہ وہ جا کر تحقیق

حال کریں اور جو بے راہی پر ہوا ہے' یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو تو انہیں سمجھا دیں۔ ان دونوں آدمیوں کو سچے دل سے معاملہ کی اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں' بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر عمل کریں' اتفاق فرمائیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑے خبر والے ہیں' جس طریقہ سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں' جب وہ حکمین (فیصلہ کرنے والوں) کی نیت ٹھیک دیکھیں گے تو طریقہ ان کے قلب میں القاء فرما دیں گے۔"[1]

اس مقام پر مولانا صلاح الدین یوسف تفسیر احسن البیان میں لکھتے ہیں:[2]

بہر حال پنچ دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ دونوں میاں بیوی کے اختلاف کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کی انتھک جدوجہد کریں' اور دونوں کو ایک مرکز پر لا کر باہم جوڑ دیں۔ ساتھ ہی میاں بیوی کا بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ پنچ سے تعاون کریں اور جو صورت صلح اور میل ملاپ کی پیدا کر رہے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کریں۔

❀❀❀

---

1. بیان القرآن ۲/۱۱۵
2. گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حَكَمَيْنِ (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حَكَمَيْنِ کو تفریق بین الزوجین یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقہ (جدائی کے لیے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر طبری' فتح القدیر' تفسیر ابن کثیر) (احسن البیان ص ۲۳۸ از حافظ صلاح الدین یوسف)

دلہن کے فرائض واختیارات اور ذمہ داریاں

بیوی کے ''حقوق'' کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا اجمالی نقشہ پیش کیا جا چکا۔ اب مردوں کے ''حقوق'' کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کر دینا مناسب ہے' تاکہ دونوں کے فرائض واختیارات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکے کہ اسلام نے عصمت وعفت کے تحفظ کی کتنی زبردست جدوجہد کی ہے' اور دونوں کے باہمی رشتہ محبت کو کس قدر پائیدار اور جاندار قرار دیا ہے۔

قانون کا معیار کمال:

کوئی ایسا قانون کہ جو صرف ایک فریق پر ذمہ داری عائد کرے اور دوسرے کو ہر ایک ذمہ داری سے بری قرار دے' وہ کتنا ہی خوشنما اور جاذب نظر کیوں نہ ہو' مگر اسے ادھورا اور ناقص ہی کہا جائے گا۔ آئین اور ضابطے وہی مکمل ہو سکتے ہیں جو ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کو لازم قرار دیں گو اس کی شکل مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اپنی خلقت میں کمزور' اپنے فطری جذبات میں اعتدال سے دور اور اپنی جسمانی ساخت میں بڑی حد تک ضعیف ہے' اور اسی وجہ سے یہ قابل لطف وکرم' لائق انس و محبت اور باعث درگزر ہے' مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اسکے لائق ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش رکھا جاتا' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورت و مرد کی اجتماعی زندگی نہایت ناخوش گوار حد تک پہنچ جاتی۔

نظام منزلی کی صدارت:

اسلام نے عورت کی ان تمام کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھی مرد کے مقابلہ میں جن کی وہ فطرتاً حامل ہے اور اسی وجہ سے باہمی زندگی کی صدارت و امارت مرد کے سر ڈالی گئی' یعنی زن و شوہر کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد کو منتخب کیا تاکہ نظام منزلی میں کوئی سخت وقت آئے تو مرد

اللہ کریم کی طرف سے ودیعت کردہ اپنی قوت وشوکت سے اسے حل کرے اللہ تعالیٰ نے مرد کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء: ۴/ ۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے بھی کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

جس کا ماحاصل یہ ہے کہ مردوں کو علم وعمل میں چونکہ فضیلت اور بڑائی عطاء کی گئی ہے' ساتھ ہی مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عورت کو مہر' خوراک و پوشاک وغیرہ کے راستے سے سہارا دیتے ہیں' اس لیے بھی مرد کو زن وشوہر کی باہمی زندگی کا امیر اور صدر بنایا گیا ہے۔

مرد کی صدارت کی وجہ:

کوئی ذی عقل انسان اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ مرد اللہ کریم کی طرف سے عطاء کردہ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے امور میں عورت سے فائق ہے' غریب عورت پر زندگی میں حیض ونفاس وحمل جیسا کچھ زمانہ ایسا گزرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہو جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرد کی صدارت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوام بنایا جائے' اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو' اس لیے کہ مرد عقل میں کامل' سیاست میں ماہر' حمایت میں مضبوط اور ننگ وعار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے' اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے کہ مرد عورت کا کپڑا' روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے۔''[1]

جدید تحقیق میں مرد کی حیثیت:

جدید تحقیق نے بھی اس کی تائید کردی ہے کہ مرد کا دماغ عورت سے بڑا' اس میں فہم وذکا کا مادہ نسبتاً زیادہ اور اس کی عقل میں نسبتاً پختگی ہوتی ہے' ساتھ ہی مرد جسم اور عضلات کے لحاظ سے بھی مضبوط ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اقوال پہلے نقل کیے جا چکے ہیں' یہاں بھی کچھ لوگوں کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

مشہور نیشنلسٹ فلاسفر علامہ پرودن اپنی کتاب ''ابتکار النظام'' میں لکھتا ہے:

---

[1] حجة البالغة: حقوق الزوجية ۲/ ۱۳۶

''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت' مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے' اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن وقبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے' وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی' پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی امر نہیں ہے' بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔''[1]

اس قول کو نقل کر کے علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

''حواس خمسہ' جن پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دارومدار ہے' ان میں بھی مرد و عورت میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ' مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔''[2]

پھر کچھ آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں:

''علم سائیکو جیا نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۂ اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو گرام زیادہ ہے۔''[3]

عورت کا دماغ:

جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے جس کا اثر عقل وشعور پر پڑتا ہے۔ تولنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ احمق کا دماغ عقلمند کے دماغ سے کافی چھوٹا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

''یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے' مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹.۵) ساڑھے انچاس اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف (۴۴) چوالیس۔ دو سو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کیے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن (۶۵) پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن (۳۴) چونتیس اوقیہ ثابت ہوا' لیکن جب دو سو اکانوے (۲۹۱) عورتوں

---

[1] مسلمان عورت ص ۳۹۔

[2] ایضاً۔ [3] مسلمان عورت ص ۴۱

کے دماغ وزن کیے گئے تو سب سے وزنی دماغ چون (۵۴) اوقیہ کا' اور سب سے کم وزنی دماغ اکیس (۲۱) اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں۔''[۱]

پھر واضح رہنا چاہئے کہ یہ اختلاف ہر جگہ واقع ہوتا ہے' اس میں متمدن اور غیر متمدن کا کوئی سوال نہیں کہ جس کی آڑ لے کر بعض ناسمجھ بحث شروع کر دیتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا کا مصنف پروفیسر دوفاریني لکھتا ہے:

''جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے' اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔''[۲]

ماحصل یہ ہے کہ جدید تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ مردوں میں عورتوں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے اور مرد صلاحیت میں ہر اعتبار سے عورت سے بڑھے ہوئے ہیں۔[۳]

---

[۱] مسلمان عورت ص ۱۴۱   [۲] ایضاً

[۳] مغربی تہذیب کے مخصوص نظریات میں سے ایک نظریہ مرد اور عورت کی مساوات تھا۔ مغربی دنیا میں پچھلے سو سال سے اس نظریہ کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ مگر یہ تجربہ سراسر ناکام ثابت ہوا ہے۔ کسی بھی شعبہ میں یہ ممکن نہ ہو سکا' کہ مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا جائے۔ قانون کے اعتبار سے برابری کا درجہ پانے کے باوجود عملی طور پر دونوں سماج کے اندر برابری کا مقام حاصل نہ کر سکے۔ آج کی جدید سائنسی تحقیقات نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن حکیم کا چودہ سو سال پہلے کا اعلان کہ الرجال قوامون علی النساء ہی درست ہے اور عورت اور مرد جب تخلیق میں برابر نہیں تو حقوق و معاملات میں مساوات کے مصداق کیسے بن سکتے ہیں؟ موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان قرآن کے فیصلے کے عین مطابق واضح فرق ہے اور اس فرق کے بارے میں ابتداء یہ کہا گیا کہ یہ فرق ماحول (Environment) کا پیدا کردہ ہے' مگر جدید تحقیقات اس مفروضہ کو سراسر بے بنیاد ثابت کر رہی ہیں۔ مختلف شعبوں میں تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ یہ فرق حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے۔ اور یہ تمام تر پیدائشی ہے نہ کہ تاریخی۔

نیویارک کے نیوزویک (۱۸ مئی ۱۹۸۱ء) میں ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی۔ جس میں مختلف امریکی محققین کے نتائج تحقیق درج ہیں' ان محققین میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ عورت اور مرد کی بناوٹ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مرد کا مسائل کو حل کرنے میں زیادہ بہتر ثابت ہونا' عورتوں کا جذباتی طور پر سوچنا' لڑکیوں کے مقابلہ میں لڑکوں کا زیادہ بہادرانہ انداز سے کھیلنا' ریاضیات میں مردوں کا زیادہ برتر ہونا' یہ سب دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی فرق کا نتیجہ ہے' نہ کہ محض ماحول کا۔ ←

محققین کا خیال ہے کہ قائدانہ خصوصیتیں (Leadership capacities) مردوں میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ جدید تحقیقات لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف لے جا رہی ہیں کہ سابقہ خیال کے برعکس پرورش (Nurture) نہیں، بلکہ فطرت (Nature) وہ اصل عامل ہے۔ جس نے مرد اور عورت کے عمل میں فرق پیدا کیا ہے۔ عمومی طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ لڑنے بھڑنے کی صلاحیت عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے اندر زیادہ ہوتی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ دونوں کے ہارمون (Harmone) جدا جدا ہوتے ہیں اور وہی دونوں کے درمیان فرق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کچھ محققین نے نر کے ہارمون (Harmone testosterone) کو مادہ کے جسم کے اندر داخل کیا تو مادہ کے اندر نر کی خصوصیات محسوس کی جانے لگیں۔ کچھ لڑکیوں میں پیدائش سے پہلے ہی مردانہ ہارمون داخل کر دیئے گئے۔ چنانچہ پایا گیا کہ پیدائش کے بعد ان میں گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا شوق بہت کم تھا۔ ان میں لڑکوں کی طرح جارحیت کا مزاج زیادہ پایا گیا۔

محققین نے پایا ہے کہ ہارمون خود دماغ کے ڈھانچہ کو بدل دیتے ہیں۔ نر اور مادہ کے دماغ میں فرق پایا گیا ہے اور اس کا سبب دونوں کے ہارمون کا فرق ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجہ میں دونوں صنفوں کے درمیان ناقابل انکار فرق موجود ہے۔

عورت کے بارہ میں نفسیات اور حیاتیات کا علم بتاتا ہے کہ وہ ''صنف نازک'' ہے۔ وہ مرد کے مقابلہ میں کمزور اور نازک ہوتی ہے۔ اس کے مزاج میں انفعالیت ہے۔ چنانچہ کسی واقعہ سے وہ بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہر آدمی جانتا ہے، خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا۔ ہر باپ جانتا ہے کہ بیٹے سے سختی کی جا سکتی ہے۔ مگر بیٹی کے ساتھ نرمی کا معاملہ ضروری ہے، کیونکہ وہ شدت کا تحمل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خود کشی کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ خودکشی کرتی ہیں۔ وہ ایک معمولی واقعہ سے متاثر ہو کر خودکشی کر سکتی ہیں۔ یا ذہنی اختلال کا شکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

یہی وہ معلوم حقیقت ہے، جس کو حدیث میں تمثیل کے انداز میں عورت کو پسلی کی مثل بیان کیا گیا ہے۔ آدمی کے سینے میں پسلی کی ہڈیاں کسی قدر خم دار ہوتی ہیں ان کا خم دار رہنا ہی مصلحت کے مطابق ہے۔ کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں کرتا کہ آپریشن کے ذریعہ ان پسلیوں کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔

اسی معلوم واقعہ کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ ان کی فطرت کے مطابق پیش آؤ۔ عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ ذہن نشین رکھو کہ عورتیں فطری طور پر نازک اور جذباتی ہوتی ہیں۔ اللہ نے مخصوص مصالح کے تحت انہیں بالارادہ ایسا ہی بنایا ہے۔ اس لیے تم ان کے ساتھ ہمیشہ نرم برتاؤ کرو۔ کوئی بات بتانا ہو تو نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتاؤ۔ اگر تم ان کے ساتھ سختی کرو گے تو ان کی شخصیت اس کا تحمل و برداشت نہ کر سکے گی۔ ان کا دل اسی طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح پسلی سیدھا کرنے میں

ٹوٹ جاتی ہے۔

رسول کریم ﷺ ایک بار سفر میں تھے۔ کچھ خواتین اونٹ پر بیٹھی ہوئی چل رہی تھیں۔ ساربان نے اونٹ کو تیز چلانا چاہا۔ اونٹ جب تیز چلنے لگتا ہے تو مسافر کا جسم ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ساربان (سیدنا انجشہ رضی اللہ عنہ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (اے انجشہ! یہ آبگینے ہیں' ذرا آہستہ چلو) ◆

جدید تحقیقات:

موجودہ زمانہ میں خاص علمی طور پر یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان بنیادی پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۸۴ء میں خواتین کی حالت پر ایک مفصل مقالہ ہے اس مقالہ کا ذیلی عنوان یہ ہے: (مرد اور عورت کے فرق کا علمی مطالعہ)۔ مقالہ کے اس حصہ میں مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں' کہ عورت اور مرد کے درمیان عین پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

اوصاف شخصیت کے اعتبار سے' آدمیوں کے اندر جارحیت کی خصوصیت زیادہ پائی گئی ہے۔ ان میں حاصل کرنے کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور ناکامی کی صورت میں عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ آسانی سے بے ہمت ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں موجودہ زمانہ میں بے شمار تجربات کئے گئے ہیں۔ مثلاً: امریکہ میں ایک تجربہ کیا گیا کہ ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔ دونوں کم عمر تھے اور ابھی بولنے کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔ تاہم ان کی جسمانی صحت یکساں تھی۔ ان کو دو الگ الگ کٹہروں میں رکھ کر نکلنے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد لڑکی رونے چلانے لگی جبکہ لڑکے نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اندازہ کرنا شروع کر دیا کہ کیا کسی طرف سے وہ نکلنے کا راستہ پا سکتا ہے۔

اسی طرح ایک تجربہ میں پایا گیا کہ بارہ ماہ کی لڑکیاں کسی اجنبی کمرہ میں ہوں اور انہیں خوفزدہ کیا جائے تو وہ اپنی ماؤں کی طرف بھاگتی ہیں۔ جب کہ اسی عمر کے لڑکے کچھ کرنے کی راہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ نیویارک یونیورسٹی میں ریسرچ کرنے والوں نے دیکھا کہ اگر ایک لڑکی بوتل پینے میں مشغول ہے' تو وہ اس وقت پینے سے رک جاتی ہے' جب کہ کوئی شخص کمرے میں آتا ہوا نظر آئے۔ اس کے برعکس ایک لڑکا کسی آنے والے پر کوئی دھیان نہیں دیتا' وہ اپنا کام بدستور جاری رکھتا ہے۔

ماہرین نے بتایا کہ عورت اور مرد کے تمام فرق ان کے جین کے اندر پائے جاتے ہیں نہ کہ سماجی حالات میں۔ عورتوں کے اندر انفعالیت کا سبب ان کے مخصوص ہارمون ہیں۔ میل (نر) ہارمون اور فی میل (مادہ) ہارمون میں یہ فرق پیدائش کے بالکل آغاز سے موجود رہتا ہے۔ (ٹائم میگزین' نیویارک ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء)

◆ صحیح البخاري۔ کتاب الادب: باب ما یجوز من الشعر (ح۶۱۴۹/ ۲۱۶۱) صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمته ﷺ النساء (ح۲۳۲۳)

مرد کی صدارت کے باوجود دونوں کے حقوق برابر ہیں:

زن وشوہر کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جو لوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ ''اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا ہے'' سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔ عقل سے بیگانہ ہو کر ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ زن وشوہر کی رائے میں اختلاف ناممکن ہے؟ تو اگر کوئی ایسی بات آ پڑی، جس میں دونوں کی رائے میں اختلاف واقع ہو گیا تو پھر اس وقت کیا کیا جائے گا؟ اسلام کہتا ہے کہ اس وقت مرد کی رائے کو ترجیح ہو گی اور عورت کا فریضہ ہے کو ایسے موقع پر مرد کی رائے کو ترجیح دے، یعنی مرد کی رائے کو مان لے، کہ یہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے باہمی اور منزلی زندگی کا صدر اعظم ہے۔ ورنہ اسلام خود چاہتا ہے کہ جو کام انجام پائے، وہ باہم مشورے اور اتفاق رائے ہی سے انجام پذیر ہو۔ علاوہ ازیں مرد و عورت میں مکمل مساوات ہے اور ہر ایک کے دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۸)

''جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ہی قاعدہ کے مطابق عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں اور مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں باوجود ایجاز و اختصار کے ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے اور ایک قاعدہ کلیہ کا اعلان ہے۔ اور وہ یہ کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مساوی ہے اور تمام انسانی حقوق میں مرد کے برابر ہے، صرف ایک امر میں البتہ عورت مرد کے برابر نہیں، جس کو لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جس کی تشریح اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ کے تحت کی گئی۔ اس ایک بات صدارت کے علاوہ عورت سارے معاملات، اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے، اور اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو یہ عزت عطاء کی۔

ایک فلاسفر کا قول:

ایک فلاسفر نے کتنی درست بات کہی ہے کہ اگر اللہ رب العزت کا مقصد یہ ہوتا کہ زن و شوہر کی اجتماعی زندگی کی صدارت عورت کے حصہ میں آئے تو عورت کو مرد کے سر والے حصہ سے

پیدا کرتا' اور اگر عورت کو خادمہ کے درجہ میں رکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورت کو مرد کے پاؤں والے حصہ سے وجود عطاء کرتا' مگر چونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مقصد نہ تھا۔ (اس لیے ایسا نہ ہوا) بلکہ ان دونوں سے بلند ایک جداگانہ مقصد تھا اور وہ یہ کہ عورت و مرد مساوات کی زندگی گزاریں' دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں' اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی عزت اور محبت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ اس لیے رب العزت نے عورت کو مرد کے پہلو سے پیدا کیا۔

صدارت کے باوجود عورت سے مشورہ کا حکم:

یہی وجہ ہے کہ صدارت کے لیے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشا یہ ہے کہ سارے امور باہمی مشورے سے طے کیے جائیں' اور اس طرح سے جو کام انجام پائیں وہ باہمی رضامندی اور خوشنودی سے ہوں۔ قرآن پاک نے جہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں' اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا ہے' اس مقام پر یہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔ قرآن نے بیان کیا ہے:

﴿ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ﴾ (البقرہ: ۲۳۳)

''پھر اگر دونوں اپنی رضاءمندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پائے پھر مؤمنوں کی شان ہی یہ بیان فرمائی:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ (الشوری: ۴۲/ ۳۸)

''اور وہ آپس کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔''

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قائم کر دیا ہے' جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہے گی اور پھر اس طرح عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ پڑ سکے گا۔

موجودہ دور میں تعطّل:

اس پرفتن زمانہ میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے کہ مالدار گھرانوں میں میاں بیوی

میں ذراسی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں علیحدہ ہو کر زندگی گزارتے ہیں' برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے' بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان میں' یہ جدائی کا زمانہ دونوں کے لیے نازک ہوتا ہے' کیونکہ نفسانی خواہشات سے کوئی خالی نہیں' اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور کہیں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے' جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

زوجۂ صالحہ اور اس کا فریضہ:

میاں بیوی کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی' اور ایسے مواقع پر مرد کی قوامیت کا فیصلہ فتنہ کے اس سوراخ کو بند کر دیتا ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ﴾ کے بعد ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۝﴾

(النساء: ۴/ ۳۴)

''پس جو نیک بخت بیویاں ہیں وہ اپنے خاوندوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے عزت اور مال کو محفوظ رکھتی ہیں۔[1] (نگہبانی کرتی ہیں)۔''

آیت کے اس ٹکڑے میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے' اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے' تاکہ دونوں میں اختلاف رائے کبھی ہو بھی تو علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے' پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا

---

[1] اس آیت کی وضاحت وہ حدیث مبارکہ کرتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:
''بہترین بیوی وہ ہے کہ جسے تم اگر دیکھو تو تمھیں خوش کر دے۔ اگر تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمھاری اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ اور جب تم گھر میں نہ ہو تو تمہارے پیچھے وہ تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔'' (سنن نسائی۔ کتاب النکاح: باب ای النساء خیر (ح ۳۲۳۳)
چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دے کر ان کے حقوق محفوظ کر دیے ہیں' اس کے بدلے میں وہ خاوندوں کی غیر حاضری میں ان کے مال اور عزت و آبرو کی حفاظت رکھتی ہیں۔ (کذا فی الشائی)
یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے مال وعزت اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور خیانت سے کام نہیں لیتیں۔ (کذا فی الشوکانی)

رَائِحَةُ الْجَنَّةِ))[1]

''جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔''

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن وشوہر کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو' تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو' کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورتِ صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے' شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے' یہ یقین پیدا کر کے کہ شوہر باہمی زندگی' یا نظام منزلی کا صدر اور امیر ہے اس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے۔ اگر اپنے صدر کی زیادتی کا شبہ ہو تو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی زیادتی اس پر آشکارا کرے' اور حزم واحتیاط اور انصاف کا جو تقاضا ہو اسے مہذب طور پر پیش کرے۔ اللہ نہ کرے اگر عورت نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کا سکون و اطمینان جاتا رہے گا' ہر کام میں انتشار اور برہمی لازمی ہے اور میاں بیوی جس چھوٹی سی سلطنت کے ذمہ دار رکن ہیں وہ تباہ و برباد ہو جائے گی' اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا' کہ دنیا کی نگاہ میں دونوں کی حیثیت اور دونوں کا وقار خاک میں مل کر رہ جائے گا اور پوری قوم پر یہ راز کھل جائے گا کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی گھریلو سلطنت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب کوئی بھی جلد ان کو اس حکومت کی رکنیت یعنی رشتہ دینے پر راضی نہ ہو گا۔

شوہر کی تعظیم وتکریم:

مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اس کی تعظیم وتکریم از بس ضروری ہے' رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَّاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الطلاق: باب فی الخلع (ح ۲۲۲۶)

ترمذی۔ کتاب الطلاق: باب ماجاء فی المختلعات (۱۱۸۷)

ابن ماجہ۔ کتاب الطلاق: باب کراھیۃ الخلع (ح۲۰۵۵)

لِزَوْجِهَا))[1]

"اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔"

اس ارشاد نبوی کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم اور اس کی دلجوئی ضروری ہے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے کو بیوی کی محبت میں سرشار کر لیا' اپنی کمائی اور جائداد بیوی کے آرام و عافیت کے لیے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اسے اپنے انس و محبت کا مرکز بنا لیا' اس کی دلجوئی اور عزت و توقیر اور احترام عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم و تکریم ہی کی حد تک تعلق کافی نہیں ہے' بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے' بیوی کو شوہر کی رضاء کی ضرورت دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ))[2]

"جو عورت مر جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔"

اطاعت اور فرمانبرداری:

شوہر کی محبت اور اس کی رضاء عورت اپنے ایثار اور فرمانبرداری ہی سے خرید سکتی ہے۔ یعنی عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہے گی تو شوہر بھی اس پر اپنی جان چھڑکتا رہے گا اور بیوی کے لیے وہ سارے جتن کرے گا' جو ایک شریف مرد کر سکتا ہے' چنانچہ

عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَ صَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ))[3]

"عورت جب دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھے' رمضان کے مہینے کے روزے رکھے' اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو تو وہ جنت کے تمام

[1] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ (ح ۱۱۵۹)

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ (ح۱۱۶۱)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب حق الزوج علی المرأۃ (ح ۱۸۵۴)

[3] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم (۶/ ۳۰۸)' مسند احمد (۱/ ۱۹۱)

دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔"

نماز روزہ اور عفت و عصمت کے تحفظ کے ساتھ شوہر کی فرمانبرداری بھی ضروری قرار دی گئی۔ اور اس حدیث میں اشارہ کیا گیا کہ عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ضروری ہے وہاں شوہر کے حقوق کا لحاظ و پاس بھی اس کا فریضہ ہے' گویا شوہر کے حقوق سے چشم پوشی کر کے عورت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سیدالکونین ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

((اَلَّتِیْ تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُہٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُہٗ فِیْ نَفْسِھَا وَلَا مَالِھَا بِمَا یَکْرَہُ))[1]

"شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب اسے کسی جائز کام کا حکم دے تو بجالائے اور شوہر کی اپنی جان و مال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو۔"

شوہر کے حقوق کی بجا آوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہو سکتا ہے؟ گویا جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں' وہ یقین کرے کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کے نزدیک بہتر نہیں ہے' سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم المرسلین پیغمبر کی نگاہ میں بہتر نہیں تو وہ نکمی اور محروم القسمت ہے۔ اور وہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں دنیا اور آخرت میں خسارہ پانے والی ہے۔

شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں:

مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیے یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کرے گی جو اللہ رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں۔ چنانچہ حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے' اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے' اب میرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لے کر اس کے بالوں میں (وگ کی طرح) شامل کر دیے جائیں کہ بدصورتی جاتی رہے۔ حضور کا اس سلسلہ میں کیا ارشاد ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے۔"[2]

---

[1] نسائی۔ کتاب النکاح: باب ای النساء خیر (ح۳۲۳۳)

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب لا تطیع المرآۃ زوجھا فی معصیۃ (ح۵۲۰۵)

شوہر کی خوشنودی:

بیوی ان امور میں بلاشبہ شوہر کا حکم بجالائے گی' جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔فرمانبردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے۔اس حدیث کو پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ فرمانبردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے:

((مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ اِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَ مَالِهِ))[1]

''تقویٰ کے بعد مؤمن کے لیے بہترین چیز' جو اس کے لیے قابل استفادہ ہے' وہ نیک عورت ہے' کہ اگر اس کو شوہر حکم کرے تو بجالائے' اس کو دیکھے تو خوش کر دے' اس کو قسم دے تو پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ ہو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرمانبردار بیوی ہے' جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی' اس پر جان دینے والی' اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی' اس کے ایک ایک حکم پر اپنے آپ کو نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پر' پھر دوسرے سے تیسرے پر منتقل ہو جاؤ' تو فرمانبردار بیوی وہی ہے جو اس حکم کو بجالائے۔[2]

← مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة (ح ۲۱۲۳)

[1] ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب افضل النساء (ح۱۸۵۷) اس کی سند میں عثمان بن ابی عاتکہ اور علی بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔

[2] ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب حق الزوج علی المرأة (ح ۱۸۵۲)۔ اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔

البتہ اس کی اطاعت لازم ہونے کی بے شمار احادیث صحیحہ موجود ہیں۔اور یہی مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ان میں سے ایک حدیث میں ہے:

حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهِ لَوْ كَانَتْ بِهِ قرحة فَلَحِسَتْهَا اَوِ انتشر من مُنْخِرَاهُ صَدِيْدًا اَوْدَمًا ثُمَّ ابتلعته ما اَدَّتْ حَقَّهُ۔ (مسند بزار کشف الاستار ۱۴۶۵) ←

اسلام نے زن وشوہر کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے اور اس سلسلہ میں دونوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اس کے لائق حقوق عطاء کیے ہیں۔ بیوی پر شوہر کے جو حقوق ہیں وہ سب اسی لائق ہیں کہ عورت دل وجان سے بجالائے۔

ایک دفعہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا کہ عورت پر اپنے شوہر کی جائز' فرمانبرداری ضروری ہے۔ بلکہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کوئی بیوی اس وقت تک ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہوسکتی ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے[1]

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگراں ہے' جس میں بیوی بھی داخل ہے پھر نگراں کے جائز حکم سے سرتابی کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔

خاوند کی طرف سے یہ احکام عورت بخوشی بجالائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیق حیات اور شریک زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لیے ایثار وقربانی سے کام لے' عورت جو کچھ کرے رفیقہ حیات ہی کی حیثیت سے اسے کرنا چاہئے' اپنے کو غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہئے۔

جنسی میلان میں حکم کی بجا آوری:

جنسی میلان کی تکمیل' جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے' مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے' کہ شوہر کی فرماں برداری کرے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ))[2]

''شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے لیے حاضر ہو جائے' گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی) ہو۔''

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ بجالائے گی تو گنہگار ہوگی۔

← ''خاوند کا حق اس کی بیوی پر یہ ہے کہ اگر خاوند کے جسم پر کوئی زخم ہو اور عورت اس کو چاٹ لے' یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون بہہ رہا ہو پھر عورت اس کو نگل لے تو اس کا حق ادا نہیں کرسکتی۔''
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے نہار العبدی کے اور وہ ثقہ راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۱۰) (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

[1] مفتاح الخطابة ص ۱۸۵ عن الحاکم۔

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة (ح۱۱۶۰)

سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ اَنْ تَجِیْئَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ))[1]

''شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے اس پر صبح تک لعنت کرتے ہیں۔''

ایک دفعہ آپ نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو اللہ رب العزت اور فرشتے اس وقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔[2]

جنسی میلان میں بیوی کی صحت کا لحاظ:

انہی بنیادوں پر امام نووی فرماتے ہیں' کہ بغیر شرعی عذر کے عورت کا شوہر کے مطالبۂ ہم بستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے۔[3] یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا ازبس ضروری ہے' صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز ہی چاہیے:

((لَوْ تَضَرَّرَتْ مِنْ كَثْرَةِ جِمَاعِهٖ لَمْ تَجُزِ الزِّيَادَةُ عَلٰی قَدْرِ طَاقَتِهَا))

''اگر کثرت مباشرت عورت کے لیے مضر ہو تو ایسی حالت میں اس کی طاقت سے زیادہ ہم بستری مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔''[4]

بہر حال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے' اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے' اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ بَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ))[5]

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها (ح۵۱۹۳)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب تحریم امتناعها من فراش زوجها (ح۱۴۳۶)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح۱۲۱/ ۱۴۳۶)

[3] شرح مسلم ج ۱، ص ۴۶۴۔ [4] درمختار باب القسم۔

[5] بخاری۔ کتاب النکاح: باب صوم المرأة باذن زوجها (ح۵۱۹۲)
مسلم۔ کتاب الزکاة: باب ما انفق العبد من مال مولاه (ح۱۰۲۶)

"شوہر موجود ہو تو بغیر اس کی اجازت کے عورت نفلی روزے نہ رکھے۔"

ان سارے قوانین کا منشا یہ ہے کہ عفت و عصمت کا تحفظ ہو اور اخلاق و اعمال پاکیزہ رہیں، ساتھ ہی زن و شوہر کے تعلقات مستحکم اور باہمی انس و محبت قائم و دائم رہے۔

شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں:

یہی وجہ تھی عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں، شوہر کی ذرا سی ناراضی ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا اطاعت کا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا: "عائشہ! یہ کیا؟ بولیں: "یہ آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے پہنے گئے ہیں۔"[1]

سیدہ خولاء رضی اللہ عنہا ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور بیان کیا کہ میں ہر رات (اچھے کپڑے) پہن، اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر اللہ کی رضاء کی خاطر اپنے شوہر کے لیے دلہن بن جاتی ہوں، ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے، سیدہ عائشہؓ نے یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔"[2]

ازواجِ مطہرات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا، کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوتی تھی۔ ایک دوسرے پر جان دیتے تھے خود ازواجِ مطہرات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ملاحظہ فرمائیے کہ ان کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام ایک مالدار عورت تھیں، مگر جب ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کل دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دی، آپ کو کوئی درد و غم پیش آیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔

صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے، آپؐ پر وہ اپنی جان

[1] ابو داؤد۔ کتاب الزکاۃ: باب الکنز ما ھو؟ وزکاۃ الحلی (ح۱۵۶۵)

[2] اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم ۱/۲۵۲

چھڑکتی تھی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں‘ آپ کو خوشبو ملا کرتیں‘ آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں۔اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں۔حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لیے خود اپنے ہاتھ سے سیدہ عائشہ رحمۃ اللہ علیہا قلادہ کے لیے رسی بٹتی تھیں۔ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے‘ آپؐ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا‘ پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔[1]

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت

صحابیات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں‘ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں‘ ان کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی‘ ابوالعاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے‘ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطاء کی‘ اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسولؐ نے ان کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا‘ یہ ہار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ماں سیدہ خدیجہ الکبریٰ رحمۃ اللہ علیہا کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔[2]

سیدہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا‘ سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہو گئے تو ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرط محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتیں۔[4]

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الطھارۃ: باب الاعادۃ من النجاسۃ تکون فی الثوب (ح۳۸۸)

[2] ابو داؤد۔ کتاب الجھاد: باب فی فداء الاسیر بالمال (ح۲۶۹۲)

[3] ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز: باب ماجاء فی البکاء علی المیت (ح۱۵۹۰)
اس کی سند میں عمر العمری راوی ضعیف ہے۔

[4] موطا (۱/ ۲۹۲) کتاب الصیام: باب ما جاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصائم (ح۱۵) واسنادہ منقطع۔

سیدنا حسنؓ کی بیوی کو طلاق کے بعد سیدنا حسنؓ ان کے شوہر کی طرف سے' جب مہر ملا تو وہ روپڑیں اور فرمانے لگیں "جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے۔"[1]

ان حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے' اسلام نے زن و شوہر کی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے' کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر محبت و اطاعت رشتہ نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے:

جو کچھ بیان ہو چکا اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا' کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے۔ کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سارے غم بھول جاتا ہے' اور اگر مرد تکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کی تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے' اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہر کے سامنے منہ بسورتی ہیں' وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

((اَلَّتِی تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ))[2]

"شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کر دے۔"

نیز اس طرح کے موقع پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر' بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت:

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی' خود سرور کائنات ﷺ کی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی یہی دستور تھا کہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتیں۔ بخاریؒ نے اپنی جامع میں ایک باب ہی باندھا ہے۔ عمل المرأۃ فی بیت زوجھا۔ (عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام و کاج کرنا) اور اس کے ضمن میں سیدہ

---

[1] اسوۂ صحابیہؓ ۱/ ۲۴۹۔

[2] نسائی۔ کتاب النکاح: باب ای النساء خیر (ح ۳۲۳۳)

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔[1]

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کر لیا کریں۔ سیدہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا جب چکی چلا سکتی ہیں' تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں' روٹی بھی پکاتی ہوں؟ امام مالک تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جب کہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے' خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔[2]

غزوۂ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا' ان میں سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ان کی بیویاں بھی' اس وقت تک ان سے ترکِ تعلق کر لیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آ جائے۔ اس فرمان کے فوراً بعد ہی ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی ''میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں' کوئی خادم نہیں ہے' جوان کی خدمت انجام دے سکے' لہٰذا حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجہ ہلال کو اس کی اجازت دے دی۔[3]

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے' کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔[4]

ضد اور ہٹ دھرمی سے پرہیز:

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ دھرمی ہے' اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہئے' کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی ان کی طبیعت کے خلاف پڑی آگ بگولہ

---

[1] بخاری۔ کتاب النفقات: باب عمل المرآۃ فی بیت زوجھا (ح ۵۳۶۱)
مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب التسبیح اول النھار وعند النوم (ح ۲۷۲۷)

[2] دیکھئے عمدہ القاری ج ۱ ص ۶۳۵ و زاد المعاد ج ۴' ص ۳۲۔

[3] بخاری۔ کتاب المغازی: باب حدیث کعب بن مالك (ح ۴۴۱۸)
مسلم۔ کتاب التوبة: باب حدیث توبة کعب بن مالك و صاحبیه (ح ۲۷۶۹)

[4] زاد المعاد ج ۴' ص ۳۲۔ یہ واقعہ بخاری کتاب النکاح: باب الغیرۃ (ح ۵۲۲۴) و مسلم۔ کتاب السلام: باب جواز ارداف المرآۃ الاجنبیة (ح ۲۱۸۲) میں ہے۔

بن گئیں اور الٹ پٹک شروع کر دی' اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے' منہ پھلانا اور لڑنا بری بات ہے' اگر شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے تو گری نکال لے مگر تعلقات پر ان باتوں کا اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی اور بددماغی سے معاملہ پڑے تو ہوش وخرد سے کام لے' عجلت نہ کرے' کچھ دب کر ہی سہی' صلح کر لے تو عورت کے لیے مفید ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾

(النساء: ۴/ ۱۲۸)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی شرارت یا بے پروائی کا ڈر ہو[۱] تو (میاں بیوی) دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں (کچھ ٹھہرا لیں[۲]) اور صلح ہر حال میں بہتر ہے۔''[۳]

---

۱ شرارت سے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے بدسلوکی کرے' اس کو حقیر سمجھے' اس کے پاس سونا' بیٹھنا چھوڑ دے' اسے نان ونفقہ نہ دے' مارنے پیٹنے یا میکے بھیجنے کے بہانے تراشے' وغیرہ وغیرہ۔

۲ مراد ہے کہ آپس میں صلح کر لیں اور شرارت یا بے پروائی کی کیفیت کو ختم کر دیں۔ اس سلسلہ میں مصالحت کی جو صورت بھی اختیار کر لیں' وہ جائز ہے۔ مثلاً: یہ کہ عورت اپنی باری چھوڑ دے' یا مہر کم کر دے' یا تھوڑے سے نان نفقہ پر راضی ہو جائے۔ سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ضعیف ہو گئیں اور انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق نہ دے دیں تو انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری۔ ح ۴۶۰۱۔ مسلم ح ۳۰۲۱)

۳ یعنی طلاق اگرچہ جائز ہے مگر وہ پسندیدہ فعل نہیں ہے جیسا' کہ سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) ابوداؤد۔ کتاب الطلاق (ح۲۱۷۸)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

پاکیزگی و پاکدامنی کے تحفظ کیلئے اقدامات وقوانین

گزشتہ مباحث اگر آپ نے غور سے پڑھی ہوں گی تو یہ بات آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہوگی' کہ اسلام نے اپنے قوانین میں میاں بیوی کے درمیان محبت' یگانگت اور جذبہ ایثار کی بے انتہا رعایت ملحوظ رکھی ہے' تا کہ نکاح کے جو مقاصد ہیں وہ روئے زمین پر ظاہر ہوں' اور انسانیت اطمینان وسکون کی سانس لیتی رہے' اور کوئی ایسی بات واقع نہ ہو جس سے زن وشوہر کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکے اور اس طرح عصمت وعفت اور اخلاق کی مٹی پلید ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر اس طرح جتائے گئے ہیں' کہ اگر دونوں اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو پھر باہمی رنجش اور کشیدگی کی کبھی نوبت نہ آنے پائے۔

میاں بیوی کی محبت میں حائل ہونے کی مذمت

قوم کو بھی ان تمام حرکتوں سے سختی کے ساتھ اسلام نے روکا ہے' جو مرد اور عورت کے تعلقات کو خراب کرتی ہوں' قرآن پاک میں جادو کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی سب سے بڑی برائی یہ بتائی گئی ہے' کہ اس سے وہ میاں بیوی میں تفریق پیدا کرتے ہیں:

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۝﴾

(البقرہ :۲/ ۱۰۲)

''پس وہ (یہودی) لوگ ان دونوں سے ایسا سحر (جادو) سیکھ لیتے تھے' کہ اس کے ذریعہ کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔''

پھر اس جادو کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝﴾

(البقرہ :۲/ ۱۰۲)

''اور یقیناً وہ جانتے ہیں کہ جو شخص اس (جادو) کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں

کوئی حصہ نہیں۔"

میاں بیوی میں تفریق سے شیطان کی مسرت:

جس کا ماحصل یہی ہوا کہ میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ سید الکونین محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ابلیس اور اس کی ذریت کی شیطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت شاہی سمندر پر بچھا کر جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور اپنی شیطانی فوج کو انسانوں میں بھیجتا ہے' تاکہ ان میں فتنے برپا کرے۔ چنانچہ شیطانی فوج اپنی خدمات کی انجام دہی پر روانہ ہو جاتی ہے۔ اور ابلیس اس فوج میں اس کو زیادہ نوازتا ہے جس نے سب سے بڑھ کر فتنہ برپا کیا ہو۔ شیطانی فوج جب اپنی فتنہ گری سے واپس آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے سردار کے روبرو رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا' میں نے یہ کر ڈالا اور میں نے یہ عظیم الشان کام انجام دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک شیطان آگے بڑھتا ہے۔ اور اپنے سردار کے روبرو آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے۔

"میں نے اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے ادا کی اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لی جب تک میں نے میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے میں کامیابی نہ حاصل کر لی۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس یہ رپورٹ سن کر خوشی سے اچھل پڑتا ہے اور اس شیطان کو اٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: "تو نے خوب کیا اور سب سے بازی لے گیا۔"[1]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"میاں بیوی کی تفریق اور پھوٹ سے شیطان کی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کی کثرت کو پسند کرتا ہے' اور چاہتا ہے کہ حرامی بچے پھیلیں اور زمین پر فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہو۔"[2]

زن و شوہر کے تعلقات بگاڑنے کی مذمت:

کسی ذی عقل پر یہ بات راز نہیں ہے' کہ میاں بیوی کی باہمی کشیدگی اور علیحدگی سے کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں' اس لیے اس شخص کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے' جو بالقصد میاں بیوی

[1] مسلم۔ کتاب صفات المنافقین: باب تحریش الشیطان (ح ۲۸۱۳)۔

[2] حاشیہ مشکوٰۃ عن المرقاۃ ص ۱۸۔

کے تعلقات خراب کرنے کی فکر میں منہمک رہتا ہے' اور بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے بدظن کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ انسان نہیں' انسانیت کا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ الْمَرْأَةَ عَلٰى زَوْجِهَا))[1]

''جس نے بیوی کو خاوند کے خلاف بھڑکایا وہ ہم میں سے نہیں۔''

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے لیے آیا ہو' اس دین مقدس کا پیروا گر ایسا کام کرتا ہے جس سے پھوٹ پڑتی ہے اور کشیدگی بڑھتی ہے تو واقعہ ہے کہ اس میں اپنے دین کی کوئی خوبو نہیں۔

بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنا جس سے بنا بنایا گھر برباد ہو' عفت و عصمت کو خطرہ لاحق ہو' اور اخلاق واعمال کے گندہ ہونے کا اندیشہ ہو' کسی پیرو اسلام کے شایانِ شان نہیں؟

رشتہ نکاح کے ختم کرنے کی اجازت:

رشتہ نکاح کے قیام کا منشاء تو بلاشبہ یہی ہے' کہ عورت اور مرد اس رشتہ میں منسلک ہو کر عفت کی زندگی گزاریں اور تاحیات اس بندھن کو کھلنے نہ دیں' مگر کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی پیش آ جاتا ہے کہ وہاں اس رشتہ کا ختم کرنا ہی سود مند ہوتا ہے۔

ہم رشتہ ازدواج کے قیام کی بحث میں اس طرف اشارہ کر آئے ہیں' کہ شادی کرنے سے پہلے عورت و مرد میں سے ہر ایک دوسرے کے حالات معلوم کر لیں' ممکن حد تک دیکھ بھال کر لی جائے اور طرفین کو جب ہر طرح تشفی حاصل ہو جائے تو پھر یہ رشتہ وجود میں لایا جائے تاکہ یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ثابت ہو اور زن وشوہر میں اخوت ومحبت قائم رہ سکے' لیکن کوئی شبہ نہیں کہ کبھی بااین ہمہ کوئی ایسی بات پیش آ جاتی ہے کہ جو نکاح کے مقاصد ہیں' وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے' ان مشکلات میں اسلام نے کچھ ایسے معتدل قوانین نافذ کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے عفت وعصمت پر خطرات کے جو بادل منڈلانے لگتے ہیں' وہ چھٹ جاتے ہیں اور عورت ومرد اطمینان کی زندگی گزارنے کا راستہ پالیتے ہیں۔

ناگہانی مصائب:

بظاہر زن وشوہر کے تعلقات کی باگ ڈور مرد ہی کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے اور عورت

[1] ابوداؤد۔ کتاب الطلاق: باب فیمن خبب امراۃ علی زوجھا (ح۲۱۷۵)

مجبور محض معلوم ہوتی ہے' لیکن ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ عورت کے لیے قاضی کی مجلس بااختیار قرار دی گئی ہے' جس عورت پر اگر کوئی ناگہانی افتاد آ پڑے' یا شوہر کے مظالم سے عاجز ہو تو قاضی عورت کو اس کے شوہر سے نجات دے سکتا ہے اور اس کی افتاد کی تدبیر کر سکتا ہے۔

شوہر کا نامرد ہونا:

دنیا میں یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کا شوہر مرد کی شکل میں رہتے ہوئے بھی عورت کے جنسی میلان کی تکمیل سے معذور ہوتا ہے۔ اگر مرد اس قابل نہ ہو کہ اس کی بیوی اس سے اپنے داعیاتِ فطرت کی تسکین کر سکے' تو اس حالت میں اگر کوئی عورت اپنے ناکارہ شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے اور شوہر اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسلام نے اس کے لیے قاضی کی مجلس کو اختیار دیا ہے۔[1] عورت قاضی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنا مقدمہ پیش کر دے' قاضی اس کے شوہر

[1] علامہ استنبولی لڑکوں اور لڑکیوں کو شادی سے قبل اپنا طبی میڈیکل چیک اپ کروانے کی ہدایت کرتے ہیں' تاکہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اس کو شروع میں حل کر لیا جائے' شادی کے بعد رسوائی اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے لیے وہ مندرجہ ذیل دو احادیث نقل کرتے ہیں:

''جذامی سے ایسے علیحدہ رہو جیسے شیر سے علیحدہ رہتے ہو۔'' (صحیح بخاری)

''بیمار (اونٹ) کو تندرست کے پاس نہ لے جاؤ۔'' (صحیح بخاری)

''نہ خود نقصان اٹھاؤ' نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ!'' (مستدرک حاکم' ابن ماجہ۔ حدیث صحیح ہے)

اور پھر ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دونوں احادیث چھوت چھات سے بچنے کا اشارہ کرتی ہیں۔ آج متعدد ترقی یافتہ ملکوں نے شادی سے قبل طبی جانچ کا قانون پاس کیا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

لیکن گہرے دکھ کے ساتھ عرض کروں گا کہ اکثر ڈاکٹر صاحبان اس قسم کی طبی جانچ میں لاپرواہی برتتے ہیں۔ اسی طرح میاں بیوی بھی اس سے دور بھاگتے ہیں' جس سے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے آگے چل کر بڑی بڑی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں شادی کے خواہش مند لڑکے اور لڑکیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی پوشیدہ یا متعدی بیماری میں مبتلا ہوں تو ہرگز ہرگز شادی نہ کریں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

ڈاکٹر وجیہ زین العابدین نے اپنے رسالہ ''اسلام اور جنسی تربیت'' میں لکھا ہے: ان احادیث ''نہ خود نقصان اٹھاؤ' نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ'' وغیرہ سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ لائق اور مناسب عورت کے ←

کو نوٹس دے گا اور حالات کی تحقیقات کرے گا۔ اگر مرد عنین (نامرد) ثابت ہوگا تو قاضی اس کو پہلے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ اپنا علاج و دواء کرے، اگر مرد کارآمد ہو گیا تب تو خیر، ورنہ ناکامی کی صورت میں تفریق کر دے گا۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَمَسَّهَا فَاِنَّهُ يُضْرَبُ لَهُ اَجَلُ سَنَةٍ فَاِنْ مَسَّهَا وَاِلَّا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا))[1]

''جو کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو، تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اگر اس کے بعد ہم بستر ہو سکا تب خیر، ورنہ ان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔''

امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے پوچھا کہ نامرد (عنین) شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی جو مہلت دی جائے گی، وہ کب سے شمار ہوگی؟ رخصتی کے دن سے، یا اس دن سے کہ قاضی کے یہاں مقدمہ آیا؟'' ابن شہابؒ نے فرمایا:

((بَلْ مِنْ يَوْمِ تَرَافُعِهِ اِلَى السُّلْطَانِ))[2]

''سلطان کے پاس مقدمہ کی پیشی کے دن سے۔''

← انتخاب اور اس سے مضرت کے دفعیہ کے لیے، اسی طرح لڑکے کو اذیت سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلامی نظام میں شادی سے قبل طبی جانچ کا جو عمل مقرر ہے اس کو رواج دیا جائے۔ خاص طور پر یہ جاننے کے لیے بھی کہ کس قسم کی عورتیں زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں؟ کون سے مرد متعدی امراض سے محفوظ ہیں۔ ان میں کوئی نامرد، پاگل، یا کوئی لڑکی بانجھ تو نہیں ہے؟ مردوں کی جسمانی صحت کی سلامتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے اندر نکاح کی صلاحیت ہو اس لیے، کہ حدیث شریف میں وارد ہے ''تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھے، اسے شادی کر لینی چاہیے۔'' الخ نکاح کی استطاعت سے مراد جائے سکونت اور شادی کے دیگر ضروری اسباب کی فراہمی ہے۔ اس سے مراد جنسی قوت بھی ہے، جیسا کہ فیروز آبادی کی لغت کی کتاب ''محیط'' میں لکھا ہے۔

اس لیے شادی کے خواہش مند لڑکے لڑکیوں کو شادی سے پہلے ڈاکٹری چیک اپ کروالینا ضروری ہے۔ جس کا مقصد واضح ہے کہ اطمینان حاصل ہو، نقص اور کوتاہی کا علم ہو اور کمزوری یا بیماری جو کچھ درپیش ہو اس کا قبل از وقت ازالہ ممکن ہو سکے۔ (تحفۃ العروس ص ۷۶)

[1] موطا امام مالك (۲/ ۵۸۵)، كتاب الطلاق: باب اجل الذى لا يمس امراة (ح ۷۴)

[2] موطا امام مالکؒ، حوالہ سابق (ح ۷۵)۔

بہرحال اس طرح عورت اپنے عنین (نامرد) شوہر سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور پھر شریعت کی روشنی میں دوسری شادی کر سکتی ہے۔

شوہر کا مجبوب (عضو بریدہ) ہونا:

اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب ہو' یعنی اس کا عضو تناسل کٹ جائے اور وہ عورت کے جنسی میلان کی تکمیل کے لائق باقی نہ رہے تو عورت ایسے شوہر سے اسی ترکیب سے بآسانی علیحدہ ہو سکتی ہے' بلکہ اس میں اتنی سہولت اور ہے کہ ایک سال کی تاخیر بھی نہ ہو گی' درخواست پاتے ہی قاضی تحقیق حال کرے گا اور عورت کو مرد سے علیحدہ کر دے گا۔ قدوری؁ عنین وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فَاِنْ کَانَ عِنِّیْنًا اَجَّلَهُ الْحَاکِمُ حَوْلًافَاِنْ وَصَلَ اِلَیْهَا وَ اِلَّا فَرَّقَ بَیْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْاَۃُ ذَالِكَ وَ اِنْ کَانَ مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْقَاضِیُ بَیْنَهُمَا فِی الْحَالِ وَ لَمْ یُؤَجِّلْهُ))[1]

''اگر کسی کا شوہر نامرد ہو' تو حاکم اسے دواء و علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا' اگر وہ عورت کے لائق ہو گیا تب تو خیر' ورنہ ان دونوں میں عورت کے مطالبہ پر تفریق کر دی جائے گی' اور اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی فوراً بغیر مہلت تفریق کر دے گا۔''

خصی شوہر کا حکم:

خصی شوہر کا حکم بھی عنین ہی جیسا ہے۔ یعنی مرد کسی وجہ سے خصی ہو جائے اور اس میں جنسی میلان باقی نہ رہے' اور اسی طرح وہ عورت کے لیے ناکارہ ثابت ہو' تو عورت قاضی کے پاس درخواست دے' قاضی فوراً مرد کی حالت کی تحقیق کرے گا۔ علاج کے لیے ایک سال کا موقع دے گا' اور اگر اس کے بعد بھی نکما ہی باقی رہے گا تو قاضی عورت کو اس مرد سے جدا کر دے گا:

((وَالْخَصِیُّ یُؤَجَّلُ کَمَا یُؤَجَّلُ الْعِنِّیْنُ))[2]

''خصی شوہر کو عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔''

فروعات میں جانا مقصود نہیں' بلکہ یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان تمام صورتوں کی راہ پیدا کی ہے جن صورتوں میں عورت کو عصمت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی شکل باقی نہیں رکھی ہے کہ

---

[1] قدوری مصری کتاب النکاح ص ۷۱۔

[2] قدوری کتاب النکاح' ص ۷۱

عورت معصیت کے لیے اپنے کو مجبور پائے۔

حافظ ابن القیمؒ کا ارشاد:

حافظ ابن القیمؒ اس بحث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

((وَالْقِيَاسُ اَنَّ كُلَّ عَيْبٍ يُنَفِّرُ الزَّوْجَ مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا يَحْصُلُ بِهٖ مَقْصُوْدُ النِّكَاحِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ الْمَوَدَّةِ يُوْجِبُ الْخِيَارَ))[1]

''قیاس کا تقاضا یہ ہے' کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے زن وشوہر میں یکجہتی باقی نہ رہ سکے اور نکاح کا مقصد جو محبت ومؤدت ہے فوت ہو جائے' تو ایسی حالت میں علیحدگی کا اختیار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔''

بعض جزئیات میں ائمہ کا باہمی اختلاف ہے مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کوئی ایسی صورت اسلام نے برداشت نہیں کی ہے' کہ مرد وعورت میں سے کوئی اپنے آپ کو بدکاری کے لیے مجبور محسوس کرے۔

اسلام کا قانون خلع:

اسی طرح کے نازک وقت کے لیے اسلام نے کشمکش کی آخری شکل میں ''خلع'' کی اجازت بخشی ہے' ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے پیش بندی کے طور پر سختی کے ساتھ خلع سے روکا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَابِهٖ بَاسٌ فَحَرَامٌ عَلَيْهِ رَائِحَةُ الْجَنَّةِ))[2]

''جو عورت (ذرا ذرا سی بات) پر بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ))[3]

---

[1] زاد المعاد ۴/ ۳۱

[2] ابوداؤد۔ کتاب الطلاق: باب فی الخلع (ح ۲۲۲۶)
ترمذی۔ کتاب الطلاق: باب ما جاء فی المختلعات (ح۱۱۸۷)
ابن ماجه۔ کتاب الطلاق: باب کراهية الخلع للمرأة (ح۲۰۵۵)

[3] نسائی۔ کتاب الطلاق: باب ما جاء فی الخلع (ح ۳۴۹۱)

''شوہر سے علیحدہ ہونے والی اور خواہ مخواہ خلع کی طالب عورتیں منافق ہیں۔''

ان احادیث مبارکہ کا منشاء یہی ہے کہ عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے جدائی کی خواہش نہ کریں اور تلذذ کی خاطر ایسا کرنا اسلام کے ایک عظیم الشان قانون کو بازیچہ اطفال بنا لینا ہے۔ لیکن اگر واقعی عورت دیانتداری سے یہ محسوس کرتی ہے کہ اگر خلع کی صورت اختیار نہ کی گئی تو اللہ رب العزت کی قائم کردہ حدود باقی نہ رہ سکیں گی' اور عورت کو ظن غالب ہے کہ موجودہ تعلقات دین و دنیا کے لیے مضر ہیں' تو ایسی مجبوری اور نزاکت کے وقت عورت خلع کے قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۹)

''سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں اللہ کی قائم کردہ حدود (وقوانین) کو قائم رکھ سکیں گے تو دونوں پر اس (فدیے' یا حق مہر کو واپس لینے) میں کوئی گناہ نہ ہوگا جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔''

عہد نبوی میں خلع:

گو حدود اللہ کے عدم قیام کی شرط کے ساتھ خلع کی اسلام نے اجازت دی ہے' اس سے پہلے ہرگز اجازت نہیں ہے۔ خلع کی مثال عہد نبوی میں موجود ہے جیسے کہ حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاری رضی اللہ عنہا' سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہما سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک دن صبح سویرے رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لیے کاشانہ نبوی سے نکلے' دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ اندھیرے میں ایک عورت کپڑے میں لپٹی ہوئی کھڑی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''آپ کون ہیں؟'' آواز آئی: ''یا رسول اللہ! ''میں سہل کی بیٹی حبیبہ ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' سیدہ حبیبہؓ نے کہا: ''نہ تو میں ثابت بن قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ۔'' یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں اتفاق اور نباہ کی امید باقی نہیں رہی۔ آپ نے یہ قصہ سن لیا اور نماز کے لیے روانہ ہو گئے۔ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حبیبہؓ بنت سہل انصاری ہیں۔ پس اس نے جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا بیان کیا۔'' سیدہ حبیبہؓ نے مہر کی واپسی پر بھی آمادگی ظاہر کر دی اور درخواست کی کہ شوہر کا عطیہ موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ثابت سے فرمایا: ''اپنا عطیہ واپس لے لو'' یہ سن کر سیدنا

ثابت رضی اللہ عنہ نے بیوی سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہو گئی۔[1]

بخاری میں ہے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر بیان دیا:

((يَا رَسُولَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَ لَا دِيْنٍ وَ لٰكِنِّي اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ))[2]

''یا رسول اللہ ﷺ! میں ثابت بن قیس کو ان کے اخلاق و دین میں عیب نہیں لگاتی لیکن بات یہ ہے کہ میں اسلام میں کفر کی بات پسند نہیں کرتی۔''

یہ سن کر رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''تم ان کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو؟'' ثابت کی بیوی نے اثبات میں جواب دیا' یہ معلوم کر کے آپؐ نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا:

((اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً وَّاحِدَةً))[3]

''باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔''

بخاری نے یہ واقعہ جو بیان کیا ہے' یہ ہے تو سیدنا ثابت کی بیوی کا ہی' مگر حبیبہ کا نہیں ہے' بلکہ ان کی دوسری بیوی جمیلہ بنت ابی سلول کا ہے۔ ابن ماجہ میں یہی واقعہ جمیلہ کے نام کے ساتھ مذکور ہے۔[4]

واقعہ یہ ہے کہ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کوتاہ قد اور تیز مزاج تھے' اس لیے کسی عورت کی نگاہ میں سماتے نہیں تھے۔ بعض روایات میں ان کی بیوی کا ان کے بارے میں بڑا سخت جملہ ہے۔

حدیث کی کتابوں میں خلع کے اور واقعات بھی مذکور ہیں' یہاں تفصیل مقصود نہیں ہے۔

مفقود الخبر (گمشدہ خاوند) کی بیوی کا حکم:

عورت اس وقت بھی مشکلات میں نظر آتی ہے' جب اس کا شوہر لاپتہ ہو جائے نہ یہ ہی معلوم ہو کہ مر گیا اور نہ یہ پتہ ہے کہ زندہ ہے۔ اور اگر ہے تو کہاں ہے۔ ایسے وقت عورت کیا

[1] ابو داؤد۔ کتاب الطلاق: باب فی الخلع (ح ۲۲۲۷)
نسائی۔ کتاب الطلاق: باب ما جاء فی الخلع (ح ۳۴۹۲)

[2] بخاری۔ کتاب الطلاق: باب الخلع وکیف الطلاق فیه (ح ۵۲۷۳)

[3] ابن ماجه۔ کتاب الطلاق: باب المختلعة تأخذ ما اعطاها (ح ۲۰۵۶) یہ نام بخاری کی ایک روایت میں بھی ہے (ح ۵۲۷۷)۔

[4] زاد المعاد ج ۲ ص ۳۴۔ لیکن سیدنا ثابت کے بارے میں یہ بات کسی مستند حوالہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم!

کرے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

کوئی شبہ نہیں یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے' مگر اس سلسلہ میں علماء راسخین کا جس پر فتوٰی ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کا چار سال انتظار کرے گی' اس عرصہ میں بھی کوئی پتہ نہ ملے تو چار سال بعد عدت وفات (چار ماہ دس دن) پوری کرے گی' اور اس کے بعد شرعی طور پر پہلے شوہر کی قید نکاح سے نکل آئے گی اور حسب دل خواہ شرعی حدود میں رہ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے' امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ يُدْرَ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ))[1]

''جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو ایسی عورت چار سال انتظار کے گزارے اور پھر چار مہینے دس دن عدت کے دن گزارے اور حلال ہو جائے۔''

امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ علماء احناف نے بوقت ضرورت اس قول پر فتوی کی اجازت دی ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب جامع الرموز' صاحب الدر المنتقی اور صاحب رد المختار کا خصوصیت سے نام لیا جاتا ہے۔ علمائے ہند میں حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں' جن بزرگوں نے دلیل کے ساتھ اسے تسلیم کیا ہے۔[2]

❁❁❁

---

[1] موطا امام مالک (۲/ ۵۷۵)۔ کتاب الطلاق: باب عدة التی تفقد زوجها (ح ۵۲)
تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے عمدة الرعاية علی شرح الوقاية ج ۲ ص ۳۹۳ اور مسوی علی الموطا ۲ / ۶۸'۶۹۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے سعادة الزوجين جلد سوم احکام الطلاق عند اسرائیلیین اور نداء للجنس اللطیف ص ۹۷۔

اسلام کا قانون طلاق اور عفت وعصمت کی حفاظت

طلاق کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' یعنی اگر عورت و مرد کا تعلق ازدواج ناکام ہو جائے' حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زن و شوہر میں صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کی زندگی محال ہو جائے' تو ایسے موقع پر مرد اپنی خواہش سے عورت کو علیحدہ کرسکتا ہے' مگر یہ بالکل آخری شکل ہے۔

طلاق کا قانون یہود میں:

اسلام نے طلاق کا جو ضابطہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ طلاق کی اجازت اور گنجائش دوسرے مذاہب و ادیان میں بھی ہے۔ یہود کے یہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے' شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لیے کافی سمجھی گئی ہے' یعنی شوہر اگر چاہے کہ موجودہ بیوی کو علیحدہ کر دے اور اس سے خوبصورت بیوی کر لائے تو اس کو طلاق کی اجازت حاصل ہوگی۔ اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہیں۔ مثلاً: عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں' چھوٹی بڑی ہوں' عورت کی بغل سے بو آتی ہو' لنگڑی یا کبڑی ہو' یا بانجھ ہو۔ جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی' جیسے سخت مزاج ہو' زیادہ بولنے والی ہو' گندہ دہن ہو' لالچی ہو' کھانے میں نفاست پسند نہ ہو' خوراک زیادہ ہو اور اسی طرح کے دوسرے عیوب۔

مرد کو طلاق کے لیے اتنے وسیع اختیارات' مگر عورت کے ساتھ یہ ظلم ہے کہ وہ مرد کے ہزاروں عیوب کے بعد بھی مرد سے علیحدگی' کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔[1]

---

[1] یورپ میں بھی طلاق دینے کے لیے کچھ ایسی ہی بے تکی اور بے جوڑ وجوہات تلاش کی جاتی ہیں' لیکن یہاں ان نقائص اور عیوب کی نشاندہی مرد نہیں بلکہ عورت کرتی ہے۔ وہ عدالت میں جاتی ہے اور اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ قائم کرتی ہے' کہ اس سے میری خلاصی کروائی (طلاق دلوائی) جائے۔ اس لیے کہ اس کا رنگ جاذب نظر نہیں۔ اس کا خورد ونوش کا ذوق بہت گھٹیا ہے' یا یہ خراٹے بہت زور سے لیتا ہے جس سے مجھے کوفت ←

قانون طلاق عیسائیوں میں:

عیسائیت میں سرے سے یہ جائز نہیں تھا کہ کسی وجہ سے بھی طلاق دی جائے' رشتہ نکاح دوامی (ہمیشہ کیلئے قائم ہونے والا اور کسی صورت میں نہ ٹوٹ سکنے والا) سمجھا جاتا تھا۔ موت کے سوا جدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی۔ اور یہ ساری سختی سیدنا مسیح کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی:

''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے۔'' (متی ۱۹:۶)

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب سرے سے غلط تھا' یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی اور منشاء بے وجہ

← ہوتی ہے۔ اس کی آواز بلند ہے جبکہ میں دھیمی آواز میں گفتگو پسند کرتی ہوں۔ یہ کھانستا بہت ہے۔ یہ بیمار ہے۔ یہ مجھے میرے دوستوں سے ملنے سے منع کرتا ہے۔ بیڈ روم میں گھسنے نہیں دیتا۔ یہ پرانی راہبانہ اور دقیانوسی سوچ وخیالات کا حامل ہے' جبکہ میں ماڈرن دنیا میں انجوائے کرنے کو اہمیت دیتی ہوں حتیٰ کہ خاوندوں کے خلاف مقدمات قائم کر کے بیویوں نے ان کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور یوں وہ مقدمہ جیت کر طلاق حاصل کر لیتی ہیں۔ اس طرح وہاں خاندان کا ادارہ بہت تیزی سے اجڑ رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس سروے سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق ایک سال (1990) میں امریکہ میں 2162000 شادیاں ہوئیں اور 1117000 طلاقیں' ڈنمارک میں 30894 شادیاں ہوئیں جبکہ 15152 طلاقیں' سوئٹزر لینڈ میں 46603 شادیاں اور 1313 طلاقیں۔ یہی حال دوسرے ممالک کا ہے۔

(The Stateman year look 1992-93 PP 4821 139)

طلاق کے ان تند و تیز تھپیڑوں سے مغرب کا خاندانی نظام خس و خاشاک کی طرح طوفان بدتہذیبی میں تنکوں کی طرح بہتا چلا جا رہا ہے۔ اس کو بچانے کے لیے برطانیہ میں ہونے والے 1997 کے انتخابات میں سیاسی جماعتیں اپنے ووٹروں کے لیے جن مراعات کا اعلان اپنے انتخابی منشوروں میں کرتی رہیں' ان میں مندرجہ ذیل دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

٭ اعلان کیا گیا کہ جو لوگ اپنے بزرگوں (والدین وغیرہ) کو اولڈ ہاؤسز (بوڑھا خانہ) کی بجائے اپنے گھروں میں رکھیں گے ان کو ٹیکسوں میں چھوٹ دی جائے گی۔

جو شادی شدہ جوڑا اپنی رفاقت کے دس سال مکمل کرے گا اسے ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی۔

ان دونوں اعلانات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان نام نہاد تہذیب کے طوفان کی زد میں آ کر طلاق کے تیروں سے گھائل ہو کر کس طرح جاں بلب ہے۔ علامہ اقبال نے مارچ 1907 میں:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

طلاق دینے کو روکنا تھا' کیونکہ خود متی کی دوسری آیت یہ موجود ہے:

''جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔'' (متی ۹:۱۹)

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقت ضرورت طلاق دی جا سکتی ہے' مگر مسیحی علماء نے اس کو پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ یہ بعد کا اضافہ ہے لہٰذا اس دوسرے قول پر عمل جائز نہ ہوگا' اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا کہ:

''حرامکاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے' مگر رشتہ نکاح بدستور قائم رہے۔ یعنی مرد و عورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کر سکتا۔''

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ صدیوں مسیحی دنیا اس قانون پر عامل رہی' ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی' اور جن لوگوں کے یہاں طلاق جائز تھی ان کے یہاں فیصلہ یہ تھا کہ مرد و عورت دونوں اب تجرد کی زندگی گزاریں۔ بعد میں مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتہ نکاح کے ختم کرنے کی اپیل کیں' مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے' کہ موت کے سوا کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کر سکتا۔ تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

قانونِ طلاق کی اصلاح:

سولہویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی' مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں ۱۸۵۷ء سے پہلے تک' جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا' اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت کر دیے تو صرف قانونی تفریق حاصل ہوتی' یعنی اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت حاصل نہیں ہوتی' اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ دے اور مرد و عورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہش مند ہو' اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے۔ اور اگر عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ اس کی طرف سے ظالمانہ برتاؤ بھی ثابت کرے' یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ' یا یوں کہیے کہ بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔

۱۸۶۶ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطاء کار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بار بھی ڈال دے۔

اور ۱۹۰۷ء میں ''خطاء کار'' کی شرط بھی اڑا دی گئی۔ یعنی میاں بیوی میں کامل انقطاع کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ بیوی کو نفقہ دلوائے۔

۱۸۹۵ء میں طے کیا گیا کہ شوہر کے ظلم و جور کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر نکل جائے اور شوہر سے الگ ہو کر رہے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دے گی' مگر بیوی کو شوہر سے نفقہ دلوائے گی' اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا' کہ عورت اگر شوہر کے تغافل اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دے گی۔

رپورٹ شاہی کمیشن:

۱۹۱۰ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ طلاق و نکاح کے مسائل و معاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ:

> ''اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے' یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد طلاق کی ڈگری پانے کا مستحق ہے' انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔''

۱۹۲۳ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا' اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے' تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔[1]

---

[1] ایسے قوانین کے نتائج کیا نکلے اور کس رفتار سے طلاقیں واقع ہوئیں؟ ملاحظہ کریں:
ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اب دنیا میں ''طلاق کا دارالخلافہ'' کا نام دیا جا رہا ہے۔ بک آف ٹیکس ۱۹۷۷ء کے مطابق ۱۹۷۶ء کے پہلے چھ ماہ میں امریکہ میں ۹۸۷۰۰۰ شادیاں ہوئیں' جب کہ ۵۳۰۰۰ طلاقیں انجام پائیں۔ یعنی ہر منٹ میں اوسطاً دو شادیاں طلاق کی صورت میں ختم ہو گئیں۔ لاس اینجلس میں ہر سال تقریباً ۵۰۰۰۰ طلاقیں سرکاری طور پر عمل میں آئی ہیں۔ ڈلاس کا اخبار ''ڈلاس سائٹ'' بتاتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں کل شادیاں ۶۸۰۱ ہوئیں۔ جبکہ طلاقوں کی کل تعداد ۵۲۸۷ تھی۔ جنگ عظیم دوئم سے پہلے امریکہ میں ۱۸ شادیوں میں سے صرف ایک طلاق عمل میں آتی تھی۔ ۱۹۶۰ء تک بتدریج اضافہ ہوتا گیا' پھر ۲۵ سال میں یہ اضافہ تین گنا ہو گیا۔ اب طلاق کی تعداد ۱۱۶۰۰۰۰ سالانہ ہے۔ کینیڈا میں ۱۹۶۰ء میں ۶۹۸۰ طلاقیں ہوئیں۔ ←

ایک تو اصلاح ہی ناقص ہوئی' اور دور اندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے' دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا' آپ یہ سن کر حیرت میں پڑ جائیں گے۔ کہ ۱۹۳۰ء میں بالفاظ صریح یہ فیصلہ کیا گیا:

''ہم کسی ایسے مرد و عورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے' جس کا سابق شریک حیات زندہ ہے۔''[1]

انسانی قانون کا انجام:

مختصر یہ کہ یہود کے یہاں افراط تھی' تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا' اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جونہی قانون نے طلاق کی معمولی اجازت دی تو فوراً بکثرت طلاق ہونے لگی' اس کی کثرت کا اندازہ ان اعداد سے لگایا جا سکتا ہے:

''سین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں دو سو چورانوے نکاح فسخ کیے' ۱۸۴۴ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا تو چار ہزار طلاقیں واقع ہوئی تھیں۔ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی۔ ۱۹۱۳ء میں سولہ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں اکیس ہزار۔''[2]

جج لنڈ سے لکھتا ہے:

''۱۹۲۲ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا' اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے۔

← ۱۹۷۳ء میں طلاقوں کی تعداد بڑھ کر ۴۰۷۰ ۳۶ ہوگئی اور ۱۹۷۴ء میں طلاقوں کی تعداد ۴۵۰۱۹ ہوگئی۔ روس میں ''سوویٹ'' ڈائجسٹ کے مطابق تقریباً اڑھائی لاکھ شادیاں ہر سال انجام پاتی ہیں' جب کہ تقریباً ۲۰۰۰ طلاقیں روزانہ یعنی تین عدد شادیوں کے مقابلہ میں ایک طلاق حاضر۔ ۱۹۸۰ء کے وسط میں شرح طلاق کچھ یوں ہے۔ جرمنی ۱۳۰۰۰۰ سالانہ' روس ۹۴۰۰۰۰ سالانہ' جاپان ۱۷۸۰۰۰ سالانہ برطانیہ ۱۵۹۰۰۰ سالانہ' فرانس ۱۰۷۰۰۰ سالانہ آسٹریلیا میں ۴۳۰۰۰ سالانہ' ہانگ کانگ میں ۱۷ شادیوں میں ایک طلاق۔ لیکن اب یہ تعداد دگنی ہوگئی ہے۔ برطانیہ میں گزشتہ ایک دہائی میں شرح طلاق ۱۰۰ فیصد سے بڑھ کر اب ۳۲۸ فیصد ہوگئی ہے۔ برطانیہ میں گزشتہ دس برسوں میں طلاق کی شرح تگنی ہوگئی ہے۔ سویڈن میں ہر پانچ منٹ بعد تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ ڈنمارک اور جرمنی میں طلاقوں میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔

[1] عیسائی طلاق کا بڑا حصہ ''حقوق الزوجین'' ضمیمہ نمبر ۲ سے ماخوذ ہے۔

[2] پردہ ص ۵۹

امریکہ کے تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔''[1]

آرتھر گارفیلڈ ہیس ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

''بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہوئی تھی۔ اب اعداد و شمار سے۔ ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی اور یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے۔''[2]

''انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو طلاقوں کی درخواستیں پیش ہوئیں۔''[3]

---

1. پردہ ص ۷۰

2. صدق جدید لکھنو ۱۸ جنوری ۵۲ — 3. زمزم لاہور ۲۷ اکتوبر ۳۵ء

طلاقوں اور جدائیوں کا باعث قانون:

ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ خاندان کا نظم اور ازدواج کا مقدس رابطہ کہاں قائم رہ سکتا ہے۔ آزادی کے ساتھ اپنی روزی کمانے والی عورتیں جن کو شہوانی ضروریات کے سوا اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی مرد کی ضرورت نہیں ہے' اور جن کو شادی کے بغیر آسانی کے ساتھ مرد مل سکتے ہیں اور شادی کو ایک فضول چیز سمجھتی ہیں' جدید فلسفہ اور مادہ پرستانہ خیالات نے ان کے وجدان سے یہ احساس بھی دور کر دیا ہے کہ شادی کے بغیر کسی شخص سے تعلقات رکھنا کوئی عیب یا گناہ نہیں۔ سوسائٹی کو بھی اس ماحول نے اس قدر بے حس بنا دیا ہے' کہ وہ ایسی عورتوں کو قابل نفرت یا قابل ملامت نہیں سمجھتی۔ جج لنڈ سے امریکہ کی عام لڑکیوں کی شادی سے نفرت اور زنا سے محبت پر مبنی جذبات و خیالات کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ ایک لڑکی کو جب زنا کاری چھوڑ کر نکاح و شادی کی ترغیب دی جاتی ہے تو وہ پرجوش ہو کر کہتی ہے کہ:

''میں شادی کیوں کروں؟ میرے ساتھ کی جن لڑکیوں نے گذشتہ دو سال میں شادیاں کی ہیں ہر دس میں سے پانچ کی شادی کا انجام طلاق پر ہوا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس زمانہ کی ہر لڑکی محبت کے معاملہ میں آزادئ عمل کا فطری حق رکھتی ہے۔ ہمیں مانع حمل کی کافی تدبیریں معلوم ہیں۔ اس ذریعہ سے یہ خطرہ بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ ایک حرامی بچے کی پیدائش کوئی پیچیدہ صورت حال پیدا کر دے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ روایتی طریقوں کو اس جدید طریقہ سے بدل دینا عقل کا مقتضا ہے۔''

ان خیالات کی حامل بے شرم عورتوں کو اگر کوئی چیز شادی پر آمادہ کرتی ہے' تو صرف جذبہ محبت ہے۔ لیکن اکثر یہ جذبہ بھی دل اور روح کی گہرائی میں نہیں ہوتا' بلکہ محض ایک عارضی کشش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہشات کا نشہ اتر جانے کے بعد زوجین میں کوئی الفت باقی نہیں رہتی' مزاج اور عادات کی ادنیٰ ناموافقت ان کے درمیان منافرت پیدا کر دیتی ہے۔ آخر کار عدالت میں طلاق یا تفریق کا دعویٰ پیش ہو جاتا ہے۔ ←

"طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور اگر یہی حالت رہی جیسا کہ طوفان کا رخ ہے تو غالباً ملک کے اکثر حصوں میں جتنے شادی کے لائسنس دیئے جائیں گے اتنے ہی طلاق کے مقدمے پیش ہوں گے۔"

کچھ عرصہ ہوا کہ ڈیٹرائے (Detroit) کے اخبار "فری پریس" میں ان حالات میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"نکاحوں کی کمی' طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر مستقل یا عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت یہ معنی رکھتی ہے کہ ہم حیوانیت کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ بچے پیدا کرنے کی فطری خواہش مٹ رہی ہے' پیدا شدہ بچوں سے غفلت برتی جا رہی ہے اور اس امر کا احساس رخصت ہو رہا ہے کہ خاندان اور گھر کی تعمیر اور حکومت کے انجام سے ایک بے دردانہ بے اعتنائی پیدا ہو رہی ہے۔"

آزمائشی شادیاں:

طلاق اور تفریق کی اس کثرت کا علاج اب یہ نکالا گیا ہے کہ (Compassionate Marriage) یعنی "آزمائشی نکاح" کو رواج دیا جائے۔ مگر یہ علاج اصل مرض سے بھی بدتر ہے۔ آزمائشی نکاح کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت "پرانے فیشن کی شادی" کیے بغیر کچھ عرصہ تک باہم مل کر رہیں۔ اگر اس یکجائی میں دل سے دل مل جائے تو شادی کر لی ورنہ دونوں الگ ہو کر کہیں اور قسمت آزمائی کریں۔ دوران آزمائش میں دونوں کو اولاد پیدا کرنے سے پرہیز کرنا لازمی ہے' کیونکہ بچے کی پیدائش کے بعد ان کو باضابطہ نکاح کرنا پڑے گا۔ یہ وہی چیز ہے جس کا نام روس میں آزاد محبت (Free Love) ہے۔ (سنت نبویؐ اور جدید سائنس)

جناب سید مجتبےٰ موسوی لاری یورپ و امریکہ میں طلاق کے رجحان اور زیادتی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گھر کے افراد کا گھر کے باہر تتر بتر ہو جانے سے ازدواجی زندگی کے بند ڈھیلے ہو گئے۔ مہربانی اور شفقت کا سلوک افسوس کہ رفتہ رفتہ کم سے کم ہوتا گیا۔ عورت جو اب تک یکسوئی سے گھر اور بچوں کی پرداخت کی طرف متوجہ تھی' اس نئی مشینی زندگی کے تن پروری کے ماحول میں حیران و سرگرداں ہوگئی۔ فیکٹری کے شقی القلبی کے روز مرہ ماحول میں اپنی ساری طاقت و توانائی صرف کرنے لگی۔ باہر فیکٹری مزدوری اور گھر آ کر ماں کے دوہرے فرائض اس کے لیے ضرورت اور برداشت سے زیادہ ثابت ہوئے۔ وقت' مواقع جو دل کے چین اور گھر کے معقول انتظام کے لیے ضروری تھے' مفقود ہو گئے۔ فیکٹری تو بہر حال وقت پر پہنچنا ہی تھا' مگر تھکی ہاری جب گھر آتی تو اس کو یارا ہی کہاں تھا' کہ گھر' شوہر اور بچوں کی طرف حسب ضرورت توجہ کر سکے۔ رفتہ رفتہ گھر کی دلچسپیاں اس کی نظر سے گرتی گئیں۔ اس سے بڑھ کر یہ' آزادی نسواں' ایسی بے کراں تھی کہ گھریلو زندگی

بیخ و بن سے اکھاڑ دی گئی' عفت و عصمت لایعنی الفاظ بن کر رہ گئے۔ خاندان کی اخلاقی روایات اور اخوت جن کی بنیاد مذہب اور ضمیر نے فراہم کی تھی اب اختلافات اور لاتعلقی کی نذر ہو گئے۔

مہذب یورپ آج طلاق کے طوفان کی زد میں ہے' مگر اس کا مداوا اور تدارک اس کے بس میں نہیں۔ میاں بیوی کے درمیان معمولی پسند و ناپسند کا اختلاف طلاق کا سبب بن جاتا ہے۔ معمولی جھگڑے اور مزاج میں فرق اس بات کا ثبوت سمجھا جانے لگا کہ زن و شوہر ساتھ رہ ہی نہیں سکتے اور گھر اور بچوں کو جدا کرنا لازمی ہو گیا ہے۔ مزاج کی برہمی اور خود ستائی کے جذبات کے طوفان' اپنی تیزی اور تندی کے ساتھ گھریلو زندگی کے نازک پودے کو بے رحمی کے ساتھ اکھاڑنے لگے اور صدیوں کی سب سے مقدس وراثت' یعنی گھریلو زندگی کا یونٹ۔ لا یعنی اور بے بنیاد خواہشات اور رجحانات کے ہاتھوں کھو دی گئی۔ حالانکہ معمولی سا تحمل اور فراست اس جھگڑے کو فرو کر سکتا ہے اور اس آگ کو بجھا سکتا ہے۔ بے لوثی اور خلوص دوبارہ گھریلو استحکام پیدا کر سکتا ہے' جس کی بنیاد اصول' انصاف اور محبت پر ہو۔

جرمنی میں رہائش پذیر میرے ایک ہم وطن ایرانی نے بیان کیا کہ پچھلے چند سالوں میں اس کے ہر پڑوسی نے کورٹ میں جا کر طلاق لی!

مشرقی جرمنی کے ہر شہر اور قصبے میں میاں بیوی کو تنازعات ختم کرنے میں مدد دینے کے لیے شادی مشاورتی کونسل' قائم کی گئی ہے' تاکہ ٹوٹے گھروں اور طلاق کے سیلاب کی روک تھام ہو سکے۔ اس مہم میں ڈاکٹر اور وکلاء بھی شریک ہو گئے ہیں۔ اخبارات اس موضوع پر صفحات کے صفحات سیاہ کر رہے ہیں۔ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کا ذمہ دار شادی شدہ عورتوں کی صنعتوں میں ملازمت کو ٹھہرایا گیا ہے۔ ۷۰ فیصد بیویاں محض آمدنی بڑھانے کے لیے گھر سے باہر کام کرنے نکلیں' ان میں ۶۰ فیصد بچے والی تھیں۔ یہ دوہری ذمہ داری' ملازمت اور بچوں کی فکر نے ظاہر ہے عورت کے اعصاب پر ایسا اثر ڈالا' کہ قدم قدم پر شوہر سے تکرار ہوتی رہتی ہے' اور معاملہ بڑھتے بڑھتے دونوں کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور نتیجتاً' لازمی نتیجہ طلاق ہوتا ہے' جو ایک مسلسل کھچاؤ کے صبح و شام کا واحد حل ہے!

ٹالسٹائی لکھتا ہے:

''طلاق کی فراوانی کی ایک خاص وجہ عورت کی پسند و ناپسند کی بے انتہا اجازت اور آزادی ہے۔ جو حساس اور متلون مزاج نسوانی طبیعت کے لیے ذرا زیادہ ہی بوجھ ثابت ہوئی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مشینی دور اعصاب کا کھچاؤ بھی اپنے ساتھ لایا اور ساتھ ساتھ عورتوں اور مردوں کے اختلاط کے مواقع بھی فراہم کیے۔ غیر متعلق عورتوں مردوں میں بے تکلفی گھر میں حسد اور شک و شبہ کا باعث بنی۔ گھر کے باہر عورتوں کا رہنا ایسے اور ہزاروں مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔''

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ نیویارک اور واشنگٹن میں اونچے تعلیم یافتہ طبقے میں طلاق کی شرح باقی سارے طبقوں سے زیادہ ہے۔ ہالی وڈ (فلمی مرکز) میں طلاق کے واقعات اس قدر ناگفتہ بہہ تھے کہ حکومت نے اس کی اشاعت پر پابندی لگادی۔

۶۰ء میں انگلینڈ میں شرح طلاق نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اس میں سے آدھی تعداد کی طلاق جانبین کی بے راہ روی کی بنیاد پر واقع ہوئی۔

امریکہ کی Ware Magazine کا کہنا ہے کہ پچھلے دس سال میں طلاق ایک ہزار گنا بڑھ گئی ہے۔

فرانس کی عدالتوں میں ۸۰۵ء۹ طلاق کے مقدمے فیصل ہوئے' جن میں ۸۰,۰۰۰ مقدمے بیویوں نے دائر کیے تھے۔

جنگ عظیم اول و دوئم نے نوجوانوں میں آزادیٔ خیال کے تحت سارے اخلاقی پیمانے دریا برد کر دیے۔ نتیجتاً طلاق میں بھی اضافہ ہوا۔

جی' ڈی' پلس اپنی کتاب (Matrimony & Modernity) میں کہتا ہے کہ:

''پہلی شادی کے بعد طلاق میں بے تحاشہ اضافہ جنگ عظیم اول و دوئم کے اثرات کا نتیجہ ہے۔''

ریڈرس ڈائجسٹ کے ایک مضمون کے مطابق فرانسیسی حکومت سے استدعا کی گئی ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے جس کے تحت شادی کے ابتدائی تین سالوں میں طلاق قطعی ممنوع قرار دی جائے۔

انگلینڈ نے ایسا ہی قانون نافذ کیا۔ دو صورتوں میں رعایت دی گئی ہے: اول شوہر کی طرف سے غیر معمولی تشدد اور دوم بیوی کی غیر معمولی جنسی بے راہ روی۔

امریکہ میں تیس لاکھ بچوں کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے۔ لاسن Lawson لکھتا ہے:

''جس کے دل میں ذرا بھی انسانی ہمدردی ہے' وہ ان دہشت ناک اعداد و شمار پر غمگین ہوگا اور چاہے گا کہ اس کا مداوا ہو' چونکہ زیادہ تر علیحدگی کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہوتا ہے اس لیے اس کا علاج اور درمان بھی عورت میں تلاش کرنا ہوگا۔''

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ایران کا مغرب زدہ طبقہ بھی طلاق کے مرض میں مبتلا ہے (یہ مضمون ایران کے انقلاب سے پہلے شاہ کے زمانے میں لکھا گیا تھا)' پچھلے دس سالوں میں صرف تہران میں ایک ہزار طلاقیں روپے پیسے کے جھگڑوں کی وجہ سے ہوئیں۔ اخبارات میں ان کی خبریں چھپیں۔ بہت سی طلاقوں کی تو خبر بھی نہیں آئی۔ پچھلے سال تہران میں ۱۵'۳۳۵ شادیاں ہوئیں جن میں ۴'۸۳۹ (یعنی ایک تہائی) طلاق پر ختم ہوئیں۔ ان میں سے ۸۶ فیصد طلاق بیویوں نے مانگی۔ جن میں سے اکثر مغرب زدہ آزاد خیال عورتیں تھیں۔

یہ ایک ایسے خطرے کی گھنٹی ہے جس کا مداوا بہر صورت ہونا ہے۔

جاہلیت کا قانونِ طلاق:

اسلام سے پہلے جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد عورتوں کو متعدد طلاقیں دیتے اور رجوع کر لیتے۔ اور اس طرح برسوں عورتوں کو ستاتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دیتا اور عدت کے اندر رجوع کر لیتا' جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک مرد سو سے اوپر تک طلاقیں دیا کرتا تھا۔[1]

اس افراط و تفریط کا اخلاق اور عفت و عصمت پر جو اثر پڑا اس کی تفصیل لمبی ہے۔ اس سلسلہ کے لیے دوسری بہت سی کتابیں موجود ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔ لاکھوں عورتوں کی عصمت غارت ہوئی' لاکھوں مردوں کے اخلاق و اعمال برباد ہوئے' ان گنت گھر اُجڑے' نہ معلوم کتنے ملکوں اور آبادیوں کی اخلاقی اقدار پست ہوئیں' اور قانونِ طلاق کی ناہمواری کی وجہ سے بے شمار آفتیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔

اسلام کا قانونِ طلاق:

اس اندھیری رات میں اسلام کا ماہتاب عالمتاب چمکا' اور اس کے جلو میں طلاق کا اسلامی قانون روئے زمین پر نازل ہوا' اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کا راستہ پیش کیا' اور مظلوم انسانوں کے لیے ابرِ کرم بن کر برسا' یعنی اس مسئلہ میں بھی مرد اور عورت کو ان کا حق دیا گیا' کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہیں کیا گیا۔

اسلام نے طلاق کے باب میں عجلت سے سختی کے ساتھ روکا' کہ اس فعل سے دو افراد اور دو خاندانوں کا تعلق ہے' ان کی عزت و آبرو اور عفت و اخلاق کا معاملہ ہے' شریعت میں گو طلاق جائز ہے مگر اسے حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض بتایا گیا ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

← اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کے ٹکڑے پارچے نہ ہونے پائیں اور ہمارا تمدن بے لگام جذبات اور رجحانات کا ہدف بن کر پارہ پارہ نہ ہو جائے تو ایسی "تہذیب" مغربی تہذیب جو گھریلو زندگی کو برباد کر رہی ہے اس کو محض تماشائی کی حیثیت سے بیٹھے نہ دیکھتے رہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی جگہ اسلام اور اس کی روایات جو گھر اور گھر کے افراد کو استحکام بخشتی ہیں ان کی پیروی کریں۔

(مغربی تہذیب ایک مسلم کی نظر میں ص ۴۶ تا ۴۹)

[1] ترمذی' کتاب الطلاق: باب (۱۶) نزول قولہ الطلاق مرتان (ح ۱۱۹۲) واسنادہ ضعیف۔

((اَبغَضُ الحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ))[1]

''حلال چیزوں میں سب سے زیادہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو غضبناک کر دیتی ہے' وہ طلاق ہے۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

((وَلَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ))[2]

''اللہ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔''

طلاق فقہاء کی نظر میں:

فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ طلاق دراصل ممنوع ہے' ہاں کوئی عارض یا ایسی ضرورت پیش آ جائے' کہ بغیر طلاق کے کوئی گنجائش ہی نہ ہو' تو ایسے وقت میں البتہ جائز ہے' جیسے میاں بیوی میں ایسی عداوت یا بغض و کینہ پیدا ہو جائے' کہ نباہ غیر ممکن ہو' اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے۔[3]

اور اگر مرد میں وظیفہ زوجیت پورا کرنے کی صلاحیت سرے سے باقی ہی نہ رہے جیسے کہ وہ عنین (نامرد) ہو یا خصی ہو یا مجبوب (عضو بریدہ) ہو' اور یا ''شکاز''[4] کی شکایت ہو' تو ان مجبوریوں کے وقت البتہ طلاق واجب ہو جاتی ہے۔[5]

طلاق کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں:

دوسرے یہ کہ طلاق کی باگ ڈور مردوں کو سپرد کی گئی' اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرد نسبتاً دور اندیش' معاملہ فہم' بردبار اور عقل میں عورت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے' جیسا کہ پہلے آپ پڑھ آئے ہیں۔ علاوہ ازیں مرد شادی کے سلسلہ میں کافی اخراجات برداشت کرتا ہے اور اسے مہر کی کافی رقم

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الطلاق: باب فی کراھیۃ الطلاق (ح۲۱۷۸) علامہ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

[2] دارقطنی (۴/۳۵) بیہقی (۷/۳۶۱) اس کی سند میں حمید بن ملک راوی ضعیف ہے۔ نیز مکحول کی معاذ سے ملاقات ثابت نہیں۔

[3] ردالمختار ۲/ ۴۸۱۔

[4] ''شکاز'' مرد کی ایسی کمزوری کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے دطی کے وقت عضو خاص کا انتشار باقی نہ رہے۔

[5] ردالمختار ۲/۴۵۲

ادا کرنی پڑتی ہے' پھر عدت کے زمانہ کا نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے۔ دوسری شادی کی اسے ضرورت ہوئی تو پھر اس کو اخراجات برداشت کرنے ہوں گے لہٰذا ان ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے مرد کے لیے طلاق کا استعمال آسان نہیں ہے۔

طلاق کے سلسلہ کے دوسرے تمام قوانین کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے' کہ اس طرح طلاق کے امکانات برائے نام رہ جاتے ہیں۔

طلاق رجعی اور مسئلہ عدت:

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے' کہ شریعت نے طلاق کا جو مسنون طریقہ مقرر کیا ہے اس میں رجعت کی گنجائش رکھی ہے' یہ بھی طلاق کے عدم وقوع کے لیے معاون کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو طلاق تین تک ہے مگر ان کا یک بارگی استعمال سخت ناپسندیدہ ہے۔

پھر طلاق کے بعد فوراً عورت کو نکاح کی اجازت نہیں ہے' بلکہ شریعت نے اس کے لیے عدت مقرر کی ہے' یعنی اگر بالغہ حائضہ ہے تو تین حیض آنے تک رکی رہے گی۔ اور اگر سرے سے حیض نہیں آتا ہے' یا آئسہ ہے تو تین ماہ انتظار کرے گی' اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس عدت کا استبرائے رحم اور اولاد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی فائدہ ہے کہ طلاقِ رجعی میں مرد کو سوچنے سمجھنے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔

یہاں طلاق کے احکام بیان کرنا مقصد نہیں' بلکہ اشارہ کرنا ہے' کہ اسلام نے اپنے قوانین میں ان تمام چیزوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے' جن سے طلاق بجائے مضر ہونے کے صحیح معنی میں مفید ہو' اور کائناتِ انسانی ان کو راہ عمل بنا کر اپنی عفت و عصمت کی جائز حفاظت کر سکے' اور عورتیں ظلم و جور کا شکار بننے سے محفوظ و مامون رہیں۔

آپ طلاق کے اعداد و شمار اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہو کہ ممالک اسلامیہ میں طلاق نفی کے درجہ میں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام کا قانونِ طلاق دنیا کے لیے رحمت ہے' زحمت کا اس میں نام و نشان تک نہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ طلاق کا اختیار بجائے شوہر کے عدالت کو ہونا چاہیے' یہ عدم تدبر کا نتیجہ ہے' اس طرح کا مسئلہ عدالت کے ہاتھ میں دینا اور عیسائیوں کی طرح زنا ثابت کرنا' مرد و عورت کی زندگی کو برباد کرنا ہے' اور کون نہیں جانتا کہ پھر عورت کی دوسری شادی اس طرح ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسلام نے خواہ مخواہ عیب جوئی کرنا اور اسے مشتہر کرنا پسند نہیں کیا ہے۔ آپ غور کریں

گے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار ان ہی امور میں دیا ہے جن کے اعلان میں کوئی خاص قباحت نہیں بلکہ کچھ مخصوص فائدے ہی ہیں' جیسے شوہر کا عنین وغیرہ ہونا۔

بہر حال مجموعی طور پر اسلام کا قانونِ طلاق کائنات کے لیے مفید اور اس میں بسنے والوں کی عصمت وعفت کا محافظ ہے۔

لعان:

شوہر اگر اپنی عفیفہ' بالغہ آزاد اور مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور مقدمہ قاضی کے یہاں لے جائے' تو ایسی صورت میں قاضی شوہر سے چار عینی گواہوں کی شہادت ثبوت میں پیش کرنے کو کہے گا۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کھا کر' چار مرتبہ کہنا پڑے گا کہ: ''میں اس دعوے میں سچا ہوں'' اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ: ''اگر میں بیوی کو زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو'' اب اگر عورت اپنے کو پاک سمجھتی ہے تو اس کو بھی یہ چار بار کہنا پڑے گا کہ ''اللہ کی قسم! اس بات کے کہنے میں میرا شوہر جھوٹا ہے'' اور پانچویں بار کہے گی کہ: ''اگر میرا شوہر اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔'' اسی کو شریعت کی اصطلاح میں ''لعان'' کہتے ہیں۔

قاضی کے سامنے جب لعان شرعی مکمل ہو جائے تو شوہر بیوی کو طلاق دے دے اور پھر قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں یہی بیان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○﴾

(النور: ۲۴/ ۶-۹)

''جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں' اور ان کے پاس اپنی ذات کے سوا کوئی گواہ بھی نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کہ یہ کہہ دے کہ: ''بے شک میں سچا ہوں'' اور پانچویں بار یہ کہے کہ ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو'' اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ ''بے شک یہ مرد جھوٹا

ہے" اور پانچویں بار یہ کہے کہ "مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔"

یہاں بھی مقصد وہی ہے کہ جب میاں بیوی کی باہمی زندگی تلخ ہو جائے' تو خواہ مخواہ انہیں اس تلخی کے ساتھ رشتہ نکاح میں منسلک رہنے پر قانونا مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جب کہ ایک دوسرے کو باہمی اعتماد حاصل نہ ہو تو' زندگی ہر اعتبار سے جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

لعان کا پہلا واقعہ خود عہد نبوی میں پیش آ چکا ہے جس کی تفصیل کتب حدیث میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الطلاق: باب اللعان ومن طلق بعد اللعان (ح۵۳۰۸)
مسلم۔ باب کتاب اللعان (ح۱۴۹۲)

عفت وعصمت اور پاکدامنی کے لوازمات

عصمت وعفت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ آئین وقوانین پیش کیے ہیں' جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے' اوران کا لحاظ و پاس ہر محتاط انسان کے لیے بہت ضروری ہے' کیونکہ ان میں ذرا سی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے' اس میں کچھ ایسی وحشت و درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی' اور موقع پا کر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے در پے ہو جاتی ہے۔ پھر شیطان جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستوں کی طرف غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے نکاح سے پہلے بھی اور بعد بھی ''شرم وحیاء'' سے متعلق کچھ ضروری احکام نافذ کیے ہیں۔

شرم وحیاء:

''شرم وحیاء'' انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے ''لغزش'' کے موقع پر سہارا دیتی ہے' اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی سعی کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیاء کا نتیجہ ہے۔

اس روئے زمین پر بہت سی قوموں میں عریانی کا عام رواج تھا' اور اب تک گرم استوائی علاقوں کے بہت سے قبیلے اور آبادیاں اس مرض میں گرفتار ہیں۔ یورپ و امریکہ دنیا بھر میں عریانی وفحاشی میں سرفہرست ہیں۔ ان میں جو ستر پوشی ہے وہ برائے نام ہے' ان کے لباس اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ عریانی کو بھی شرمانے والے ہیں' مغربی رسالوں میں ننگی تصویریں عام طور سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

صحت اور آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت ہو رہی ہے اور اس راستہ سے عصمت و

عفت پر زبردست زد پڑ رہی ہے' آدمی کی "قوت برداشت" جواب دے رہی ہے۔ایک دن یہی چیزیں اخلاق واعمال کے ساتھ انسانی صحت کو بھی لے ڈوبتی ہیں۔ایک امریکی رسالہ میں یہ ماتم پڑھیے جسے مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب "پردہ" میں نقل کیا ہے:

"تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے' اور تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں۔فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرتِ اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔متحرک تصویریں[1] جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ برائی کے لیے عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گراہوا' اخلاقی معیار' جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے۔اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کے مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت' ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔"

شرم وحیاء اسلام میں:

اسی لیے اسلام نے اپنے قانونِ "شرم وحیاء" کا اپنے ماننے والوں میں نفاذ ضروری سمجھا ہے' اور پیغمبر اسلام نے حیاء کی مختلف پیرایہ میں تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی ترغیب بھی دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک انصاری اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے "زیادہ شرم نہ کرو۔" آپؐ نے سنا تو انصاری سے فرمایا یہ نہ کہو:

((فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ)) [2]

"کیونکہ حیاء جزو ایمان ہے۔"

شریعت میں "حیاء" اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر ابھارے جو شریعت میں قبیح ہیں' اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے:

((اَلْحَیَاءُ لَایَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ)) [3]

---

[1] مثلاً: ٹیلی ویژن' سینما' ڈش' کیبل' انٹرنیٹ' وی سی آر اور ویڈیو گیمز وغیرہ۔

[2] بخاری۔ کتاب الایمان: باب الحیاء من الایمان (ح۲۴)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان (ح۳۶)

[3] بخاری۔ کتاب الادب: باب الحیاء (ح۶۱۱۷) مسلم۔ حوالہ سابق (ح۳۷)

”حیاء خیر ہی کی موجب ہوتی ہے۔“

شرم وحیاء گویا انسانی زندگی کے لیے ایک ضروری حیثیت رکھتی ہے۔ افعال میں ہو' اخلاق میں ہو یا اقوال میں' جس میں حیاء کا جذبہ نہ ہو اس کے لیے ہر آن گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ))[1]

”جب شرم ہی ختم ہو جائے تو پھر جو جی میں آئے کرتے پھرو۔“

یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَ الْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ الْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ))[2]

”شرم و حیاء جزو ایمان ہے اور ایمان باعث دخول جنت ہے۔ اور بے حیائی جفا ہے اور جفا باعث دخول دوزخ ہے۔“

شرم وحیاء کی اہمیت جتا کر اسلام نے ان تمام چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' جو بے حیائی کی پیداوار ہیں' اور جن کی وجہ سے عفت وعصمت اور اخلاق کا دامن داغدار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ سے متعلق جو احکام و ہدایات ہیں ان کا یہاں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے' ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے یہ چیزیں کتنی ضروری ہیں۔

بیباک نگاہ اور اس کے متعلق ہدایات:

ان میں بدنظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے' کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا ہے اور نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا۔ اور پھر نگاہ کا تیر مشہور ہے' اور تجربہ کی دنیا میں مسلم بھی۔ عشق ومحبت کی تعریف کرنے والوں کی تعریف ہے کہ محبت ایک نادیدہ شئے ہے جو آنکھوں کے راستہ دل میں اتر پڑتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں۔

شعراء نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتنی نگاہیں ہیں جو

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب الحیاء (ح ۶۱۱۹)

[2] مسند احمد (۲/ ۵۰۱)' ترمذی۔ کتاب البر و الصلة: باب ماجاء فی الحیاء (ح ۲۰۰۹)

تیر کی[1] طرح دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسلام سے پہلے کے شعراء نے بھی

[1] اسلام کیسے بیدار مغز شعور کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام نے کہیں اس کا موقع نہیں دیا کہ مسلمان اپنے لئے' اپنی خواہشات کے لئے' یا کسی جنسی اقدام کے لیے خود سے کوئی منصوبہ بنائے۔ ورنہ یہ ہوگا کہ زناکاری اور بے حیائی کا جرم کر کے اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت میں ڈالے گا' اور دنیا و آخرت کے عذاب کا مستحق بنے گا۔ اس کی بجائے اسلام نے ایک ایک کر کے ان چور دروازوں کو بند کر دیا' جن کے ذریعہ شر کو اندر آنے کی راہ ملتی ہے۔ جیسے نظر بازی' بن ٹھن کر اور سج دھج کر نکلنا' مرد و زن کا آزادانہ اختلاط' غیر مسلم عورتوں کی اندھا دھند پیروی۔ سائے کی طرح ان کے پیچھے پڑنا' شرعی پردے سے آزاد ہو جانا وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ وہ چور دروازے ہیں جو برے انجام تک پہنچاتے ہیں۔

روضۃ المحبین مؤلفہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ میں زیر عنوان ''نظریں نیچی رکھنا'' ایک دلچسپ اور بے حد مفید بحث مذکور ہے۔ ذیل میں اس کا کچھ خلاصہ پیش کیا جاتا ہے: شاعر کہتا ہے

نظرة فابتسامة فسلام فكلام فموعد فلقاء

ایک نگاہ' ایک تبسم' پھر سلام' اس کے بعد بات چیت' پھر وعدہ اور پھر ملاقات

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان' آدمی کی تین چیزوں کے اندر ہوتا ہے (۱) اس کی نگاہ میں (۲) اس کے دل میں (۳) اس کی شرمگاہ میں۔ اور عورت کی تین چیزوں کے اندر اس کا مسکن ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ میں' اس کی سرین میں۔

امام موصوف فرماتے ہیں: نظریں نیچی رکھنے میں ان گنت فائدے ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں: پچھتاوے اور حسرت کے داغ سے دل محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ جتنا نگاہوں سے کسی کا تعاقب کرے گا' ناکامی پر سرد آہیں بھرے گا۔ اور بار بار دیکھنے پر دل کو ٹھیس لگے گی۔ کیونکہ نظر بازی سے طلب کی آگ بھڑکتی ہے اور کسی صورت صبر اور قرار نہیں آتا' نہ ہی مقصود کسی طرح حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی غایت درجہ رنج و اذیت کا سبب ہے۔

نظریں نیچی رکھنے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے دل کو فرحت' مسرت اور اس سے زیادہ انشراح نصیب ہوتا ہے' جتنا نظر اونچی کر کے دیکھ لینے سے مسرت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرح جانی دشمن شیطان مغلوب ہوتا ہے اور نفس اور خواہشات کی مخالفت لازم آتی ہے۔ نیز اس لیے کہ جب آدمی اس طرح اپنی لذت پر پہرے بٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے شہوت پر روک لگاتا ہے' تو جیسے لطف اندوز ہونے سے نفس امارہ کو خوشی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عوض نفس مطمئنہ کو کہیں زیادہ کامل لذت اور پوری مسرت سے نوازتا ہے۔

کسی صاحب دل کا قول ہے:

اللہ کی قسم! پاک دامنی کی لذت گناہ کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ جب نفس کی خواہش کے خلاف اقدام کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں جو فرحت و مسرت اور لذت نصیب ہوتی ←

اقرار کیا ہے کہ دل کے زخمی کرنے میں آنکھوں کا بڑا قصور ہے اور اسلام کے بعد کے شعراء نے بھی بتایا ہے کہ نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے۔ پھر اس مسئلہ میں ہر مذہب و ملت کے شعراء متفق ہیں' کوئی اختلاف نہیں۔ نگاہ کی اسی تاثیر کے باعث اسلام جب آیا تو اس نے اعلان کیا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۳۰)

''ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں' اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے' اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کی خبر ہے۔''

فتنہ کا چشمہ جہاں سے ابلتا تھا اور اخلاق اور سوسائٹی پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی ان سوتوں اور سوراخوں ہی کو بند کر ڈالا' جائز حد تک اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص قصداً یا بغیر قصد ایسا کوئی کام نہ کرے جو برائی کا زینہ بن جائے۔ نگاہ جس کو سلف صالحین نے بریدالعشق (عشق کا پیامبر) سے تعبیر کیا ہے' اسلام نے اس پر قانون کی مہر لگا دی' اور اس کے نتیجہ اور فائدہ کو بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی صیانت و حفاظت ہوگی' نیز یہ چیز تزکیہ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔

اوپر کی آیت میں جس چیز کا حکم فرمایا گیا ہے وہ ہر ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے' اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ ۝﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۴)

← ہے' موافقت اور تابعداری کرنے میں وہ لذت نہیں ملتی۔ اور اسی سے خواہشات اور عقل میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

ساتھ ہی ہمیں اس سے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے کہ جن چیزوں سے نگاہیں نیچی رکھنا ضروری ہے' ان کے اندر وہ حرام چیزیں بھی داخل ہیں جنہیں اللہ نے حرام فرما دیا ہے۔ جیسے سینما کے پردے پر دکھائی جانے والی فلمیں' ٹیلی ویژن کی شہوانی اور جنسی تصویریں۔ اسی طرح من گھڑت رومانوی' جنسی' مخرب اخلاق قصے' افسانے' ناول' ڈائجسٹ اور ایسا تمام مواد جس سے طبیعت میں ہیجان آتا ہے اور شر' فساد اور بگاڑ کی طرف رجحان تیز تر ہوتا ہے۔ (اگرچہ یہ سارا مواد نام نہاد ادب یا ثقافت پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو)

اسی طرح خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جو حکم نگاہوں کا ہے وہی کان کا بھی حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ آوازوں خصوصاً فحش گیت اور ہیجان انگیز موسیقی کا سننا بھی حرام ہے۔

"مرغوب چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کیے گئے ہیں جیسے عورتوں پر۔"

غور و فکر سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں کا فتنہ مہلک ترین اور دنیا کے بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ اسی وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آنکھوں کے فتنہ سے یقینی طور پر اپنے کو بچاؤ' کیونکہ یہ تمام فتنہ و آفت کا بنیادی سبب ہے:

((ثُمَّ عَلَيْكَ وَفَّقَكَ اللّٰهُ وَ اِيَّانَا بِحِفْظِ الْعَيْنِ فَاِنَّهَا سَبَبُ كُلِّ فِتْنَةٍ وَ اٰفَةٍ)) [1]

صاحب منہاج العابدین لکھتے ہیں کہ آیت ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ الخ﴾ میں اللہ رب العزت نے تین چیزیں بیان کی ہیں' تادیب ترغیب اور تہدید۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں تادیب ہے کہ بندہ اپنے آقا کی اس باب میں فرمانبرداری کرے' یعنی کسی کی طرف اگر دیکھنا ناجائز ہو تو دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔

(۲) اور دوسرے حصہ ﴿اَزْكٰى لَهُمْ﴾ میں ترغیب ہے کہ اس غض بصر کا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں پاکیزگی آئے گی اور عبادت میں زیادتی اور دلچسپی پیدا ہوگی' اور اگر اس ہدایت پر عمل نہ ہوگا تو آنکھوں کے ذریعہ کسی نہ کسی فتنہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے' جس کا نقصان یہ ہوگا کہ سکونِ قلب جاتا رہے گا اور دل وسوسوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

(۳) اور آیت کے آخری حصہ ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ میں تہدید ہے کہ اگر بندوں نے اس ہدایت کی پروا نہ کی تو یہ سمجھ رکھیں کہ رب العزت غافل نہیں' وہ ساری کارروائیوں سے واقف ہے۔ [2]

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ)) [3]

"میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ مردوں کے لیے ضرر رساں نہیں چھوڑا۔"

---

[1] منہاج العابدین' ص ۲۸۔

[2] منہاج العابدین ص ۲۸' ۲۹ (نوٹ) یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ منہاج العابدین جس کے متعلق کہا گیا کہ یہ امام غزالی کی طرف منسوب ہے' دراصل یہ ان کی کتاب نہیں ہے (دیکھئے معارف مارچ ۱۹۵۳ء)

[3] بخاری۔ کتاب النکاح: باب ما یتقی من شؤم المرأۃ (ح ۵۰۹۶)

مسلم۔ کتاب الرقاق: باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء (ح ۲۷۴۰)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِی اِسْرَآئِیلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ))[1]

"دنیا اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ جو پیدا ہوا وہ عورتوں کی وجہ سے تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ فرمایا' اور شہوت کی رعایت سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا' اور پھر اس کے بعد انسانی طبیعت پر کنٹرول کیا کہ ان کے لیے اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کے طریقے بیان کیے۔ حد سے بڑھتی ہوئی حرص جو حریص انسان کی طبعی خواہش ہے اس پر پہرہ بٹھایا' اور کائناتِ انسانی کو فتنہ وفساد سے محفوظ کر دیا۔

عورتوں کو ہدایت:

اگر اسلام نے صراحتاً مردوں کو عفت کی تعلیم دی' تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا' کیونکہ مرد اور عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے' کم وبیش کا فرق ہے۔ عورت کی فطرت بھی شہوت اور اس کے دواعی سے خالی نہیں' اس لیے رب العالمین نے فرمایا:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

"ایمان والیوں سے بھی کہہ دے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں[2] اور اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں سے کھلی چیز ہے۔"

ان آیتوں کا لب ولہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بیباکی اور ان کی آزادی شہوت میں' انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے۔ عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا' کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل ودماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی پیہم سعی کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل ودماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے' چنانچہ آپ نے دیکھا اور

---

[1] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۷۴۲)

[2] یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انہیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں کیونکہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے احتیاطی ہی' حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔ (حافظ صلاح الدین یوسف)

سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا تو اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہوگئی۔

شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے' کم و بیش یہی حال عورتوں کا بھی ہے' بلکہ ان کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عورتیں عموماً آگے ہوتی ہیں اور جلد متاثر ہونا تو ان کے لیے ایک مستقل مرض ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ بات کی بات میں عورت بدلتی رہتی ہے' اس لیے ان کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے' ایسا نہ ہو کہ کسی خوبرو تنومند جوان کی ادا بھا جائے اور ظاہر نہ سہی باطن ہی گندہ کر ڈالے' یا یہ نہیں تو ادھر ہو سکتا ہے کہ دوسری طرف وہ مرغِ بسمل بن کر تڑپنے لگے اور اس کو خبر بھی نہ ہو۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عورت کے دل میں تو کوئی خطرہ نہیں گزرتا' مگر اس کی بے احتیاطی سے کسی مرد کا سکونِ دل جاتا رہتا ہے۔ وہ مرد اپنی غرض کے سلسلہ میں اندھا بن جاتا ہے اور پھر سیکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے' بیسیوں جال بچھاتا ہے اور کبھی کبھی زبردستی کسی معصومہ کی عصمت دری کے درپے ہو جاتا۔ جیسے کہ صدق جدید لکھنؤ میں ایک لڑکی کا خط شائع ہوا ہے' وہ لکھتی ہے کہ ''اسکول جانے میں پانچ چھ نوجوان[1] میرا پیچھا کرتے ہیں۔'' (۲ مارچ ۵۱ء)

---

[1] کالج' یونیورسٹی اور اسکول کے کچھ نوجوان کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے یہاں بے پردگی عام نہیں ہے' اس لیے کبھی کبھی ایسی بات ہوتی ہے۔ پردہ اگر یورپ کی طرح بالکل اٹھا دیا جائے تو پھر بدکاری ختم ہو جائے اور مخلوط سوسائٹی مردوں اور عورتوں کے احساس کو ماؤف کر ڈالے گی۔ مگر ہمارا خیال اس کے بالکل برعکس ہے' دلیل میں صرف امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین کی میڈم کی وہ تقریر پیش کروں گا جو انہوں نے ''اخلاقی پستی'' کے عنوان پر کی تھی' فرماتی ہیں: ''یہ لڑکیاں نہ بازاری ہیں' اور نہ حسن فروش' پندرہ بیس برس کی کم سن اور بھولی بھالی لڑکیاں ہیں' اکثر یونیورسٹی' کالج اور ہائی اسکول کی طالبات ہیں۔ اس وقت حکومت امریکہ اور امریکن قوم کے سامنے نامعلوم باپ کے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اہم مسئلہ ہے' کنواری ماؤں کے ان بچوں کی تعداد گزشتہ سال سوا لاکھ سے زیادہ تھی' ان میں سے ایک لاکھ بچوں کی مائیں یونیورسٹی کی طالبات ہیں۔ نیز تربیت و تعلیم کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ ان بچوں کے باپ کالج ہی کے ہونہار طلبہ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ امریکہ میں تمام خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کو کامل آزادی دے رکھی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک نوجوان لڑکی' جو اپنی گھریلو زندگی میں محبت و شفقت سے محروم رہتی ہے کالج میں قدم رکھتے ہی کسی طالب علم سے مل کر عشق و محبت کے تجربہ کا شکار ہو جاتی ہے۔'' (ندائے حرم کراچی جمادی الاوّل ۱۳۶۹ھ)

نگاہ کی حفاظت کا حکم:

اس آیت اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے' کہ یہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔ اس کا یہ دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں' حدیث سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھیں' کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا کسی ضرورت سے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ نے ہم سے فرمایا: ''تم دونوں پردہ میں چلی جاؤ۔'' ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں' یہ ابن ام مکتوم نابینا نہیں ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَفَعَمْيَا وَانِ اَنْتُمَا' اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ))[1]

''کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں؟۔''

یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے' اس حدیث سے عورتوں کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی مرد کو نہ دیکھیں۔

''یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ'' کے متعلق سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ اس میں فواحش سے بچنے کا حکم ہے۔ قتادہؒ اور سفیان کہتے ہیں ان تمام چیزوں سے عورتوں کی حفاظت کا حکم ہے جو ان کے لیے حلال نہیں ہے۔[2]

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

''عورت کو شہوت کے ساتھ کسی طرف قصداً نظر کرنا جائز نہیں' بجز زوج (شوہر) کے۔ بلا شہوت نظر کرنے میں بھی تفصیل ہے کہ عورت کا دوسری عورت کے بدن کو بجز ناف

---

[1] ابو داود۔ کتاب اللباس: باب فی قولہ تعالی (وقل للمؤمنات)۔ (ح ۴۱۱۲)

ترمذی۔ کتاب الادب: باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال (ح ۲۷۷۸)

اس روایت کے مرکزی راوی نبہان کو امام ذہبی نے الکاشف (۳/۱۷۵) میں ثقہ کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۹/۳۳۷) میں اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔ اور مختلف روایات میں جمع تطبیق دی ہے۔ دیکھئے (۱/۵۵۰، ۹/۳۳۷، ۱۲/۳۷)

نتیجتاً یہ روایت حسن لذاتہ ہے اور اس کی دوسری روایات سے تطبیق ممکن ہے اس لیے بلاوجہ اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

[2] ابن کثیر جلد ۳/ ۲۸۳۔

سے زانو تک دیکھنا درست ہے اور مرد کے بدن کو ناف اور زانو کے درمیان تو بالاتفاق حرام ہے' اور اس کے ماسوا کا دیکھنا مختلف فیہ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک حرام ہے اور حنفیہ کے نزدیک بلا شہوت گو حرام نہیں' مگر خلاف اولیٰ ہے[1] چنانچہ ابوداؤد و ترمذی و نسائی و بیہقی میں حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی نابینا نے رسول اللہ کی خدمت میں آنا چاہا تو آپ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''پردہ میں ہو جاؤ۔'' انہوں نے عرض کیا کہ: ''وہ تو نابینا ہیں' ہم کو نہ دیکھیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو' کیا تم ان کو نہ دیکھو گی؟'' اور شرعی ضرورت سے اجازت ہے۔ اسی طرح باقصد نظر پڑنے سے جب کہ فوراً ہٹالی جائے' گناہ نہیں' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ یہ تفصیل ہے ﴿يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾[2] کی' اور اس میں من تبعیضیة ہے' جس کی وہی توجیہ ہے کہ بعض جگہ نہیں۔''[3]

نگاہ کے فتنے:

حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

''نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی

---

[1] صاحب کشاف لکھتے ہیں: وغضها بصرها من الاجانب اصلا اولى بها واحسن۔ (کشاف ج ۳ ص ۷۱)

[2] عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں' جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں مؤمن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علماء نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں سیدہ عائشہؓ کا حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے (صحیح بخاری' کتاب الصلوٰۃ' باب اصحاب الحراب فی المسجد) بغیر شہوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورت کو اجازت دی ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔ اس کی تائید سیدہ فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدنا ابن ام مکتوم (نابینا' صحابی) کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکو گی۔ (صحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب المطلقة ثلاثا......) اور جس حدیث میں بعض ازواج مطہرات کو سیدنا ابن ام مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم ہے' وہ سنداً ضعیف ہے' اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔

[3] بیان القرآن ۸/ ۱۶

جگہ کی حفاظت ہے' جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے' کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے' پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے' شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے' ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے۔ جس سے اس منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارۂ کار نہیں رہتا' جب کوئی مانع حائل نہ ہو۔"[1]

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

((اَلصَّبْرُ عَلٰی غَضِّ الْبَصَرِ اَیْسَرُ عَلَی الصَّبْرِ عَلٰی اَلَمِ بَعْدَہٗ))

"آنکھ بند کرنا آسان ہے' مگر بعد کی تکلیف پر صبر مشکل۔"[2]

کیونکہ نظر کا تیر اگر پیوست ہو گیا تو پھر اس سے حسرت' سوزشِ قلب' جگر کی ٹیس اور آہ و فغانِ نیم شبی پیدا ہوتی ہے' آدمی اس وقت بے قابو ہو جاتا ہے اور اس کے لیے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا' اور یہ ایک مستقل عذابِ جان بن جاتا ہے' اور اگر زنا میں مبتلا ہو گیا تو تباہ ہو گیا اور نہ دنیا کا رہا نہ آخرت کا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے بھی اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

((اَلنَّظْرَۃُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِیْسَ)) [3]

"نظر ابلیس کے تیروں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔"[4]

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۰۴ [2] الجواب الکافی ص ۱۲۰۴

[3] مستدرك حاكم (۴/ ۳۱۷_۳۱۵) طبرانی فی الكبير (۱۰/ ۲۱۴) واسناده ضعيف

[4] پیہم نظر بازی کی بدولت دل پر پڑنے والے اثرات کو طب نے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ طبی طور پر یہ تجزیہ کیا گیا کہ مسلسل نظر بازی سے جنسی توانائی یوں ضائع ہو جاتی ہے جیسے موٹر گاڑی کی بیٹری سے گاڑی کی بجلی فیل ہو جاتی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نظر بازی سے بدن کو نفع ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مسلسل فکر اور توہم سے جو نقصان پہنچتا ہے' فائدے سے کہیں زیادہ اُلٹا اس سے نقصان ہوتا ہے۔ پھر حرام عشق میں پڑنے والے کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

علامہ موصوف یہ بھی فرماتے ہیں: ذکرِ الٰہی اور نماز سے جو لذت فوراً' یا قدرے تاخیر سے حاصل ہوتی ہے' یہ لذت نہ صرف پائیدار اور تادیر ہوتی ہے' بلکہ اس سے رنج و غم اور حزن و ملال بھی کافور ہو جاتے ہیں۔ نیز اس لذت سے جلد یا بدیر کرب اور اندوہ کا ازالہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا ذکر کرنے' اس سے لو لگانے' دل و جان اور جسمانی لگاؤ کے ساتھ نماز پڑھنے سے عظیم تر اعلیٰ مفاد حاصل ہوتا ہے۔ مفاسد کا دفعیہ ہوتا ہے' مضرت سے ←

اور حدیث قدسی میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

((مَنْ تَرَکَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهٗ إِيْمَانًا يَّجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ))[1]

← بے نیازی حاصل ہوتی ہے اور انسان کے لیے بحیثیت انسان ہونے کے یہ لذت اس لذت کا عوض بنتی ہے جو خود ناقص ہوتی ہے اور اپنے سے کامل لذت کی راہ میں رکاوٹ اور غم واندوہ کا باعث ہوا کرتی ہے۔ (روضۃ المحبین ص ۱۵۸)

اور جو شخص سابقہ آیات پر غور کرے گا' اور صاحب ایمان مسلمانوں کے لیے اللہ نے جو کچھ تیار کر رکھا ہے' ان پر نظر رکھے گا' تو دنیا کا عشق اس کی نظر میں ہیچ ہوگا۔ معشوق کو وہ کبھی کا فراموش کر دے گا۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور اس کی جنت کی طرف بڑھنے کا شوق تیز ہوگا۔ کیونکہ اس جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو اس کا دل چاہے گا اور جس سے اس کی آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔

نیز ان آیات سے سب سے انوکھی عبرت اور سبق ہمیں یہ سیکھنا چاہیے کہ قرآن پاک کے نزول کے زمانے میں جب اللہ رب العزت نے مسلمان خواتین کو اپنی گردن' سینہ' اور سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا' تو اللہ کی ان بندیوں نے فوری طور پر اپنی چادروں (اندرونی پوشاک) کو پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔ یہ ان کے ایمان کی تصدیق تھی' اور پیغمبر پر اللہ کے اتارے ہوئے احکام کی پوری پوری تابعداری کا عکس تھا جو ان کے اندر موجزن تھا' اور اسی جذبے کے تحت وہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز میں اپنی چادریں لپیٹ کر اس طرح کھڑی ہوتی تھیں' جیسے ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں۔ غور کرنا چاہیے کہ کہاں وہ صحابی خواتین جو محض ایک آیت سن کر اس کی تعمیل کے لیے یوں اٹھ کھڑی ہوتی تھیں۔ اور کہاں آج کی مسلم خواتین' جن کے سامنے وعظ و نصیحت کا دفتر کھل جائے' لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہو۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نگاہیں نیچی رکھنے کے متعدد فوائد ہیں:

اول: یہ کہ دل حسرت اور رنج و افسوس سے نجات پا جاتا ہے۔

دوم: یہ کہ اس عادت کے نتیجہ میں دل کے اندر روشنی اور نور سرایت کر جاتا ہے' جس کا عکس آنکھوں' چہرے اور اعضاء و جوارح میں نظر آتا ہے۔ اس لیے حقیقت حال کا علم تو بس باری تعالیٰ کو ہے۔ لیکن غالباً اسی نورانیت کا اظہار کرنے کے لیے باری تعالیٰ نے (سورۂ نور ۲۴/۳۵) میں اپنی صفت ''نور'' کے بیان پر مشتمل آیت ۳۵:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

سے چند آیات پہلے (نور: ۲۴/۳۰) عطیہ الٰہی آنکھوں کے نور کو پاک رکھنے کے لیے آیت نمبر ۳۰ اور ۳۱ میں اہل ایمان مرد وزن کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (اے پیغمبر!) ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

[1] مستدرک حاکم (۴/ ۳۱۴)' مجمع الزوائد (۸/ ۶۳) بحوالہ طبرانی فی الکبیر (۱۰/ ۲۱۴) اس کی سند میں اسحاق بن عبدالواحد اور عبدالرحمن بن اسحاق راوی ضعیف ہیں۔

''جس نے نگاہ کی آوارگی کو میرے خوف سے ترک کیا تو میں اسے بدلے میں ایسا ایمان نصیب کروں گا جس کی مٹھاس وہ دل میں محسوس کرے گا۔''

ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهَا الْكَلَامُ وَ الْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوِیْ وَ يَتَمَنّٰی وَ يُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ اَوْ يُكَذِّبُهُ))[1]

''آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' کانوں کا زنا سننا ہے' زبان کا زنا بات کرنا ہے' ہاتھ کا زنا پکڑنا اور پیر کا زنا چلنا ہے اور دل کا وہ آرزو اور تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

بعض سلف نے کہا ہے:

((اَلنَّظَرُ سَهْمٌ سَمٌّ اِلَى الْقَلْبِ))[2]

''نگاہ ایک تیر ہے جو قلب (دل) میں زہر ڈال دیتی ہے۔''

نظر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں' قوم اور ملک کا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے' اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور عفت و عصمت دم توڑ دیتی ہے۔

پست نگاہی کی تاکید:

یہی وجہ ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے غض بصر کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کو دل نشین فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَ لَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ))[3]

''اے علیؓ! ایک بار (اتفاقیہ طور پر کسی عورت کی طرف) نظر پڑ جانے کے بعد پھر دوبارہ نہ دیکھو' کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر (معاف) ہے' دوسری نہیں۔''

---

[1] مسلم۔ کتاب القدر: باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی وغیره (ح۲۶۵۷)۔

[2] ابن کثیر ۳/ ۲۸۲

[3] ابو داؤد۔ کتاب النکاح: باب فی ما یومر به من غض بصر (ح۲۱۴۹)

ترمذی۔ کتاب الادب: باب ما جاء فی نظر الفجاءة (ح۲۷۷۷)

پہلی نظر جو بغیر قصد پڑتی ہے اس میں انسان بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے' اس لیے یہ معاف ہے' مگر پھر دوبارہ نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی' یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلی نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم ﷺ سے پوچھا کہ جو نظر دفعتاً (اچانک) پڑ جاتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں:

فَاَمَرَنِی اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِیْ۔[1] ''مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔''

اور بعض روایات میں ہے' کہ آپؐ نے فرمایا:

((اَطْرِقْ بَصَرَكَ))[2] ''تو اپنی نگاہ جھکا لے۔''

نگاہ پھیرنا مختلف طور پر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس فتنہ سے جو سامنے ہے' بچا لیا جائے۔ نظر پھیر لی جائے یا نیچی کر لی جائے یا اور کسی دوسری چیز پر نگاہ جما دے تا کہ نظر اس فتنہ سے محفوظ ہو جائے' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((غُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَ احْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ))[3]

''اپنی نگاہوں کو پست کرو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا:

((اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِّلْمَرْأَةِ؟))

''عورتوں کے لیے کون سی چیز بہتر ہے۔''

کسی نے جواب نہ دیا' سب کے سب خاموش رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس مجلس میں خود میں بھی شریک تھا' مجھ سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جب گھر آیا تو میں نے سیدہ فاطمہ سے پوچھا:

---

[1] مسلم۔ کتاب الآداب: باب نظر الفجاءة (ح۲۱۵۹)

[2] تفسیر ابن کثیر (۴/ ۴۵۴) معالم السنن للخطابی (۳/ ۲۲۲) وابونعیم فی الحلیة (۲/ ۱۷۳۔۱۷۵) البحر الزخار ۵۲۶

[3] الجواب الکافی' ص ۲۰۴۔ مسند احمد (۵/ ۳۲۳) شعب الایمان (۵۲۰۶)' حاکم (۴/ ۳۵۸) اس کی سند منقطع ہے۔ یعنی راوی کا عبادہ بن صامتؓ سے سماع ثابت نہیں۔ لیکن یہ روایت اپنے شواہد کی بنیاد پر حسن ہے' اس کے شواہد کے لیے دیکھئے تعلیق علی مسند احمد ۳۷/ ۴۱۸ اور اس روایت کا مفہوم قرآنی آیات کے مطابق ہے۔ (مبشر احمد ربانی)

((اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِّلنِّسَاءِ؟))

''عورتوں کے لیے کون سی چیز بہتر ہے۔''

سیدہ فاطمہؓ نے برجستہ جواب دیا:

((لَا یَرَاهُنَّ الرِّجَالُ))[1]

''عورتوں کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ مردوں کی نگاہ سے محفوظ رہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جواب کا تذکرہ کیا' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوئے اور فرمایا: ''فاطمہ میرا ایک حصہ ہے۔''

راستہ پر مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزرگاہ ہے' ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں' نظر بے باک ہوتی ہے' ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑ جائے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مجبوری پیش کی اور بتایا کہ اس سے کبھی چارہ کار نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو جب ایسی مجبوری ہی ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ راستہ کا حق کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰی وَ رَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْكَرِ))[2]

''نگاہ نیچی رکھنا' اذیت کا روکنا' سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم دینا' بری بات سے منع کرنا۔''

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُكْفُلُوْا لِیْ سِتًّا اَكْفُلْ لَكُمُ الْجَنَّةَ' اِذَا حَدَّثَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَكْذِبْ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا یَخُنْ وَاِذَا وَعَدَ فَلَا یُخْلِفْ وَ غُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَ كُفُّوْا اَیْدِیَكُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ)) (حسن لغیرہ ہے جیسا کہ حوالہ گزر چکا ہے)

''تم چھ چیزوں کی کفالت کرو میں تمہارے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔ (۱) جب کسی

[1] مجمع الزوائد (۴/ ۲۵۵) بحوالہ البزار۔ کشف الاستار (ح ۱۴۰۵)
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔

[2] بخاری۔ کتاب المظالم: باب افنیة الدور والجلوس فیها (ح۲۴۶۵)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب النهی عن الجلوس فی الطرقات (ح۲۱۲۱)

سے بات بیان کرو تو جھوٹ نہ بولو (۲) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرو (۳) اور وعدہ خلافی نہ کرو (۴) اور اپنی نگاہوں کو پست رکھو (۵) اپنے ہاتھوں کو روکو (۶) اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔''

اس حدیث میں جن چھ چیزوں کی ذمہ داری پر نبی کریم ﷺ جنت کی کفالت فرمارہے ہیں ان میں غض بصر (نگاہ پست کرنا) اور حفظ فروج (شہوت کی جگہ کی حفاظت) بھی ہے' اس سے نظر کی اہمیت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا))[1]

''کوئی مسلمان جب پہلی مرتبہ کسی عورت کی خوبصورتی دیکھے پھر وہ اپنی نگاہ پست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی عبادت میں شیرینی پیدا کرتا ہے۔''

طبرانی میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَتَغُضُّنَّ اَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ))[2]

''تمہیں لازماً اپنی نگاہیں جھکا کر رکھنا ہوں گی اور لازماً شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔''

نگاہ پست رکھنے کے فائدے:

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس کے زہر میں بجھائے ہوئے تیروں میں سے نظر بھی ایک تیر ہے' جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی شیرینی میں بدل دے گا' جس کی لذت وہ اپنے قلب میں پائے گا۔[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شہوت کی جگہوں سے بچنے کا عہد کرے اس کے لیے جنت کی بشارت ہے:

((مَنْ يَكْفُلْ لِيْ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَكْفُلْ لَهُ الْجَنَّةَ))[4]

---

[1] مسند احمد (۵/۲۶۴) اس کی سند میں علی بن یزید راوی ضعیف ہے۔

[2] طبرانی فی الکبیر (۸/ ۲۴۶) اس کی سند میں علی بن یزید راوی ضعیف ہے لیکن یہ اپنے شواہد کی بناء پر حسن ہے۔

[3] حاکم (۴/ ۳۱۴۔۳۱۵) طبرانی فی الکبیر (۱۰/ ۲۱۴) اس کی سند میں دو راوی اسحاق اور عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔

[4] بخاری۔ کتاب الرقاق: باب حفظ اللسان (ح۶۴۷۴) بلفظ مختلف۔

''جو شخص اس چیز کا کفیل بن جائے جو اس کے جبڑوں کے درمیان (یعنی زبان) اور جو ٹانگوں کے درمیان (یعنی شرمگاہ) ہے تو میں اس کے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔''

ابن کثیر نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام آنکھیں رو رہی ہوں گی' مگر ان میں کچھ آنکھیں خوش ہوں گی ایک وہ آنکھ جس کو محارم اللہ سے محفوظ رکھا گیا ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں جاگنے کی صعوبت برداشت کی ہے اور تیسری وہ آنکھ جس نے خشیتِ الٰہی سے آنسو بہایا ہے[1]

اس ساری تفصیل کے بعد آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی' کہ اللہ رب العالمین نے حفظ ماتقدم کے طور پر جن بہت سی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں نگاہ کی حفاظت بھی ہے' اور شہوت کی جگہ سے مکمل اجتناب بھی' اور مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت جو انسان کے لیے نیز پوری قوم اور ملک کے لیے ایک بیش قیمت موتی ہے' اس کی حفاظت کے تمام جائز طریقے برتنا ضروری اور انسانی فریضہ ہے' تاکہ انسانی سوسائٹی فتنہ وفساد کی آماجگاہ نہ بن سکے' اور ملک وشہر کا امن وامان خطرہ میں نہ گھرے۔

اس سلسلہ میں عورتوں کو بھی خصوصی خطاب کیا گیا ہے کیونکہ صیغہ مذکر میں اصولی طور پر عورتیں بھی مخاطب تھیں' مگر پھر صیغہ مؤنث لا کر ان کو مزید تاکید شدید کی گئی ہے۔ خصوصی خطاب کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے متعلق خود قرآن نے کہا ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ ۝﴾

(آل عمران: ۳/ ۱۴)

''مرغوب چیزوں کی محبت نے لوگوں کو فریفتہ کیا ہے' جیسے عورتیں۔''

جاہلی بے پردگی سے ممانعت:

اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں حدود وقیود میں گھری نظر آتی ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ان پر ہر جگہ پہرہ لگا دیا ہے اور ان تمام خطرات کی حفاظت کی ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ رات دن کے تجربات ہیں کہ عورتوں کی بیباکانہ چہل پہل مردوں کی جماعت میں ایک شورش پیدا کر دیتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ابن کثیر (۴/ ۵۳۶) حلیۃ الاولیاء (۳/ ۱۶۳) واسنادہ ضعیف (ضعیف الجامع ۴۲۴۸) سلسلۃ الضعیفۃ ح ۱۵۶۲)

﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى ۝ ﴾

(الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے وقت میں (اپنے آپ کو) دکھانے کا جو دستور تھا اس طرح دکھلاتی نہ پھرو۔''

اس آیت کا شانِ نزول گو خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ حدودِ شرعی کے اندر رہیں' جاہلیت کی رسم ترک کر ڈالیں۔ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عورتیں خوب بن سنور کر مردوں میں بیباک گھومتی تھیں' زینت کی عجیب وغریب تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں' دوپٹہ کو اس طرح ڈالتی تھیں کہ سینہ کا ابھار' گلے کے زیورات' کانوں کی بالیاں اور ان کی ہیئت فتنہ سامان ہوتیں' مرد اس ادا کو دیکھ کر مسحور ہو جاتے۔ پھر جاہلیت میں عورتیں مٹکتی ہوئی چلتی تھیں اور ان کا بانکپن اور ان کی ادائیں غضب ڈھاتی تھیں۔ اس لیے اسلام آیا تو اس نے اصلاح کی' عورتوں کو پہلے رسم و رواج سے روکا' اور پاک زندگی کا سلیقہ بتایا' پہلی بات یہ ہے کہ عورتیں گھر ہی میں رہیں' اور اگر ضرورتاً نکلیں تو جاہلیت کے طریقہ پر بن سنور کر نہ نکلیں۔

نزول حکم حجاب:

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اوّل اسلام میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا' بلکہ ہجرت کے بعد پانچویں سال میں یہ حکم نازل ہوا۔ سیدنا فاروق اعظم کو اس کی بڑی فکر تھی اور ان کی دلی خواہش تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو۔ انہوں نے مختلف طور پر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی جن قلبی خواہشوں کو اللہ رب العزت نے شرفِ قبولیت بخشا ان میں سے ایک یہ حجاب کا مسئلہ بھی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَدْخُلُ عَلَيْهِنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى آيَةَ الْحِجَابِ))[1]

''آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں' کاش!

---

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب: باب قوله (لا تدخلوا بيوت النبي (ح ۴۷۹۰)

آپ ان کو پردہ میں رہنے کا حکم فرماتے! اس پر آیت حجاب اُتری۔"

اور ان کی اسی درخواست کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

"اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں بغیر اجازت نہ جاؤ۔"

عورتوں سے پردہ کی اوٹ سے استفادہ کا حکم:

یہ حکم سیدہ زینب بنت جحش کی شادی کے موقع پر نازل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی ان سے جب شادی ہوئی تو لوگوں کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ کھانے کے بعد تمام لوگوں کو چل دینا چاہیے تھا' مگر تین آدمی بات چیت کرتے رہ گئے اور اس موقع پر ان بیٹھنے والوں کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچی' خود تو آپ شرم وحیاء کی وجہ سے نہ فرما سکے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حجاب کے متعلق پوری ہدایات نازل فرما دیں۔[1]

عورتوں سے ضروری استفادہ کی راہ بھی بند نہیں کی گئی' بلکہ اس کا ایک معقول اور پاکیزہ تر راستہ باقی رکھا' ارشاد فرمایا گیا:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْھَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِھِنَّ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

"اور جب تم بیبیوں سے کوئی کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے باہر سے مانگ لو' اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے خوب پاکیزگی ہے۔"

یہ آیتیں گو شانِ نزول میں خاص ہیں' مگر حکم میں عام ہیں۔ تمام مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ عورتوں سے جو کچھ لینا ہو پردہ سے لیں کہ مواجہ (آمنا سامنا) نہ ہونے پائے' تاکہ طرفین خود بھی محفوظ رہ سکیں اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں نہ پڑنے دیں۔

مخلوط سوسائٹی مضر ہے:

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفس انسانی کو بہکنے کا موقع ملتا

---

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر' سورۃ الاحزاب: باب قولہ (لاتدخلوا بیوت النبی) (ح ۴۷۹۱)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب زواج زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہ (ح۱۴۲۸)

ہے اور شیطان کے لیے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا غنیمت راستہ ہاتھ آ جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں عورتوں پر اعتماد نہیں ہے اور مردوں کو ہم شیطان سمجھتے ہیں' بلکہ ہم عورت اور مرد دونوں ہی کو قابل اعتماد اور لائق وثوق یقین کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں شہوت ودیعت کی ہے' مرد و عورت کی اس میں کوئی تفریق نہیں۔ اور تاریخ کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ' دشمنوں اور بد باطنوں نے پاکدامن عورت و مرد پر تہمت ڈالی ہے اور اس سے پیدا شدہ شر وفتن بھی ہمیں معلوم ہیں' اس لیے عقل کی روشنی میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں' جن سے وہ راستے بند ہو جائیں جن سے ہو کر فتنہ وفساد کے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔

تاریخ اخلاق یورپ نے مرد و عورت کے باہمی میل جول کے جو نتائج سامنے پیش کر دیئے ہیں اور خود ہمارے ملک میں کالج و یونیورسٹی کی ملی جلی زندگی نے جو تجربات فراہم کر دیے ہیں ان کو سامنے رکھ کر عقلاً بھی پردہ کا شرعی حکم بغیر افراط وتفریط سراپا رحمت ہے۔

مخلوط تعلیم کا اثر عفت وعصمت پر:

ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہیں:

''جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق یہ کہنا چاہتی ہوں' کہ مخلوط تعلیم سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہو جاتی ہے' اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہو کر انہیں زیادہ خراب کر دیتے ہیں' جس کے بعد وہ گھریلو زندگی کے نظام سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی خطوط پر قائم ہے ہماری لڑکیوں کے لیے بے سود اور غیر ضروری ہے۔[1]

جن ملکوں میں مخلوط تعلیم عام ہے ان کے واقعات ملاحظہ فرمایئے۔ امریکہ کے متعلق وہاں کے جج لنڈسے کا بیان ہے:

''ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔''[2]

اسی جج لنڈسے کا بیان ہے:

''اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصد لڑکیاں اسکول چھوڑنے سے پہلے

---

[1] زمزم لاہور ۱۵/ اکتوبر ۴۵ء۔

[2] پردہ مولانا مودودی ص ۷۱

خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔''[1]

ایک مغربی خاتون مسز ڈون تھی ہال اپنے مضمون ''عورتوں کی تعلیمی دقت'' میں رقمطراز ہیں:

''آخر میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مخلوط طریقہ تعلیم میں اگرچہ کتنا بھی دعویٰ کیا جائے ان جذباتی دقتوں کا ازالہ نہیں ہوتا' جو نوجوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں کامل انہماک کی راہ میں حقیقی رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں اور جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگریز ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں' بلکہ مطالعہ اور ضبطِ زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ

---

[1] امریکہ کے متعلق ہی ایک دوسری حیران کن اعداد و شمار پر مشتمل رپورٹ ملاحظہ کریں:

واشنگٹن پوسٹ کا کالم نگار تھامس لکھتا ہے' کہ نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات امریکہ میں خطرناک حد تک پہنچ چکے ہیں۔ امریکہ کی گیارہ ریاستوں میں ریسرچ سٹڈی کی گئی۔ اس ریسرچ کے جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں' ان کے مطابق عصمت دری کی شکار ۵۰ فیصد خواتین کی عمر ۱۸ سال سے کم ہے اور ۲۵ فیصد تو ۱۲ سال سے بھی کم عمر کی بچیاں ہیں۔ ریسرچ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ بچوں کے خلاف جنسی جرائم کی تعداد معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر واقعات رپورٹ نہیں ہوتے' یا پھر بیشتر واقعات میں گھر کے افراد' رشتے دار یا دوست ملوث ہوتے ہیں۔

امریکہ کی تین ریاستوں میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کیے گئے سروے میں جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں ان کے مطابق بارہ سال سے کم عمر بچیوں میں سے ۲۰ فیصد اپنے باپوں کی ہوس کا شکار ہوئیں۔ ۲۴ فیصد کو رشتہ داروں اور ۳۰ فیصد کو دوستوں نے شکار کیا۔ صرف ۴ فیصد کی اجنبیوں نے عصمت دردی کی۔ (حوالہ بیدار ڈائجسٹ'' ستمبر ۹۴ء ص ۹۰)

اس مخلوط نظام تعلیم نے برطانیہ میں بھی اذیت کا عذاب برپا کر رکھا ہے' کہ نازک اور معصوم بچے بھی اس کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے۔

برطانیہ میں ہی انتہائی کم عمر کے بچے اور بچیوں میں جنسی رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق بچوں کے تحفظ کی قومی کونسل کی سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۸۶ء میں کم عمر بچوں کے مابین جنسی تعلقات کے تقریباً بارہ سو واقعات رونما ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر تعداد ایسے بچوں کی تھی جن کی عمریں پانچ سال سے بھی کم ہیں' رپورٹ میں اس خطرناک رجحان کی ذمہ داری مخلوط تعلیم اور جنسی مناظر پر مبنی فلموں پر عائد کی گئی ہے۔ (جنگ لاہور ۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء)

[2] پردہ مولانا مودودی ص ۱۷۔

بعض اوقات شاگرد اساتذہ سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔"[1]

یہ جو کچھ پیش کیا گیا ملاؤں کے بیان نہیں' سب جدید تعلیم یافتہ حضرات و خواتین کے بیانات ہیں اور تجربہ کے بعد دیے گئے اور لکھے گئے ہیں۔ جب تعلیمی اداروں اور تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ حال ہو پھر عوام کے متعلق آپ کیا رائے قائم کریں گے؟

آپ یقین فرمائیں کہ اسلام کی تعلیمات بڑی دور اندیشانہ اور انسانی نفسیات کے بالکل مطابق ہیں۔ عفت و عصمت کے بچاؤ کی شکل یہی ہے' کہ اسلام کی تعلیم کو رواج دیا جائے اور اسے جزو زندگی بنایا جائے۔

پاکیزہ نفس و پاکدامن عورتوں کے امتیاز کی ضرورت:

کوئی ذی عقل اس بات سے انکار نہیں کر سکتا' کہ مختلف طبیعتوں کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں' جہاں نیک لوگ بستے ہیں وہیں کچھ بدطینت لوگوں کا بھی بسیرا ہوتا ہے' جو ہر وقت ٹوہ میں رہتے ہیں اور جن کی نگاہیں بیباک ہوتی ہیں۔ اور اس جماعت میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔ مگر جو لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں وہ اپنے رہن سہن اور طور طریقہ کے اعتبار سے بڑی حد تک جانے پہچانے جاتے ہیں' بدکار مرد ان عورتوں کو خواہ مخواہ چھیڑنے کی جرأت کرتے ہیں' جن کے متعلق ان کو کسی رنگ ڈھنگ سے معلوم ہو جائے کہ یہ دوسری قبیل سے ہیں' اس لیے اسلام جب آیا اور کچھ واقعات بھی اس طرح پیش آئے' تو ارشادِ ربانی ہوا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

"اے نبی! اپنی عورتوں' اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ[2]

---

[1] یعنی راستہ والے سمجھ لیں کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔ یہ جان کر کوئی انہیں چھیڑنے کی جرأت نہ کرے گا۔ روایات میں ہے کہ مسلمان عورتیں رات کو ضروریات کے لیے کہیں باہر نکلتیں تو منافقین انہیں چھیڑنے کی جرأت کرتے' پھر جب ان سے پوچھا جاتا (کہ تم نے ایسا نازیبا کام کیوں کیا؟) تو کہتے کہ ہم سمجھے تھے' کہ یہ لونڈیاں ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (شوکانی) چادروں کا گھونگھٹ اوپر سے ڈال لیا کریں' یعنی سارا چہرہ چھپا لیا کریں' صرف ایک آنکھ کھلی رہنے دیں۔ (ابن جریر' واحدی)

[2] جیسا کہ آگے بھی یہ بات آ رہی ہے کہ یہاں پاکدامن مؤمنہ خواتین کی عزت اور عفت و عصمت کی اہمیت ←

(جب وہ راستہ میں نکلیں تو) اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیں' اس میں زیادہ امید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی تو ان کو کوئی نہ ستائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پاکدامن اور مؤمن عورتیں اپنا دوپٹہ باضابطہ رکھ لیا کریں جس سے نمایاں طور پر معلوم ہو کہ یہ شریف طبقہ کی عورتیں ہیں' زنا کار اور بدچلن نہیں ہیں' تاکہ فاسق اور بدکار مردوں کو معلوم رہے اور وہ اپنی شرارت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کی ہمت نہ کریں [1]

---

[1] کا اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے:

﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۶۰)

''اور اگر یہ منافق لوگ اور جن کے دلوں میں (عورتوں کو چھیڑنے کی بیماری) ہے اور وہ لوگ جو (پاکدامن مؤمنہ عورتوں کے متعلق) جھوٹی خبریں (مدینہ میں) پھیلانے والے ہیں اگر یہ (بدمعاش اپنی) ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو (اے پیغمبر) ہم تجھ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ مدینہ میں تیرے پاس ٹھہرنے بھی نہ پائیں گے' مگر چند روز۔''

صاحبِ اشرف الحواشی لکھتے ہیں:

یہاں عورتوں کو تنگ کرنے والوں سے مراد منافق اور یہودی ہیں' جو جھوٹی خبریں پھیلا کر مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا کرتے۔ مدینہ میں کچھ بدنیت لوگ تھے جو عورتوں کو چھیڑتے تھے اور پاکدامن عورتوں کے متعلق طرح طرح کے افسانے گڑھ کر لوگوں میں پھیلاتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے رسول ہم آپ کو ان بدخصلتوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیں گے پھر ان میں سے بعض کو جلاوطن اور بعض کو قتل کریں گے حتی کہ مدینہ کی سرزمین سے انکا صفایا ہو جائے''۔(اشرف الحواشی سورہ احزاب: ۳۳/ ۶۰ ف نمبر ۶' ۷)

اندازہ لگائیں کہ یہاں اللہ کریم نے کس قدر عظیم الشان پیرائے میں مسلمان عورت کی عفت وعصمت کی اہمیت کو واضح کیا ہے' کہ اے رسول! مؤمنات کو چھیڑنا تنگ کرنا' ان پر آوازے کسنا اور ان کے متعلق بے ہودہ باتوں پر مبنی جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلانا اتنا بڑا جرم ہے کہ میں رب کائنات خود تم کو حکم دوں گا کہ ان کے ذمہ دار منافقوں کا پیچھا کرو' ان کو پکڑو' جرم کی نوعیت کے اعتبار سے بعض کو جلاوطن کر دو۔ یعنی انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس آبائی وطن سے دیس نکالا دے دو یا پھر ان کو پکڑ و اور ان کی دھجیاں اڑا دو' یعنی ان کو اس انداز سے چن چن کر قتل کرو کہ پورے مدینے سے ان کا صفایا ہو جائے۔ اور اس سرزمین سے وہ حرف غلط کی طرح مٹ جائیں کہ انہوں نے مسلمان خواتین کی عفت وعصمت کی پاکیزہ چادر کو داغ دار کرنے اور اس پر اپنے سیاہ دبھیانک باطن کا دھبہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ ثابت ہوا مسلمان عورتوں کی عفت وعصمت اور شرم وحیاء کو خطرے میں ڈالنے والے کا جرم اتنا بھیانک ہے کہ اسے جلاوطن یا قتل کر دیا جائے اور اس کا وجود صفحہ ہستی ←

دستور بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ عورتیں جو خاص طرز کا لباس پہنتی ہیں یا خاص طور پر بن سنور کر نکلتی ہیں اور اپنی خوبصورتی اور زینت کا اعلان کرتی ہیں ان کے متعلق آج تک مرد کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے' اور جو مرد دوسرے قماش کے ہوتے ہیں' موقع پا کر آنکھ لڑانے کی سعی کرتے ہیں۔ بخلاف ان عورتوں کے کہ جن کو اپنی عزت و آبرو کا پاس رہتا ہے' عصمت مآب اور دیندار ہوتی ہیں' ان کے رہن سہن ہی سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے اور کوئی بھول کر بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس آیت کے ضمن میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رقم طراز ہیں:

''یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیں۔ روایات میں ہے اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں' کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔''

عہد نبوی میں امتیازی لباس کا حکم:

عہد نبوی میں کچھ بدمعاش یہودی اور منافق اس طرح کے تھے جو عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور دوسری قسم کی عورتوں کے ساتھ بعض پاکدامن شریف عورتیں بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہیں بچتی تھیں' دوپٹہ اور چادر بڑھا کر آپ ﷺ نے لباس میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اس امتیاز پیدا کر دینے کے بعد خود اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

(الاحزاب: ۶۰/۳۳)

''اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے[1] (بدمعاش اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تجھ کو اے پیغمبر ان کے پیچھے

← سے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ ہے کوئی دنیا کا مذہب' یا سیاسی نظام یا قانون جو اس طرح عورت کی عفت و عصمت اور عظمت کی حفاظت کی تعلیم دیتا ہو' اور اس کے تحفظ کے لیے غیر متبدل قوانین وضع کرتا ہو!!!؟؟؟

[1] جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے' اس سے مراد منافق یا یہودی ہیں' جو جھوٹی خبریں پھیلا کر مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا کرتے تھے۔ یہ کچھ بدنیت لوگ تھے جو مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے اور پاک دامن عورتوں کے متعلق طرح طرح کے افسانے گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے۔

لگا دیں گے پھر وہ مدینہ میں تیرے پاس ٹھہرنے بھی نہ پائیں گے مگر چند روز۔"[1]
یعنی اس امتیازی شان کے بعد بھی اگر کسی بدطینت نے کسی پاکدامن عورت کو چھیڑا تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا' اور عہد نبوی میں ایسا ہی ہوا۔ جیسے کہ یہودی اپنی شرارتوں کی وجہ سے ہی جلا وطن ہوئے۔
کہنا یہ ہے کہ اولاً تو قرآن کا مطالبہ ہے کہ عورتیں بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ پھریں جیسا کہ قرآن کی اس سلسلہ کی پہلی آیت ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ میں قرآن کا صراحتاً حکم گزرا ہے نیز ارشادِ نبوی ہے:

((اِنَّ الْمَرْاَةَ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ وَاَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ بِرَوْحَةِ رَبِّهَا وَ هِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا))[2]

"عورت ستر ہے' جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔ اور اس کے لیے اپنے گھر کے گوشہ میں ہی رہنا باعثِ رحمتِ الٰہی ہے۔"

گھر سے باہر آنے کے شرعی آداب:

ثانیاً: قرآن پاک کا مطالبہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے ان کو نکلنا ہی پڑے تو نگاہیں پست رکھیں' اور شہوت کے مقام سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں' مثلاً: مرد و عورت کا ملا جلا کلب' گھر اور مخلوط سوسائٹی' تھیٹر اور اس طرح کی دوسری جگہوں سے مکمل اجتناب رکھیں جس کا حکم ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ الخ﴾ میں گزرا' پھر یہ کہ نکلیں تو ستر کو چھپا کر' اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے' بجز ہتھیلی اور چہرہ کے' جس کا ذکر ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا الخ﴾ میں ہے۔
ثالثاً باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر (دوپٹہ) اوپر سے ڈال لیں' اور بدن کا تراش و خراش ظاہر نہ ہونے دیں' جیسا کہ ابھی آیت گزری ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اور دوسری جگہ قرآن پاک نے اعلان کیا:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

"اور اپنی اوڑھنی عورتیں اپنے گریبان پر ڈال لیں۔"

---

[1] یعنی آپ کو ان کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیں گے' پھر آپ ان میں بعض کو جلا وطن اور بعض کو قتل کریں گے حتیٰ کہ مدینہ کی سرزمین سے ان کا صفایا ہو جائے۔

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ۱۸ (ح ۱۱۷۳) مختصراً بشطر الاول' ابن خزیمة (۱۶۸۵)

چادر اوڑھنے کا طریقہ:

''خمر'' جمع خمار کی۔ اور خمار لغت میں اس دوپٹہ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر ڈالتی ہے۔ سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ سر پر سے لا کر سینوں پر اس طرح ڈالا جائے' کہ جسم کے اُبھار اور مواضع زینت میں سے کوئی حصہ نظر نہ پڑے۔ اس طرح ہرگز نہ ہو کہ دوپٹہ کا آنچل پیچھے کی طرف ڈال لیا جائے جس سے سینہ کا اُبھار نہ چھپ سکے بلکہ اس میں اور ابھار پیدا ہو جائے' جیسا کہ جاہلیت کے دور میں رواج تھا' اور جس کو اسلام مٹانے آیا تھا' یہاں یہ حکم ہے کہ قمیص کے اوپر دوپٹہ اس طرح ڈالا جائے کہ پوری ستر پوشی ہو سکے۔

ہمارے فحاشی کے علمبردار شعراء کے یہاں جوبن کے ابھار کو جو جگہ حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور طبعاً' نیز شعراء وغیرہ کا تازہ کردہ احساس بسا اوقات آدمی کو اس ابھار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' اس لیے موجودہ دور میں اور بھی ضرورت ہے کہ سینے کی پوری ستر پوشی عمل میں لائی جائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((يَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ الخ﴾ شَقَقْنَ مُرُوطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا)) [1]

''اللہ اوّل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب دوپٹہ کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ پھاڑ کر دوپٹے بنا لئے۔''

ابن کثیر نے اور بھی بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس آیت پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اظہار زینت وغیرہ کی ممانعت:

رابعاً: نکلیں تو کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی توجہ ان کی طرف کھنچے۔ نہ ظاہری طور پر ایسی بات ہو اور نہ باطنی طریقہ پر بلکہ ہر طرح ظاہر و باطن پاک ہو۔ باطن کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (مومن: ۴۰/ ۱۹)

''وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔''

اور ظاہر کے متعلق ہدایت فرمائی:

---

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر' سورۃ النور: باب ولیضربن بخمرھن۔ (ح ۴۷۵۹' ۴۷۵۸)

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

''اور عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت جانی جائے' اور اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم بھلائی پاؤ۔''

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف اور متعدد زیورات پہنا کرتی ہیں' بعض زیور بنایا ہی اس طرح جاتا ہے کہ جب عورتیں اس کو پہن کر چلیں گی تو اس میں آواز پیدا ہوگی' جیسے گھونگرو وغیرہ' اس طرح کے زیورات بالکل ممنوع ہیں' شریعت میں ان کی اجازت نہیں ہے' اور بعض زیور خود تو نہیں بجتے' ہاں دوسرے زیور سے ٹکرا کر آواز دیتے ہیں جیسے چوڑیاں اور کڑے وغیرہ۔ اس طرح کے زیورات گو پہننا جائز ہیں' مگر احتیاط کا حکم ہے کہ چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کریں۔ پھر ان کو پہننے اور پہن کر چلنے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی چمک و دمک دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر رہی ہو' کیونکہ آواز کی طرح چمک دمک بھی بسا اوقات یہ فتنہ وفساد کا باعث بن جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جب زیورات کے اخفا کا حکم ہے اور ان کی آواز کے متعلق احتیاط اور ممانعت کا حکم ہے' تو جن اعضاء میں یہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کے اخفا کا تو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا جبکہ شریعت میں ان اعضاء کے ستر کا تاکیدی بھی حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیورات اور ان کے اعضاء سب کی ستر پوشی کا حکم ہے۔

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ﴾ کے ضمن میں بیضاوی کہتے ہیں: یہ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ آواز مردوں میں عورتوں کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں: یہ تعبیر اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ اظہار زینت سے منع کیا جاتا' یا بلند آوازی سے روکا جاتا (کیونکہ) اس تعبیر میں یہ سب خود بخود داخل ہو گئے۔''

تفسیر کبیر میں ہے کہ انسانی فطرت ہے کہ جب مرد عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کے جنسی میلان میں تلاطم پیدا ہونے لگتا ہے اور عورتوں کو دیکھنے کی خواہش میں زیادتی آ جاتی ہے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک آزاد کردہ لونڈی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئیں۔ لڑکی کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ ڈالا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

((مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ))[1]

[1] ابوداؤد۔ کتاب الخاتم: باب ماجاء فی الجلاجل (ح۴۲۳۰) واسنادہ ضعیف ←

''ہر گھنٹی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔''

اسی طرح ایک دفعہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت بجنے والا زیور پہن کر جانے لگی تو انہوں نے روک دیا اور فرمایا اسے اتار کر آؤ۔ اس لیے کہ رسول اللہ کو فرماتے سنا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ جَرَسٌ))[1]

''اس گھر میں فرشتہ داخل نہیں ہوتا جس میں گھنٹی ہوتی ہے۔''

خوشبو مل کر نکلنے کی ممانعت:

اس آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسی چیز استعمال نہ کی جائے جو دوسروں سے عورت کی مخفی باتوں کی چغلی کرتی ہو' یا ان کو عورت کی طرف متوجہ کرتی ہو' لہٰذا معلوم ہوا کہ عورتیں خوشبو اور عطر اور سینٹ بھی لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حدیث میں عورتوں کے لیے مسجد کی اجازت مذکور ہے' مگر وہاں بھی گو وہ عبادت کے لیے اللہ کے گھر میں حاضر ہو رہی ہیں' خوشبو مل کر نکلنے کی اجازت نہیں ہے' بلکہ ہدایت ہے کہ کپڑوں میں بھی چمک دمک نہ ہو' معمولی اور استعمال کے کپڑوں میں مسجد آئیں۔[2]

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو اگر ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی حاجت ہو تو اس طرح نکلیں کہ وہ دوسروں کے لیے جاذب نظر نہ ہوں۔ ایک حدیث ہے:

((كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَ كَذَا يَعْنِي زَانِيَةً))[3]

''ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے وہ بھی زانیہ ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک عورت سے ملاقات ہوگئی' جس سے خوشبو پھوٹ رہی تھی' دریافت فرمایا: ''مسجد سے آ رہی ہو؟'' بی بی نے کہا: ''ہاں!'' فرمایا خوشبو ملے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا: ''جی ہاں!'' فرمایا میں نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے اس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ پلٹتی ہیں تو اپنے

← (ضعیف ابو داؤد ۹۰۹/ ۴۲۳۰)۔

[1] ابو داؤد۔ کتاب الخاتم: باب ما جاء فی الجلاجل (ح۴۲۳۱)

[2] اس سلسلہ میں میری کتاب ''اسلام کا نظام مساجد'' کا یہ باب دیکھیں۔ (از مؤلف)

[3] ابن کثیر ۔۔ ۲۸۶ ج ۳' ترمذی۔ کتاب الادب: باب ما جاء فی کراھیة خروج المرأة متعطرة (ح۲۷۸۶)

کپڑوں کو خوب اچھی طرح دھویا۔[1]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِی الزِّیْنَةِ فِی غَیْرِ اَهْلِهَا کَمَثَلِ ظُلْمَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَانُوْرَ لَهَا))[2]

''اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے لوگوں میں بن سنور کر جانے والی ایسے ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی جس کے لیے کوئی روشنی نہ ہو۔''

عام گزر گاہ سے اجتناب کا حکم:

اوپر جو آیت ذکر کی گئی اس سے یہ بھی کنایۃً معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کی خاطر صدر راستہ سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو بلکہ وہ کنارے سے ہو کر گزر جائیں۔ مسجد میں جہاں ان کو حاضری کی اجازت ہے وہیں ان کو حکم ہے کہ پچھلی صف میں ملیں۔ حدیث میں صراحت ہے:

((خَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَ شَرُّهَا اَوَّلُهَا))[3]

''عورتوں کے لیے بہترین صف اس کی پچھلی صف ہے اور بدترین سب سے پہلی صف ہے۔''

اور مردوں کے لیے اسی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے لیے بہترین صف پہلی ہے اور بدترین آخری۔ اسی طرح مسجد سے واپسی میں ہدایت تھی کہ عورتیں پہلے آ جائیں تب مرد مسجد سے چلیں۔ اور اگر مردوں کا ساتھ یا سامنا ہو جائے تو راستہ کے کنارے ہو جائیں۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْتَضِنَّ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ))[4]

---

[1] ترمذی۔ باب ماجاء فی کراهیة خروج النساء فی الزینة (ح۱۱۶۷)
ابو داؤد۔ کتاب الترجل: باب فی طیب المرآة للخروج (ح۴۱۷۴)
ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب فتنة النساء (ح۴۰۰۲)

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ما جاء فی کراهیة خروج النساء فی الزینة (ح۱۱۶۷)
اس کی سند موسیٰ بن عبیدہ کے سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[3] مسلم۔ کتاب الصلاۃ: باب تسویة الصفوف (ح۴۴۰)

[4] ابو داؤد۔ کتاب الادب: باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق (ح۵۲۷۲)

''عورتیں پیچھے ہو جائیں' عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ راستہ کے کنارے سے چلیں۔''

اس حکم کے بعد عورتوں کا اسی پر عمل رہا' اس طرح چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے لگتا ہوتا تھا۔

اسلام میں احترام عفت:

آج کون ایسا عقلمند ہے جس کو دنیا کا تھوڑا بہت بھی تجربہ ہو اور وہ ان ہدایات کی حکمتوں کا انکار کردے' اور جو قوم یا جماعت ان ہدایات کو نہیں اپناتی وہاں عفت وعصمت خطرہ میں گھر جاتی ہے۔ جس کی خبریں رات دن ہم اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں' صدق لکھنو کا فائل دیکھ جایئے اس میں اس طرح کی سینکڑوں خبریں مل جائیں گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر قصد وارادہ بھی نوجوان تیر نظر کا شکار ہو جاتے ہیں' اور ادائے جاناں پر فریفتہ ہو کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں' اسلام نے فروع سے صرف نظر کیا ہے مگر اصل حقیقت کو خوب سمجھایا ہے اور ان تمام راہوں پر آہنی دیوار کھینچ دی ہے جن سے فتنوں کے داخلہ کا خطرہ ہو سکتا ہے' اور اس طرح عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچالیا ہے۔

بات کرنے میں لوچ یا نزاکت نہ ہو:

اسی حد تک بس نہیں ہے' اسلام نے اس کا حکم بھی دیا ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اجنبی مرد سے مجبوراً باتیں کریں' گو وہ پردہ کی اوٹ یا ٹیلی فون وغیرہ سے ہو' تو بھی باتوں میں لوچ اور شیرینی پیدا نہ ہونے پائے' تاکہ کسی بدطینت کو شرارت کا خیال نہ آئے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۲)

''اور چبا کر (لوچ دار' مترنم انداز میں) باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ لالچ کرے۔ اور تم معقول بات کہو۔''

اپنے شوہر کے ساتھ بات کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بس اسی کے لیے خاص ہے دوسروں کے لیے وہ طرز گفتگو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ غیر سے جو بات کی جائے وہ صاف اور بھلی ہو' عشوہ وادا کے ساتھ گفتگو ہرگز نہ کی جائے اور گفتگو میں لب ولہجہ خشک ہی رکھا جائے' لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

علمائے اسلام نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے' کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔ ضرورت کے وقت وہ اجنبی سے بول سکتی ہے' ہاں کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے' کہ ایسی گفتگو جس میں لوچ ہو' عورت کے لیے جائز نہیں ہے' یا بغیر ضرورت مردوں سے بات چیت کی آزادی نہیں ہے۔

صاحب ردالمختار نے علامہ مقدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے'' کہ کوئی ناسمجھ صوت المرأۃ عورۃ (عورت کی آواز ستر ہے) کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ بات چیت کو ہم ناجائز کہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو بوقت ضرورت اجنبیوں کے لیے عورتوں سے کلام کو جائز کہتے ہیں' ہاں ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں' لوچدار گفتگو کریں' آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا کریں' جس سے مردوں کے دل ان کی طرف کھنچیں اور ان کے جنسی میلان میں تحریک پیدا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے کہ عموماً اس میں خوش آوازی سے کام لیا جاتا ہے۔[1]

محرم کے لیے رعایت:

اسلام نے اظہارِ زینت' بے پردگی' چبا کر بات چیت کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے' البتہ اپنے ان خصوصی رشتہ داروں کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے جن کو اپنے خصوصی رشتہ کی وجہ سے طبعاً عورت کے لیے خیر کی خواہش ہوتی ہے۔ جیسے باپ' اپنا حقیقی بھائی' اپنا لڑکا اور اپنا حقیقی بھتیجا بھانجا وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

''اور اپنا (پوشیدہ) سنگار[2] (کسی کو) نہ دکھائیں' مگر اپنے خاوندوں کو' یا اپنے باپوں کو' یا اپنے سسروں[3] کو' یا اپنے بیٹوں کو یا اپنے خاوند کے بیٹوں کو' یا اپنے بھائیوں کو' یا اپنے

---

[1] رد المختار ۱/ ۲۸۴

[2] اس سے مراد چادر یا برقع کے نیچے کا سنگار ہے' جس میں ہاتھ اور چہرہ کا سنگار بھی شامل ہے۔

[3] باپوں کے مفہوم میں دادا' پردادا' نانا' پرنانا بھی شامل ہیں۔ اور بیٹوں میں پوتے' پڑپوتے اور نواسے اور پرنواسے بھی آجاتے ہیں' خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ (ابن کثیر)

بھتیجوں' یا اپنے بھانجوں کو' یا اپنی (یعنی اپنے دین والی)[1] عورتوں کو' یا اپنے غلاموں کو' یا گھر کے کام کاج کرنے والے مردوں کو جن کو (عورت کی) خواہش نہیں۔ یا ان لڑکوں کو جو عورتوں کے بھید سے آگاہ نہیں ہیں۔''[2]

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے اس سے صرف اپنا حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی مراد ہے۔ چچازاد بھائی' ماموں زاد بھائی' پھوپھی زاد بھائی اور اس طرح دوسرے وہ بھائی مراد نہیں ہیں جن سے شادی کبھی بھی جائز ہو سکتی ہے ان سے بھی پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی شادی درست نہ ہو۔ اور اظہار زینت صرف انہی کے سامنے جائز ہے' جو محرم ہیں۔ ہندوستان اور غیر ملک میں چچازاد اور ماموں زاد بھائی وغیرہ سے جو بے پردگی کا رواج ہے شریعت کے خلاف ہے۔

بھائی کے لڑکے سے مراد آیت میں اپنے سگے علاتی اور اخیافی بھائی بہن کے لڑکے شریک ہوں گے' غیر نہیں۔

اپنی عورتوں سے آیت میں دین کی شریک بہنیں مراد ہیں۔ گویا کافر عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے کہ وہ اجنبی مرد کے حکم میں داخل ہیں' ہاں کافر لونڈیوں سے پردہ نہیں ہے' غلام بھی اجنبی مرد کے حکم میں ہی ہے' ان سے بھی پردہ ہوگا اگر یہ بالغ ہوں۔

مردوں میں جو نابالغ ہوں' یا کم عقلی کی وجہ سے عورت' مرد کی اس کو تمیز نہ ہو اور نہ عورت سے اس کو کوئی رغبت ہو' ان سے پردہ ضروری نہیں ہے بقیہ تمام بالغ مردوں سے عورت کے لیے پردہ ضروری ہے' گو وہ بوڑھا ہو' عنین ہو یا مجبوب ہو۔

جن کے سامنے ابداء (اظہار) زینت کی اجازت ہے' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اظہار کیا ہی جائے' ہاں ان کے سامنے کسی وجہ سے ظاہر ہو جائے تو شرعاً مضائقہ بھی نہیں ہے'

---

[1] قدیم مفسرین میں اکثر نے اپنی عورتوں سے مسلمان مؤمن عورتیں مراد لی ہیں۔ اور بعض نے ملنے جلنے والی شریف عورتیں۔ لیکن یہاں جنہوں نے مسلمان عورتیں مراد لی ہیں انہوں نے بھی ضرورت کے وقت غیر مسلم عورتوں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

[2] بڑھاپے کی وجہ سے یا عقلی کمزوری کی وجہ سے۔ واضح رہے کہ مخنث ان میں نہیں آتا کیونکہ ایک حدیث میں آپؐ نے اس کو گھروں میں آنے جانے سے منع فرمادیا تھا۔ (شوکانی)

یا جنہیں زن و شوہر کے تعلقات کا پتہ ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے اس سے نابالغ بچے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ (شوکانی)

مگر جن حصوں کا کھولنا جائز ہے وہ ہتھیلیاں اور چہرہ ہے' جیسا کہ اوپر قرآن کی آیت گزر چکی ہے اور زیادہ سے زیادہ محرم کے سامنے وہ اعضاء بھی ضرورتاً کھولے جاسکتے ہیں جن میں زیور پہنے جاتے ہیں۔ میری مراد کان' بازو اور گردن وغیرہ سے ہے' ہاں شوہر سے کسی حصہ کا اخفا ضروری نہیں ہے' البتہ ادب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھے۔

مخنث (ہیجڑہ) عورتوں میں نہ آئے:

مخنث کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ابتداء میں اجازت تھی۔ ایک مخنث رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آتا تھا' لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی ذات میں کوئی توجہ نہیں' مگر تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کو بھی عورتوں کے حسن و جمال سے مناسبت ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ بیٹھا کسی عورت کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا تھا اس کی خبر جب سرکار دو عالم ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا اَرٰی هٰذَا یَعْلَمُ مَا هٰهُنَا' لَایَدْخُلَنَّ عَلَیْکُمْ))[1]

''یہ یہاں کی باتیں جانتا ہے' اب یہ تمہارے پاس نہ آنے پائے۔''

اس کے بعد اسے عورتوں میں آنے سے روک دیا گیا۔

مراہق (قریب البلوغت) کے لیے ہدایت:

شریعت مطہرہ نے مراہق (یعنی قریب البلوغت) لڑکے کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ عورتوں کو اس کے سامنے ابداء زینت کی۔ مراہق کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَآءِ))[2]

''عورتوں کے پاس آنے جانے سے پرہیز کرو۔''

شوہر کے عزیز و اقارب سے اجتناب:

شوہر کے رشتہ داروں کے سامنے آنے اور مذاق کرنے کا جو رواج ہندوستان میں ہے وہ بھی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے خواہ وہ شوہر کا بھائی ہو یا کوئی اور عزیز۔ محرم میں صرف شوہر

[1] مسلم۔ کتاب السلام: باب منع المخنث من الدخول علی النساء الاجانب (ح۲۱۸۱)

[2] بخاری۔ کتاب النکاح: باب لا یخلون رجل بامراۃ (ح۵۲۳۲)

مسلم۔ کتاب السلام: باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ (ح۲۱۷۲)

کا باپ داخل ہے' دوسرا کوئی نہیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے شوہر کے عزیز و اقارب (جیسے بھائی وغیرہ) کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ))[1]

''شوہر کے رشتہ دار عزیز (بھائی وغیرہ) موت ہیں۔''

یعنی ان سے تو اور بھی پرہیز کرنا چاہیے' جو غیر محرم ہیں اور قرابت دار ہیں۔ ان کے نزدیک بھی جانا نہیں چاہیے' اس لیے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہے' کیونکہ یہ تو بے دھڑک پہنچیں گے۔[2]

کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے:

اسلام ان تمام خطروں سے عفت و عصمت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جن سے عفت پر حرف آ سکتا ہے' کسی مرد کا عورت سے تنہائی میں ملنا' جس قدر خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے' وہ ظاہر ہے۔ پھر مزید اس سے تہمت جو خواہ مخواہ آئے گی وہ بھی پوشیدہ نہیں' اس لیے رحمتِ عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّیْطَانُ))[3]

''کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا ہے' مگر تیسرا شیطان موجود رہتا ہے۔''

ایسی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت میں ابھار پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے اور مرد و عورت دونوں کے قلب میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہاں کامیابی نہیں ہوتی' تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے کہ ان کے حق میں سوئے ظن کا اظہار کرے' اور اس طرح ناکردہ گناہ میں انہیں پھنسانا چاہتا ہے۔

اس مہذب زمانہ میں برائی کا سبب زیادہ تر یہی طریقہ ہے کہ عورتیں بیباکانہ تنہائی میں اجنبی مردوں سے ملتی ہیں' اور باتوں باتوں میں مرد عورت پر اپنی محبت کا غلط سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

جن کے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو:

ایک حدیث میں ہے کہ ان عورتوں کے پاس ملنے کے لیے نہ جایا کرو' جن کے شوہر گھر میں

---

[1] بخاری ومسلم (حوالہ سابق)
[2] ترمذی ۱ / ۱۴۰ عن اللمعات ۱۲
[3] ترمذی۔ کتاب الفتن: باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ (ح۲۱۶۵)

نہیں ہیں' اور اس ممانعت کی علت یہ بیان کی گئی ہے' کہ شیطان انسانی بدن میں خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہوت میں تحریک پیدا کر دے:

((فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ))[1]

''اس لیے کہ شیطان تم میں خون کے دوران (یعنی گردشِ خون) کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔''

اسی حدیث میں ہے کہ راوی نے خود ذات بابرکت ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''میرا بھی یہی حال تھا' مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شیطان پر مجھے غلبہ حاصل ہو گیا اور اب اس سے ہر طرح محفوظ ہوں۔''

((وَمِنِّيْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ))[2]

''میرا بھی یہی حال تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اعانت فرمائی اب وہ تابع ہے۔''

ان احادیث کی روشنی میں' مرد و عورت کی باہمی کشش' کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے' موجودہ دور میں جو کچھ فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں ان سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے اور ہر ذی عقل حدیث کے اس نقطہ نظر کو ماننے پر مجبور ہے۔

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ معتکف تھے' میں ایک رات میں آپ ﷺ سے ملنے گئی۔ چنانچہ میں نے آپؐ سے بات چیت کی' پھر اٹھی کہ واپس چلوں' میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی ہو لیے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں' ہم دونوں جا رہے تھے کہ دو انصاری بزرگ گزرے اور جب ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اور جلدی سے چل دیے۔ آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا: ''اطمینان سے جاؤ' یہ میرے ساتھ صفیہ بنت حیی ؓ ہیں'' ان دونوں نے کہا: ''سبحان اللہ' یا رسول اللہ! (یعنی کیا آپ ﷺ کے متعلق بھی بدگمانی ہو سکتی ہے!؟)'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَى الدَّمِ وَ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ يَقْذِفَ فِيْ قُلُوْبِكُمَا شَرًّا اَوْقَالَ شَيْئًا))[3]

---

[1] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب (۱۷) (ح۱۱۷۲) مسند احمد (۳/ ۳۰۹)

[2] ترمذی۔ (حوالہ سابق)

[3] بخاری۔ کتاب الاعتکاف: باب زیارة المرأة زوجها فی اعتکافه (ح۲۰۳۸)
مسلم۔ کتاب السلام: باب بیان انه یستحب لمن رؤی خالیا بامراة (ح۲۱۷۵)

''آدمی میں شیطان خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے' مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ تم دونوں کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔''

جدید تحقیقات ہماری تائید میں:

اب تک اس باب میں قرآن پاک' احادیث اور عقل انسانی کی روشنی میں بحث کی گئی' مگر کچھ لوگوں کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی' جب تک وہ اہل یورپ کی رائے نہیں ملاحظہ کر لیتے۔ چنانچہ ایسے روشن خیال طبقہ کے لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالہ سے کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں' جن سے ہمارے مطمح نظر کی مزید تائید ہوتی ہے۔

رومن امپائر جو تمام یورپ کی ماں ہے اور جو حکومت تمدن وتہذیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی' یہاں رومن امپائر میں بھی عروج وترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رکھی جاتی تھیں' ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے:

''رومانیوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں' ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدانِ جنگ میں سرفروشی کرتے تھے' خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اون کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں' رومانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں' یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی' وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی' پھر اس چادر پر بھی ایک عباء اور اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔''[1]

عورتوں کی بے پردگی کا نتیجہ:

اس دور میں اس ملک اور قوم کی ترقی وعروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا' تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے فائق تھے' مگر ٹھیک یہی زمانہ تھا کہ ان کو عیش پرستی اور لہولعب کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس سلسلہ میں مردوں نے اپنی ہر مجلس نشاط میں عورتوں کو شریک کرنا چاہا' کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا اور ان

---

[1] مسلمان عورت ص ۱۵۶

کے دامنِ عصمت کو داغدار بنانے کی سعی کی' اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ ورنگ کی محفلوں میں کھل کر آ گئیں۔ پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا؟ بربادی شروع ہو گئی اور ساری عظمت وشوکت کی عمارت زمین پر آ گئی۔ اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھی' تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں:

''مگر بات یہ ہوئی کہ جب انہیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مردان پر مائل ہونے لگے۔ اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے۔''[1]

علامہ لوئس پیرول نے ریویو آف ریویوز جلد نمبر ۱۱ میں ''پولیٹکل فساد'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے' اس میں کہتا ہے:

''اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کارکن عورت ہی رہی ہے۔''[2]

پھر آگے چل کر رقم طراز ہے:

''رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبرانِ سلطنت اور اعیانِ مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے' اور ایسی عورتیں ان دنوں بکثرت پائی جاتی تھیں۔''[3]

مرد وعورت کے آزادانہ میل جول کا انجام:

پھر عورتوں کے بے پردہ ہونے اور آزادی پانے کے بعد ملک روم کی کیا حالت ہوئی؟ تاریخ میں پڑھیے' عورتوں کی آزادی کی وجہ سے ملک کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے' فتنہ وفساد کے چشمے ابلنے لگے' ان کے اخلاق واعمال نے تعفن پیدا کر دیا اور پھر ہوا یہ کہ:

''عورت ومرد کے اس آزادانہ میل جول کی وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندی خصلتیں پیدا ہو گئی تھیں میرا قلم ان کے لکھنے سے شرماتا ہے' جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہو گئیں' ارادے پست ہو گئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آ گیا' پھر تو ان میں باہمی چشمک اور خونریزی و خانہ جنگی کا زور ہوا اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ

---

1. مسلمان عورت ص ۱۵۸
2. مسلمان عورت ص ۱۵۸
3. مسلمان عورت ص ۱۵۹

انسانیت اور اخلاق کا ان میں نام تک نہیں رہا۔‘‘[1]

یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا' مگر عرض یہ کرنا ہے کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو ربانی قانون ہے' تجربات کی روشنی میں اہل یورپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ چنانچہ فلسفہ حسی کا مؤسس گسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف ''النظام السياسية على حسب الفلسفة الحسية'' میں لکھتا ہے:

''جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں' اسی طرح تغیر نظامِ تمدن اور آدابِ معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ مگر وہ لاء آف نیچر جو جنس محبّ (عورت) کو منزلی زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے' اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ قانونِ الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے' مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا۔ مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی شرکت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محبّ (عورت) کے جو مادی فرائض ہیں ان کی حد بندی اور تعیین کر دی جائے۔ مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظام کرے' یہی وہ قانون طبعی اور ناموس الٰہی ہے جو جنس محبّ کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے' یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئت اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن و اکمل کر دیتا ہے' یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقیٔ نوع انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے۔‘‘[2]

علوم مادیہ کا ایک اور ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

''عورت کو چاہئے کہ وہ عورت رہے' ہاں بے شک عورت کو چاہئے کہ وہ عورت رہے' اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے۔ اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی' اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے۔ بعض فلاسفہ انسانی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب' پاک اور بے حد پاکیزہ ہے' بشرطیکہ ہر

---

[1] مسلمان عورت ص ۱۶۶ [2] مسلمان عورت ص ۵۸' ۵۹۔

مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اس کے متعلق کر دیے ہیں۔"[1]

عورت اپنے جنسی فرائض سے آگے:

اسی حد تک نہیں بلکہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے اور علمائے یورپ کو اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ جو عورت اپنے جنسی فرائض انجام نہیں دیتی، وہ عورت نہیں ہے، چنانچہ یہی ژول سیمان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کے فرائض انجام دیتی ہے، مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی۔"

سماج کا فریضہ:

آج بہت سے مسلمانوں کو اسلامی پردے کی شکایت ہے، وہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنے دین کی ان ہدایات پر چراغ پا ہوتے ہیں، مگر غور کیجئے کہ خود علمائے یورپ اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ گسٹ کونٹ "النظام السیاسی" میں لکھتا ہے:

"شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے، تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر اسے گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہئے اور ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اسے جس دائرہ میں محدود کر دیا ہے، اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔"[2]

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو قانون اوّل دن مرتب کیا تھا آج دنیا پھر پھرا کر اسی پر آ رہی ہے، کہ اسلام نے بے کس و مجبور عورت کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالا تھا مگر کچھ کم فہم پہلے لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ ملک پر بار ہے جو نہ ہونا چاہئے، مگر اسے کیا کہیے کہ خود علمائے یورپ اس حد تک آ گئے ہیں کہ مجبور عورتوں کا بار سوسائٹی پر ہی ڈالتے ہیں۔

عورتوں کی آزادی خود ان کے لیے طوق ہے:

کون نہیں جانتا کہ عورتوں کی آزادی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے، قوم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالتی

---

[1] مسلمان عورت ص ۵۸و۵۹ [2] مسلمان عورت ص ۷۹

ہے اور خود عورتوں کو جنت سے جہنم میں پہنچا دیتی ہے' عورت اس بیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں وہ ہر محکمہ میں ملازمت حاصل کر رہی ہے' مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اسے بیل گائے کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اسے ذرہ برابر چین نہیں' اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مردوں کی تفریح کے لیے عورتوں کو سینما کے پردوں پر آنا پڑا' مردوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنے کے لیے تھیٹر کی ناپاک زندگی قبول کرنی پڑی۔ مردوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے ان کو کلب اور ناچ گھروں میں ناچنا پڑا اور حد یہ ہے کہ محض مردوں کی شہوت پرستی کے سلسلہ میں عورتوں کو عریاں کلب بنانا پڑا' مگر اب تک عورت یہی سمجھ رہی ہے کہ مردوں کی غلامی سے ہمیں نجات مل گئی

بریں عقل و دانش بباید گریست (ایسی عقل و دانش پر رونا چاہیے)

عورتوں کی آزادی مردوں کے حق میں بھی نقصان دہ ہے:

مرد نہیں سوچتا کہ عورت کی آزادی سے اس کو کیا نقصان ہو رہا ہے' کتنی شریف زادیاں سینما اور تھیٹر وغیرہ کی نمائش بن گئیں' کتنے شریفوں کی بہو بیٹیاں گھر سے نکل گئیں اور کتنی پاکدامن عورتوں کی عصمت رسوا ہو رہی ہے۔ کالج' یونیورسٹی اور کلبوں میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ہر پڑھا لکھا جانتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کی قدم قدم پر اسی وجہ سے عصمت میں رہنمائی کی ہے کہ نظام تمدن برقرار رہے اور مرد و عورت دونوں اپنے فرائض منصبی بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔ جہاں شریعت کی بتائی ہوئی راہ کے خلاف عورت و مرد کا اجتماع ہوتا ہے' وہاں یقینی طور پر جلد یا بدیر فتنے اٹھتے ہیں اور دونوں ہی اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ اور کاہل ثابت ہوتے ہیں۔

عورت کہاں سے کہاں پہنچتی ہے:

ہمیں جناب ماہر القادری صاحب کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ:

''ذوق بے حجابی اور شوقِ تبرج صرف چہرہ کی بے نقابی پر ہی قناعت نہیں کرتا' پہلے نقاب اٹھتی ہے' پھر جھکی ہوئی نگاہیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہیں' پھر لباس میں تخفیف ہونا شروع ہوتی ہے' پھر آرائش اور بناؤ سنوار میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ لوگ' دیکھیں اور شوق و قدردانی کی نگاہ سے دیکھیں' ہوسنا کیوں' بے اعتدالیوں اور برائیوں کا یہ سلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا جاتا ہے' یہاں تک کہ جو عورت پہلی بار چہرہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرط

شرم وغیرت سے پسینہ پسینہ ہوگئی تھی وہ آگے چل کر کلب گھروں میں غیر مردوں سے بغل گیر ہوکر ناچتی اور تھرکتی ہے۔"

پردہ میں ضعفِ اعصاب کا شکوہ غلط ہے:

جولوگ پردہ کے نقصانات میں اعصاب کی کمزوری، شہوت کا ابھار اور تعلیم وغیرہ سے محرومی بتاتے ہیں، وہ سراسر غلط ہے۔خودکشی کے اعداد وشمار نے ثابت کر دیا ہے کہ اعصاب کس کے کمزور ہوتے ہیں۔ شہوت پرستی کا مسئلہ بھی مغرب ومشرق کی بدکاری وزنا کاری کے واقعات کے تناسب نے عیاں کر دیا ہے۔ تعلیم کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام میں اہل علم عورتوں کی تاریخ پڑھیں۔ جولوگ کہتے ہیں کہ پردہ میں رہ کر جو شادی ہوتی ہے اس میں طلاق کی نوبت بکثرت آتی ہے، اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ یورپ وایشیا، یا پردہ دار اور غیر پردہ والے ممالک کے طلاق کے اعداد وشمار جمع کر لیے جائیں۔

ہمیں تو صرف یہ بتانا ہے کہ عفت وعصمت کی حفاظت پردہ ہی میں ہے، جس کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔ جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں پردہ سے متعلق عام چرچا شروع ہوگیا، جرمنی میں "عورتیں گھروں کی طرف واپس ہوں" کی تحریک شروع ہوئی۔ امریکہ میں ہر سال ایک لاکھ خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں، جن میں کامیابی سترہ ہزار کو ہوتی ہے اور ان میں نمبر عورتوں ہی کا بڑھا ہوا ہوتا ہے، جو عشق ومحبت کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔

غیر عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے:

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے، جو غیر محسوس طور پر عفت وعصمت کے لیے خطرناک ہیں، مثلاً: رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب عورت سے ملے اور اسے دیکھے تو وہ جاکر اس عورت کا حال کھول کر اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن وجمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے پڑ جائے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا))[1]

"عورت عورت کے ساتھ مت لیٹے، مبادا کہ وہ اپنے شوہر سے اس کی حالت اس طرح کھل کر بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔"

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب لاتباشر المرأۃ فتنعتها لزوجها (ح۵۲۴۰)

اس طرح شہوت میں ابھار پیدا ہونے کا امکان بلاشبہ ہے اور پھر اس سے فتنہ کے برپا ہونے کا۔

مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے:

اسی طرح رحمت عالم ﷺ نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے زن و شوہر کے باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان کرے' ارشاد نبویؐ ہے:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي اِلَى امْرَأَتِهِ وَ تُفْضِي اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))[1]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے کہ وہ اور اس کی بیوی یکجا ہوں اور پھر مرد اس بھید کو کھول دے۔''

عورت کو جس طرح دوسری عورت کی ہیئت جسمانی وغیرہ کے بیان سے روکا گیا ہے' اسی طرح یہاں مرد کو روکا گیا ہے کہ اپنی بیوی کے پرائیویٹ پہلو کو کسی کے سامنے بیان کرے۔ یہاں بھی اور باتوں کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ انسانی شہوت کا حال یہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے فطرتاً اس میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی انسانی دماغ کہاں کہاں کے چکر لگانے لگتا ہے۔ اس لیے عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بیہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ خصوصاً شہوت انگیز باتوں کے سننے یا سنانے سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بلا فائدہ مجملاً جماع کا تذکرہ بھی مکروہ ہے' ہاں ضرورت کی بات اور ہے۔ جیسے کوئی یہ سمجھے کہ جماع پر اس کو قدرت نہیں ہے تو البتہ ایسے موقع پر جماع کا تذکرہ مکروہ نہ ہوگا' اور تفصیل تو ہر حال میں حرام اور بری چیز ہے۔[2]

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب:

شریعت نے اسی وجہ سے ہر اس طریقہ سے منع کیا ہے' جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ و فساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آ سکتا ہے۔ سید الکونین ﷺ نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہے کہ کوئی بھی داعیہ جو عقل و شعور میں معصیت کا'

---

[1] مسلم۔ کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المرآۃ (ح ۱۴۳۷)

[2] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۶۴۔

موجب ہوسکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے منع فرمادیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

((لَا يَنْظُرِ الرَّجُلُ اِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَ لَا الْمَرْأَةُ اِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ))[1]

''کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ عورت ہی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔''

انسانی فطرت ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے خواہ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا' یا یہ شکل ہو کہ مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا ستر دیکھے۔ اور شہوت میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے تو خطرہ منڈلانے لگتا ہے' انسانی طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے' اور پھر ایک غلط جذبہ اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے' کبھی مرد کو مرد سے عشق ہو جاتا ہے اور طبیعت میں گندگی ہے تو موقع پا کر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے' کبھی اس کی شہوت کا زور اسے کسی اجنبی عورت کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور کم و بیش یہی حال عورت کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ آپس میں عشق و محبت کی داستان چھیڑ دیتی ہیں اور کبھی کسی غیر مرد سے نظر لطف و کرم کی متمنی ہوتی ہیں اور یہ دونوں ہی طریقے غلطی میں بلکہ معصیت میں مبتلا کر دیتے ہیں' پھر یہ بھی بات ہے کہ ستر پوشی ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنا بے شرمی و ذلت کی بات ہوتی ہے۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں:

انسانی طبیعت اور اس کی قوتِ شہوت ہی کے پیش نظر اسلام نے اس بات سے روکا ہے کہ دو مرد ایک کپڑے میں سوئیں یا لیٹیں' اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں لیٹیں یا سوئیں۔ اس حدیث کا آخری حصہ ہے:

((وَلَا يُفْضِى الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِىْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَ لَا تُفْضِى الْمَرْأَةُ اِلَى الْمَرْأَةِ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ))[2]

''کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔''

ایک ساتھ دو مردوں یا دو عورتوں کا لیٹنا نفسیات نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے' کیونکہ اس کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا بھی درست ہے کہ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے' جس سے کبھی کبھی سحاق کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی لواطت کی' جو

[1] مسلم۔ کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات (ح۳۳۸)

[2] مسلم۔ کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات (ح۳۳۸)

دونوں نہایت مبغوض فعل ہیں۔

ستر اور اس کی پردہ پوشی:

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے جس کا چھپائے رکھنا مرد کے لیے ضروری ہے' سوائے بیوی کے اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی ہے۔ مگر عورت کا ستر عورت کیلئے بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک ہی ہے' اتنا حصہ عورت کا عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی پیدائش کے موقع پر' کہ اس میں معذوری ہے' یا پھر شوہر کے لیے۔

انسانی فطرت میں بڑی حد تک یہ بھی داخل ہے کہ اپنی شرمگاہ دیکھنے سے بھی شہوت بھڑکتی ہے' اس لیے اسلام نے اس سے بھی روکا ہے' کہ آدمی تنہائی میں بھی ننگا نہ ہو۔ پھر یہ مروت کے خلاف بھی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيْ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَايُفَارِقُكُمْ اِلَّاعِنْدَ غَائِطٍ وَّحِيْنَ يُفْضِى الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَ اَكْرِمُوْهُمْ))[1]

''ننگے ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) بھی ہیں جو جدا نہیں ہوتے مگر پائخانہ کے وقت' یا جماع کے وقت' لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:

((اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ فَقَالَ اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا؟ قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ))[2]

''اپنے ستر کی دیکھ بھال کر' ہاں اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس ہو تو اور بات ہے۔ اس نے پوچھا اگر کوئی تنہا ہو تو؟ فرمایا تو اس وقت اللہ سے شرمانا حق ہے۔''

ادب کا تقاضا تو بلاشبہ یہی ہے کہ تنہائی میں کراماً کاتبین فرشتے اور خود رب العزت کی

---

[1] ترمذی۔ کتاب الادب: باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع (ح۲۸۰۰) واسنادہ ضعیف (ضعیف الترمذی ص ۳۳۳) اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے' جس کو آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اور اس کی روایت کی تمیز نہیں کی جا سکتی۔ (تحفۃ الاحوذی ۸/۸۹)

[2] ابوداؤد۔ کتاب الحمام: باب التعری (ح۴۰۱۷)

ترمذی۔ کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ (ح۲۷۹۴)

ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب التستر عند الجماع (ح۱۹۲۰)

موجودگی کا تصور و خیال غالب ہو اور حیاء اور شرم کا پاس باقی رہے' مگر ساتھ ہی بالکل ننگے ہونے میں جذبات نفس میں بھی کبھی ہیجان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال ادب اور حکمت کا تقاضا یہ ہی ہے کہ جب تک بالکل مجبور نہ ہوں ننگا ہونے کی جرأت بالکل نہ کی جائے' اور اس طرح بے حیائی کو راہ نہ دی جائے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ))[1]

''کسی بیاہی عورت کے پاس کوئی غیر مرد رات نہ گزارے مگر یہ کہ وہ نکاح کرنے والا ہو یا محرم ہو۔''

یہ سب حفظ ما تقدم کے طریقے ہیں اور کوئی شبہ نہیں سب ہی خطرات کے مقام ہیں' اس لیے اجتناب بہر حال ضروری ہے' اور عفت پر حرف آنا اور معصیت میں مبتلا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے۔

عورت تنہا سفر نہ کرے:

اسلام نے عفت وعصمت کو کہیں بھی بے سہارا نہیں چھوڑا اور ہر جگہ مقدور بھر اس کے تحفظ کی سعی کی ہے۔ زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے' تو اسلام سفر میں بھی اس کی عصمت کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ قانونِ الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔ حج جو فرض عبادات میں داخل ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے' اس کی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کر سکتی' ظاہری احتیاط کو بھی اسلام نے اس باب میں فراموش نہیں کیا ہے' ارشادِ نبوی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ اِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا))[2]

''مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت میں تنہا سفر کرے۔''

محرم وہ شخص ہے جس سے کبھی بھی اس کی شادی جائز نہ ہو' جیسے اپنا بھائی' باپ

---

[1] مسلم۔ کتاب السلام: باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ (ح۲۱۷۱)

[2] بخاری۔ کتاب التفسیر: باب فی کم یقصر الصلاۃ؟ (ح۱۰۸۸)

مسلم۔ کتاب الحج: باب سفر المرأۃ مع محرم (ح۱۳۳۹)

وغیرہ' یا شوہر ساتھ ہو' بغیر محرم کے تنہا عورت کا سفر کرنا حرام ہے۔ محرم کے علاوہ کوئی غیر محرم ساتھ ہو تو اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ عقل میں بھی بات آتی ہے کہ گھر چھوڑ کر عورت جب باہر جاتی تو اسے خطرات سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ خلقتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں' جذبات کی نازک ہوتی ہیں' ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی' جو ہونی چاہیے' اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی (جیسے شوہر باپ اپنا بھائی وغیرہ) ہی کا ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس کی ہر موقع پر مناسب امداد کر سکے اور کبھی رفیق سفر کی امداد و اعانت سے متاثر ہو تو کوئی غلط جذبہ ابھارنے والا نہ ہو۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ اِلَّا وَ مَعَھَا ذُوْ مَحْرَمٍ وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَۃُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ امْرَأَتِیْ خَرَجَتْ حَاجَّۃً وَ اِنِّیْ کُتِبْتُ فِیْ غَزْوَۃِ کَذَا وَ کَذَا قَالَ' قَالَ انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ))[1]

''کوئی مرد کسی ایسی عورت سے تنہا نہ ملے جس کا محرم اس کے ساتھ نہ ہو' اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ ایک شخص نے کہا: ''یا رسول اللہ میری بیوی حج کو جا رہی ہے اور میں نے غزوہ میں شرکت کا ارادہ کر لیا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے عورتوں کے متعلق قانون الٰہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی عفت و عصمت اور دوسری ضروریات کا کتنا لحاظ اور پاس ہے کہ جہاد کے مقابلہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج میں جائے' تاکہ اس کی بیوی بغیر محرم کے سفر نہ کرے' گویا جہاد کی شرکت سے بھی ضروری اس وقت عورت کے ساتھ جانا ہے۔

سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت:

مرد سفر میں جاتا ہے تو وہاں بھی عورتوں کو فراموش نہیں کر سکتا' اپنی اور بیوی دونوں کی عفت

[1] بخاری۔ کتاب جزاء الصید: باب حج النساء (ح۱۸۶۲)
مسلم۔ کتاب الحج: باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ (ح۱۳۴۱)

وعصمت اور دوسری ضرورتوں کا لحاظ پاس کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا سفر کے لیے گھر سے نکلنا ہے تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسی دعائیں پڑھے جن میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے تحفظ اور آرام کی درخواست ہو۔ خود رحمتِ عالم ﷺ جب سفر کے لیے نکلتے تو مختلف دعائیں پڑھتے' جن میں سے ایک یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ' اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَاٰبَهِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ))[1]

''اے اللہ! تو سفر میں مالک ہے اور اہل وعیال میں خلیفہ' اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ سفر کی مشقت اور برا منظر پیش آئے اور اس سے کہ مال اور اہل وعیال میں برائی دیکھوں۔''

اور امت کو بھی ہدایت ہے کہ سفر پر نکلتے ہوئے یہ مسنون دعائیں پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے کہ تمام اور باتوں کے ساتھ رب العزت تو میرے بال بچوں اور بیوی کی محافظت کرنا' الٰہ العالمین! اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ سفر سے واپسی پر مال اور بال بچوں میں کوئی ناگوار بات دیکھنے میں آئے۔ گویا اس طرح وہ اپنے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ کو خصوصی محافظت میں دیتا ہے یوں تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی محافظ ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جہاں سفر کی ضرورت پوری ہو جائے فوراً اپنے بال بچوں میں واپس آؤ۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ وَ نَوْمَهٗ فَاِذَا قَضٰی نُهْمَتَهٗ مِنْ سَفَرِهٖ فَلْیَجْعَلْ اِلٰی اَھْلِهٖ))[2]

''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تم کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے' لہٰذا جوں ہی سفر کی ضرورت ختم ہو' جلدی سے بال بچوں میں پلٹ آؤ۔''

مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال:

مجاہدین اسلام کی بیویاں جو شوہروں کے جہاد میں چلے جانے کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں' ان

---

[1] مسلم۔ کتاب الحج: باب استحباب الذکر اذا رکب دابته (ح۱۳۴۲)

[2] بخاری۔ کتاب العمرة: باب السفر قطعة العذاب (ح۱۸۰۴)

مسلم۔ کتاب الامارة: باب السفر قطعة من العذاب (ح۱۹۲۷)

کے درجہ اوران کی حرمت کو عام مسلمانوں کی عورتوں سے بہت بڑھا کر رکھا گیا ہے اوران کی عفت وعصمت کا لحاظ ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ فرماتے ہیں:

((حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ، مَامِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ أَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ إِلَّا وُقِّفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ مِنْ حَسَنَاتِهٖ مَاشَاءَ حَتّٰى يَرْضٰى))[1]

''مجاہدین کی بیویوں کی عزت گھر پر رہنے والوں کے لیے ان کی ماؤں کے برابر ہے' اگر کوئی گھر میں رہنے والا مجاہدین میں سے کسی کے اہل میں خیانت کا ارتکاب کرے گا تو قیامت کے دن اس مجاہد کو لایا جائے گا اور وہ اس خائن کی جتنی نیکیاں لے کر خوش ہو گا لے لے گا۔''

OOO

[1] مسلم- کتاب الامارة: باب حرمة نساء المجاهدين (ح۱۸۹۷)

گھر میں داخل ہونیوالے غیر محرموں سے عزت کیسے بچائیں

اسلام نے جہاں تمام جزئی و کلی امور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں میں داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا؟ چنانچہ اس نے عفت و عصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیش نظر یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی کسی غیر کے گھر میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو' اور پھر حصولِ اجازت کا طریقہ بتایا کہ اسے عمل میں لا کر اجازت طلب کرے۔

گھروں میں داخلہ:

سوائے اس گھر کے جو رہن سہن کے لیے نہیں ہے یا ہے مگر وہ عام جگہ ہے وہاں آنے کی کسی کو کوئی رکاوٹ نہیں' جیسے ہوٹل اور مدرسہ وغیرہ جہاں کسی کو ممانعت نہیں یا سرائے جو ہر شخص کے لیے برابر ہے یا وہ گھر جس میں کوئی رہتا نہیں ہے' بلکہ اس میں سامان وغیرہ ہے۔ اس طرح کے مکان وغیرہ میں تو بلاشبہ بغیر حصولِ اجازت بھی آ سکتا ہے کہ یہ اپنی وضع ہی کے اعتبار سے عام ہیں۔

چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۹)

''اس میں تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جن میں سامان ہے (کوئی رہتا بستا نہیں) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔''

ہاں جن لوگوں کو ایسے عام گھروں سے بھی روک دیا جائے وہ البتہ نہیں جا سکتے ہیں۔

گھروں میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع:

بقیہ دیگر رہائشی گھروں کا حکم یہ ہے کہ وہاں کوئی بغیر اجازت داخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۷)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور اس گھر والے کو سلام نہ کر لو' یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تا کہ تم یاد رکھو۔''

اگر کوئی غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو پہلے شرعی طریقہ پر اجازت حاصل کر لی جائے' یہ گھر خواہ اس کی ملکیت ہو' یا وہ کرایہ پر رہتا ہو' یا وہ عاریۃً اس میں گزر بسر کرتا ہو۔ پھر اس گھر میں محارم ہوں یا غیر محارم' مرد رہتے ہوں یا عورتیں' تمام شکلوں میں جو مختار خانہ (گھر کا سربراہ) ہے اس سے اجازت لینی چاہیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور پھر خواہ خود گھر والا اجازت دے' یا اس نے جس کو اجازت دینے کا اختیار دیا ہے وہ اجازت دے۔

طلب اجازت کا شرعی طریقہ:

حصول اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر سلام کرے اور پوچھے ''کیا میں اندر آؤں؟'' آنے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے۔ اجازت نہ ملے' یعنی گھر کے مختار نے کہا کہ ابھی نہیں آ سکتے' تو ایسی حالت میں فوراً پلٹ آئے' اصرار نہ کرے اور نہ زبردستی کرے' اور اگر آواز دی مگر جواب نہیں ملا' تو تین مرتبہ اذن کے لیے شرعی طریقہ اختیار کرے' تیسری مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو پلٹ آئے' اور ایسا گھر جس کے متعلق صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہے' کہ اس میں کوئی ہے' یا نہیں تو اس طرح کی غیر یقینی کیفیت میں بھی بغیر اجازت اندر داخلہ کا حکم نہیں ہے۔

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ٱرْجِعُوا۟ فَٱرْجِعُوا۟ ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۸)

''پھر اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر جواب دیا جائے کہ ''لوٹ جاؤ'' تو واپس لوٹ جاؤ۔ اس میں تمہارے لیے پاکیزگی ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔''

فرض کر لیا جائے کہ گھر میں کوئی نہ ہو تو سوال ہے کہ دوسرے کے یہاں تم جانے کا کیا حق رکھتے ہو جب کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں اذنِ عام نہیں؟ اور گھر والے نے جب کھل کر کہہ دیا کہ ''واپس جائیے'' تو پھر کوئی گنجائش ہی باقی نہیں، اس کے بعد زبردستی جانا کسی کو ایذا دینا ہے اور ایذا دینا سخت جرم ہے، دوسرا اپنی رسوائی بھی ہے کہ خواہ مخواہ دوسرے کے یہاں جم گئے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ جب کہہ دیا گیا کہ ''واپس ہو جاؤ'' تو اجازت کے حصول کے لیے اصرار نہ کیا جائے نہ پردہ میں سہولت کا طالب ہو اور نہ دروازے پر کھڑے رہ کر انتظار کیا جائے، کیونکہ یہ ساری شکلیں کراہت سے خالی نہیں ہیں۔ نیز آدابِ حسنہ کے خلاف ہیں بلکہ واپس پلٹ جائے۔ دروازہ پیٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحبِ کشاف نے اس آیت کے ضمن میں اس کی صراحت کی ہے۔[1]

طلبِ اذن کی حکمتیں:

پھر طلبِ اذن میں بڑی حکمت اور بہت فائدے ہیں:

- پہلی بات تو یہ ہے کہ طلبِ اذن جس کو حدیث کی اصطلاح میں ''استیذان'' کہتے ہیں واجب ہے۔ اور واجب پر عمل ضروری ہے۔
- دوسری یہ کہ کیا معلوم دفعتہً اندر جانا تمہارے لیے خود مضر ہو یا گھر والے کا اس سے نقصان ہو۔ اور ان میں سے جو بھی صورت ہو ہر ایک سے اجتناب ضروری ہے۔
- تیسری یہ کہ ہوسکتا ہے دفعتہً (یکبارگی) جانے میں نظر ایسے محل پر پڑے جہاں دیکھنا ناگوار خاطر ہو، خود جانے والے کے لیے بھی، اور گھر والوں کے لیے بھی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے دفعتہً کسی ناپسند یا ناجائز چیز پر نظر پڑ جانے سے زندگی کو روگ لگ جاتا ہے۔ اس لیے عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر گھسنے کی جرأت نہ کی جائے۔
- کوئی ایسی حویلی جس میں ایک باپ کی متعدد اولاد آباد ہوں اور وہ سب یا ان میں سے کچھ شادی شدہ ہوں تو ایسی حالت میں بھی اصول کے مطابق اجازت کے حصول کی ضرورت

---

[1] کشاف ۳/ ۷۰

ہے' اس لیے کہ وہاں غیر محرم عورتیں بھی ہیں' یا کم از کم ایسی صورت اختیار کی جائے کہ گھر کی عورتیں داخل ہونے سے پہلے خبردار ہو جائیں' اور وہ اپنے آپ کو سنبھال لیں' اور یہ طریقہ ہر زنانہ گھر میں جانے کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

طلبِ اذن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم

رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو استیذان کی عملی طور پر تعلیم دی۔ اس لیے اس سے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں' طلبِ اذن کے باب میں سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاِسْتِیْذَانُ ثَلَاثٌ فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَ اِلَّا فَارْجِعْ))[1]

''طلب اذن تین مرتبہ ہے' اگر اجازت مل جائے تب تو خیر' ورنہ واپس ہو جانا چاہیے۔''

بنی عامر کے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ گھر کے اندر تھے' دروازہ پر پہنچ کر درخواست کی: داخل ہونے کی اجازت ہے؟ رسول اکرم ﷺ کو یہ آواز جب پہنچی تو خادم سے فرمایا: باہر جو شخص آیا ہے اس کے پاس جاؤ اور اس کو اجازت طلب کرنے کا شرعی سلیقہ سکھاؤ' اسے بتانا کہ تم اس طرح کہو ''السلام علیکم کیا میں اندر آؤں؟'' دروازہ پر جو شخص آیا تھا اس نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کو جو آپؐ اندر اپنے خادم کو دے رہے تھے سن لیا اور اب کے کہا ''السلام علیکم کیا اندر حاضر ہوسکتا ہوں؟'' نبی کریم ﷺ نے جب شرعی طریقہ سے طلب اذن سنا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی' اور وہ شخص اندر آیا۔[2]

سیدنا کلدہ بن الحنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور بغیر سلام کیے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا' یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واپس جاؤ اور یہ کہو ''السلام علیکم' کیا اندر آ جاؤں؟''[3]

---

[1] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان ثلاثا (ح۶۲۴۵)۔
مسلم۔ کتاب الآداب: الاستئذان (ح۲۱۵۳)

[2] ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب کیفیۃ الاستئذان (ح۵۱۷۷)

[3] ابوداؤد۔ حوالہ سابق (۵۱۷۶)
ترمذی۔ کتاب الاستئذان: باب ما جاء فی التسلیم قبل الاستئذان (ح۲۷۱۰)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جب اجازت لینی ہو تو پہلے سلام کیا جائے' پھر اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کرے' بغیر سلام کہے طلب اذن ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ آواز دی جائے گی' تیسری مرتبہ بھی جب اجازت طلب کرنے والے کو جواب نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ حدیث میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے' تین مرتبہ شرعی طریقہ کے مطابق اجازت طلب کی' کوئی جواب نہیں ملا تو واپس پلٹ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مصروف تھے۔ اطمینان ہوا تو فرمایا کہ: ''ان (ابوموسیٰ) کو بلا لو'' آدمی ان کو بلانے باہر آیا' تو دیکھا سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جا چکے ہیں' آدمی نے جا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی' پھر دوبارہ جب کسی موقع سے سیدنا ابوموسیٰ آئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: ''اس وقت کیوں واپس ہو گئے تھے؟'' جواب دیا: ''میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی' لیکن اجازت دیئے جانے کی آواز نہیں آئی' تو میں چل دیا' کیونکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِذَا اِسْتَاْذَنَ اَحَدُکُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَنْصَرِفْ))[1]

''تم میں سے کوئی تین بار طلبِ اذن کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو اس کو پلٹ آنا چاہیے۔''

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی' تین مرتبہ سلام کے ساتھ اجازت طلب کی' کوئی جواب نہیں ملا تو تیسری مرتبہ کے بعد آپ واپس جا رہے تھے کہ اتنے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عنہ دوڑے آئے اور آپ کو لے گئے۔[2]

دروازہ پر تاک جھانک کی ممانعت:

اجازت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ دفعتہً گھر والے کو نہ دیکھ لے' خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے حجرہ میں بیٹھے ایک کنگھی لیے سر کھجلا رہے تھے کہ کوئی آیا

---

[1] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان ثلاثا (ح۶۲۴۵)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب الاستئذان (ح۲۱۵۳)

[2] مسند احمد (۳/ ۱۳۸)

اور جھانکنے لگا۔ آپ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا: اگر مجھے علم ہوتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالتا' کیا اس کو معلوم نہیں ہے کہ:

((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجَلِ الْبَصَرِ)) [1]

''دیکھ لینے ہی کی وجہ سے طلب اذن کا قانون بنایا گیا ہے۔''

اسی وجہ سے حکم ہے کہ اصولی طور پر آنے والے کو دروازہ سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہونا چاہئے۔ دائیں بائیں جدھر مناسب ہو' کھڑا ہو جائے۔ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑا نہ ہو۔ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' کہ نبی کریم ﷺ جب کسی دروازہ پر آتے تو دروازہ کے مقابل نہیں کھڑے ہوتے تھے' بلکہ دائیں جانب کھڑے ہوتے' یا بائیں جانب اور فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ راوی کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں دروازوں پر پردہ لٹکانے کا رواج نہیں تھا۔[2] اس کا منشاء یہ ہے کہ اگر پردہ ہو تو دروازہ کے سامنے کھڑا ہونا بھی ناجائز نہیں ہے' مگر اصول کے پیش نظر اب بھی مناسب یہی ہے کہ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑے ہو کر اجازت نہ طلب کی جائے کیونکہ بسا اوقات پردہ اٹھا کر کوئی اندر سے نکلتا ہے تو سامنے سے گھر کے آدمی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر حاضر ہوا اور اجازت طلب کی' وہ شخص دروازہ کے مقابل تھا' آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ ایسے یا ایسے (یعنی دائیں بائیں) کھڑے ہو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ طلبِ اذن نگاہ ہی کی وجہ سے ہے۔[3]

پھر دروازہ پر پہنچ کر تاک جھانک نہیں کرنا چاہیے' یہ تاک جھانک دروازہ کی درز سے ہو یا کھڑکی وغیرہ سے' کیونکہ اس سے استیذان مقصد ہی فوت ہو جائے گا' پھر اس لیے کہ آپ ابھی پڑھ چکے کہ نگاہ ہی سے بچنے کے لیے یہ قاعدے وضع کیے گئے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اس سے سختی سے ممانعت کی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَقَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهٗ مَا

---

[1] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب الاستئذان من اجل البصر (ح۶۲۴۱)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ (ح ۲۱۵۶)

[2] ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان (ح۵۱۸۶)

[3] ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب فی الاستئذان (ح۵۱۷۴)

كَانَ عَلَيْكَ جُنَاحٌ))[1]

"اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

جس جرم کی رحمتِ عالم ﷺ کی نگاہ میں اتنی سخت سزا ہو' اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی نفسہ یہ جرم کتنا بڑا ہوگا۔؟

طلب اذن کے وقت اپنا مشہور نام بتائے:

سلام کے بعد طلب اذن کے لیے جب آواز دے اور گھر سے کوئی پوچھے: تو کون ہے؟ تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیے' تاکہ گھر والے کو اجازت دینے میں سہولت رہے۔ اور جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے "میں ہوں" اس لیے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ کون آیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے مبہم جواب کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایک دفعہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے' آپؐ نے اندر سے فرمایا' کون ہیں؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں ہوں" رحمتِ عالم ﷺ نے اس کو سن کر ناپسند فرمایا اور کہا "اَنَا' اَنَا" (مَیں مَیں) کیا؟[2]

اس طریقہ استیذان کی بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تعلیم فرمائی اور خود بھی برابر عمل کیا اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کی۔

محرم بھی اجازت حاصل کرے:

یہ استیذان (اجازت چاہنا) اپنے لوگوں سے بھی چاہیے' یعنی اپنی ماں' بہن وغیرہ ہوں تو ان سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے' بلکہ بڑی حد تک ضروری ہے' استیذان والی آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے' کہ ایک انصاری عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور شکوہ سنج ہوئی' کہ کبھی میں اس حال میں ہوتی ہوں' کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی مجھے دیکھے' خواہ باپ ہو' خواہ بیٹا' اور طرفہ تماشہ یہ ہے اسی حال میں ہوتی ہوں اور گھر والے آتے جاتے

[1] بخاری۔ کتاب الدیات: باب من اطلع فی بیت قوم (ح/۲ ۶۹)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ (ح۲۱۵۸)

[2] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب اذا قال من ذا فقال انا (ح۶۲۵۰)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب کراھة قول المستأذن انا (ح ۲۱۵۵)

ہیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا الخ﴾[1]

حدیث میں متعدد واقعات اس طرح کے آئے ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم بھی اندر آئیں تو اجازت لے کر آئیں' اس لیے کہ معلوم نہیں گھر میں عورتیں کس حال میں ہوں' عموماً جانبین میں کوئی پسند نہیں کرتا' کہ عورتوں کو ایسی حالت میں دیکھے کہ وہ آزادانہ بیٹھی ہوں کہ جو عورتوں میں خاص نشست ہوتی ہے' ہمارا تو خیال ہے کہ گھر میں صرف بیوی ہو تو بھی خبر دے کر داخل ہونا چاہیے' کیونکہ طبعاً آدمی اپنی بیوی کو بھی بے پردگی میں دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ عورت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔

ماں سے بھی طلبِ اذن:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: ''کیا میں اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں۔''

آپ نے فرمایا: ''ہاں استیذان ماں سے بھی ہے۔'' اس نے کہا کہ: ''میں تو ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔'' مقصد کہنے کا یہ تھا کہ ماں کا مجھ سے پردہ نہیں ہے۔ پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ان سے بھی اجازت لے لیا کرو۔'' اس شخص نے کہا میں ان کی خدمت کرتا ہوں' یعنی اس وجہ سے برابر آنا جانا ہوتا ہے' پھر کیا ضرورت ہے دشواری بڑھ جائے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کر فرمایا: ''اپنی ماں کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے تب بھی اجازت حاصل کر لیا کرو' کیا تم اپنی ماں کو ننگی دیکھنا پسند کرو گے'' اس نے کہا: ''نہیں'' آپ نے فرمایا: ''تو پھر اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ اجازت حاصل کر کے جاؤ۔''[2]

سلف صالحین کا طریقہ:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی ضرورت سے اندر آتے تو پہلے دروازہ پر آ کر رک جاتے' کھانستے' تھوکتے اور اس کے بعد اندر آتے' دفعتۃً بغیر اطلاع آنا پسند نہیں کرتے تھے' یہ زینب سیدنا عبداللہ بن مسعود کی زوجہ محترمہ ہیں۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (ص۹۳۵) تفسیر طبری (۱۸/ ۸۷۔۸۸)

[2] موطا امام مالک (۲/ ۹۶۳) کتاب الاستئذان (ح۱) (ص۔م)

[3] مسند احمد ۱/ ۳۸۱ واللفظ له۔ ابن ماجه۔ کتاب الطب: باب تعليق التمائم (ح ۳۵۳۰) تفسیر طبری (۱۸/ ۸۸)

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ جب گھر آتے تو اجازت طلب کرتے اور دروازہ پر آ کر زور سے آواز دیتے[1]

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگے، تو دروازہ پر آ کر زور سے کھانسے، یا زور سے اپنا جوتا پٹکے، جس سے اندر خبر ہو جائے کہ مرد آ رہا ہے۔[2]

استیذان میں تین سلام جو رکھے گئے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ پہلا گھر والے سن لیں، دوسرے سلام کی آواز پر سنبھل جائیں اور تیسرے کی آواز پر اجازت دیں، یا روک دیں۔

ابن العربی لکھتے ہیں کہ غیر کے گھر میں اذن حاصل کرنا ضروری ہے اور اپنا گھر ہو تو طلب اذن واجب نہیں ہے، مگر گھر میں اگر ماں، بہن وغیرہ بھی رہتی ہوں، تو اندر جانے کے لیے کھانسے، اس کے بعد اندر داخل ہو، اور دروازہ پر پہنچ کر پیر پٹکے، جس سے اندر عورتوں کو آنے کی خبر ہو جائے کیونکہ کبھی ماں، بہن بھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں کہ جس حالت میں دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔[3]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماں بہن کی خدمت میں حاضر ہونا ہو تو بھی اجازت لے لی جائے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھنے والوں نے بار بار پوچھا کہ اپنی "ماں بہن جس گھر میں رہتی ہو اس میں بھی جائے تو اجازت لی جائے گی؟" آپ نے ہمیشہ فرمایا: "ہاں اجازت لی جائے گی" تکرار کرنے پر سمجھایا کہ کوئی بھی اپنی ماں، بہن کو بے پردہ دیکھنا پسند نہیں کرتا، پھر تم کو خواہ مخواہ اصرار کیوں ہے؟![4]

عفت کا اسلام میں لحاظ:

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس میں غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اسلام نے اپنے قوانین میں دوسری حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ عفت وعصمت کا بھی کتنا عمدہ تحفظ کیا ہے اور ان تمام بنیادی باتوں میں عفت وعصمت کا کس اہمیت کے ساتھ لحاظ کیا ہے۔

موجودہ دور میں غفلت:

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ سارے طریقے اور آداب جو اسلام نے گھر میں داخل کے لیے مقرر

---

[1] ابن کثیر ۳/ ۲۸۱۔ تفسیر ابن ابی حاتم (۸/ ۱۴۳۴۳)

[2] ایضا [3] ابن کثیر ۳/ ۲۸۱۔

[4] ایضاً تفسیر طبری (۱۸/ ۸۸)

کیے ہیں' جن کو قرآن پاک نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور حدیثوں میں جس کی تاکید آئی ہے' خود رحمت عالم ﷺ نے جن پر عمل کیا' صحابہ کرام کو تعلیم فرمائی' اور پھر صحابہ کرامؓ نے جن پر زندگی بھر عمل کیا' یہ احکام آج مسلمانوں میں متروک ہیں اور عموماً مسلمان گھرانوں میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ضرورت ہے کہ ان آداب واحکام کو عمل سے بھی زندگی بخشی جائے۔

حق یہ ہے کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا جو سامان قوانین الٰہی میں ہے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سلسلہ میں اہتمام کا یہ حال ہے کہ بالغین اور مراہق کا حکم بیان کرنے کے بعد قرآن نے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے جو غیر مراہق اور بچے ہیں' اور وہ سوچ سمجھ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غیر محارم کے متعلق معلوم ہو چکا کہ ان سے مکمل پردہ کیا جائے گا' صرف ضرورت کے وقت چہرہ اور کفین (ہتھلیاں) کھولنے کا حکم ہے مگر یہ بھی اس وقت جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ محارم کا حکم بھی بیان ہو چکا کہ ان سے بھی تمام اعضاء وجوبی طور پر چھپائے جائیں گے' صرف ان موقعوں کے سوا جو عام طور پر کھولے جاتے ہیں یا کھلتے رہتے ہیں جیسے چہرہ ہتھلیاں بازو' سر اور پنڈلی وغیرہ' مگر مطلب یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان اعضاء کو کھولے۔ غلام' عورت کے لیے غیر محرم کے حکم میں ہے' اس سے مکمل پردہ ضروری ہے۔ کافرہ لونڈی کا حکم بھی محرم کا سا ہے۔

خاص اوقات میں سب کے لیے استیذان:

یہاں یہ بتانا ہے کہ چھوٹے نابالغ لڑکے اور لونڈیاں جو محرم کے حکم میں ہیں خاص وقتوں میں ان کو بھی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اگر ان مخصوص وقتوں میں یہ نابالغ لڑکے اور لونڈیاں آنا چاہیں تو یہ سب بھی اجازت حاصل کریں' کہ یہ وقت عموماً بے پردگی کے ہیں اور آدمی کے کھل کر رہنے سہنے کے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِيَسْتَـْٔذِنكُمُ ٱلَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ وَٱلَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا۟ ٱلْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَٰثَ مَرَّٰتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَوٰةِ ٱلْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعْدِ صَلَوٰةِ ٱلْعِشَآءِ ۚ ثَلَٰثُ عَوْرَٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّٰفُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

(النور: ۲۴/ ۵۸)

''اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈی اور جو لڑکے (اور لڑکیاں) تم میں سے ابھی

جوان نہیں ہوئیں[1] وہ تین وقتوں میں تمہارے پاس آنے کی اجازت طلب کیا کریں۔ ایک تو فجر کی نماز سے پہلے (کیونکہ رات کو آدمی کھلا رہتا ہے) اور (دوسرا وقت) دوپہر دن کو جب تم سونے کے لیے اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور (تیسرا موقع) عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہاری بے پردگی کے وقت ہیں[2] ان اوقات کے علاوہ (بغیر اجازت کے آنے کے) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ اُن پر' تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو۔''[3]

---

[1] لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ احتلام کی عمر کو نہیں پہنچے'' مراد ہے ابھی بچے ہیں۔

[2] یہاں بے پردگی کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اوقات کہ جن میں تم تنہا' یا اپنی بیویوں کے ساتھ ایسی حالت میں ہوتے ہو کہ غلاموں کا یا بچوں کا تمہارے پاس اچانک آ پہنچنا مناسب نہیں۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں' کہ اکثر لوگ اس آیت پر ایمان نہیں لائے (یعنی اس پر عمل کرنے سے بے پرواہیں)' میں تو اپنی اس چھوٹی سی بچی کو بھی جو سامنے کھڑی ہے حکم دیتا ہوں' کہ ان اوقات میں اجازت لے کر آیا کرے۔ (ابن کثیر شوکانی)

[3] اگر ان غلاموں لونڈیوں اور خدمت گزاروں کے لیے بھی یہ ضروری قرار دے دیا جاتا' کہ وہ جب بھی آئیں تو اجازت لے کر آئیں تو گھر کے کام کاج میں سخت دشواری پیش آتی۔ گویا خدمت گزاری کی ضرورت کے پیش نظر اجازت دی گئی ہے۔ اس سے بالکل اگلی آیت میں اللہ کریم نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

''اور جب تمہارے لڑکے جوان ہو جائیں' تو جس طرح وہ لوگ (ہر وقت) اجازت لیتے ہیں جو ان سے پہلے جوان ہو چکے ہیں' یہ بھی اجازت لیا کریں۔ یونہی اللہ تعالیٰ تم سے اپنے حکم کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (سب) جانتا ہے حکمت (دانائی) والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے عفت وعصمت کا یہ مسئلہ نکھر کر سامنے آتا ہے کہ جس طرح وہ لوگ اجازت لیتے ہیں' جن کا ذکر پہلے (آیت نمبر ۲۷ میں) ہو چکا ہے۔ الغرض لڑکی یا لڑکے کے بالغ ہو جانے کے بعد ہر حال میں اجازت لے کر آنا ضروری ہے۔ پھر ان تین اشخاص کی تخصیص نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

سیدنا عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت لے کر جایا کروں؟''

فرمایا: ''ہاں!''

اس نے کہا: ''میں تو اس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں۔''

←

اس آیت میں تین وقتوں کا ذکر ہے:

① ایک نماز فجر سے پہلے جو آدمی کے لیے خوشگوار وقت ہے اور سو کر بیدار ہونے کا وقت ہے' رات کی بے خبری میں عموماً اس وقت ستر کھلے رہ جاتے ہیں' گہری نیند کی وجہ سے ستر پوشی کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔

② دوسرا وقت دوپہر کا بیان کیا گیا ہے' جس وقت آدمی دن کا کھانا کھا پی کر قیلولہ کرتا ہے اور تھوڑی دیر کھل کر آرام کرتا ہے' گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ اس وقت بے خبر اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور بعض عادی لوگ گرمی' سردی دونوں زمانوں میں دوپہر میں سوتے ہیں۔ اس لیے واضح بات ہے کہ نیند اور غفلت میں بے خبری کا غالب قرینہ ہے۔

③ تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ اور یہ بھی آرام کا وقت ہے' آدمی دن بھر کی تکان لیے بستر پر آتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ سب آرام کر رہے ہیں بہت بے پروا لیٹتا اور سوتا ہے۔

مزید یہ کہ ان تینوں وقتوں میں کم و بیش شادی شدہ اپنی رفیقہ حیات سے دلبستگی کرتا ہے' بوس و کنار کی نوبت آتی ہے۔ اس لیے حق ہے کہ بچے اور لونڈیاں بھی اطلاع دے کر اندر داخل ہوں' بغیر اجازت گھس جانے کی ہمت ہرگز نہ کریں' کیونکہ اگر موقع شرم و حیاء کا ہوا' تو آدمی شرم سے گڑ جاتا ہے اور دلی رنج و تکلیف محسوس کرتا ہے' لونڈی اور خادمہ چونکہ بالغ ہوتی ہے اس لیے وہ خود بھی بعض موقعوں پر شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہے گی باقی ان کے علاوہ اوقات میں چونکہ یہ کیفیتیں عموماً نہیں ہوتیں اس لیے کوئی خاص پابندی نہیں ہے' پھر بچوں کا روکنا بھی مشکل ہے کہ وہ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں' یہی حال لونڈی اور خادمہ کا ہے کہ وہ کام کاج کے لیے آمد و رفت پر مجبور ہے۔ ان کو کہاں تک روکا جائے گا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں جو استیذان کا حکم آیا ہے' وہ اجنبی اور غیروں

← فرمایا: ''تب بھی اجازت لے کر جایا کرو۔ کیا تم اپنی والدہ کو برہنگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''بالکل نہیں!''

فرمایا: ''تو پھر اجازت لے کر جایا کرو۔'' (شوکانی تفسیر طبری ۱۸/۸۸) تفسیر ابن کثیر (۳/۳۸۱)

ان پاکیزہ تعلیمات و ہدایات و احکامات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول رحمت ﷺ کو عورتوں کی ہر حال میں' ہر رشتہ کی صورت میں اور ہر وقت عفت و عصمت کے تحفظ کی کتنی فکر و امنگیر تھی! اور آپ نے عورت کی عفت کی حفاظت کے لیے ایک مکمل' قابل عمل بہترین ضابطہ حیات فراہم کیا' جو تمام ادیان و مذاہب سے فائق و اعلیٰ تھا' اور ہے اور قیامت تک رہے گا۔

کے لیے ہے اور اس آیت میں استیذان کا حکم قرابتداروں کے لیے ہے' یعنی ان لوگوں کے لیے جو محارم میں داخل ہیں۔

بعض علماء لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں استیذان کا عام حکم تھا اور عام لوگوں کے لیے تھا اور تمام وقتوں کے لیے تھا۔ اور اس آیت میں خاص لوگوں کو طلب اذن کا حکم ہے اور خاص وقتوں میں ہے اور صحیح یہی ہے۔

اس آیت میں **مَلَكَتْ** سے مراد صرف لونڈی ہے' کیونکہ عبد (غلام) غیر محرم میں داخل ہے اور یہ مردوں کے زمرے میں آئیں گے اور عورتوں کے سامنے جانے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔

پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر پابندی عائد کر دی گئی ہے' جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں' یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے' اور عقلاً بہت مناسب ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

"اے ایمان والو!...... تمہارے پاس آنے کے لیے تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے' ان کو تین وقتوں میں اجازت لینی چاہیے' ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب سونے لیٹنے کے لیے دوپہر کو اپنے بعض کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ اور تیسرے نماز عشاء کے بعد' یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں' یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ و استراحت کے ہیں اور ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں' اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں' کہ وجوب استیذان کی علت اس میں پائی جاتی ہے' اور ان اوقات کے سوا نہ تو بلا اجازت آنے دینے میں اور منع نہ کرنے میں تم پر کوئی الزام ہے' نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے' کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس' اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس' کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے۔ اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی' اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں' پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے' اور چونکہ یہ وقت پردے کے نہیں' اس لیے ان میں اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کافر لونڈی ...... بجز مواقع

زینت کے سب (اعضائے جسم) چھپائے رکھے اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں' اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے۔ سو اس استثناء میں کوئی دشواری نہیں' لہٰذا بے اذن آنا جائز ہوا' اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانوں سے ناف تک اور عورت باستثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے کیونکہ اس کی آمد و رفت بھی بہت ہے اور ان تین وقتوں کے ماسوا بھی اگر کوئی عارض مانع ہو تو بھی استیذان واجب ہو گا' پس تخصیص باعتبار اس وقت کی عادت کے ہے۔ اسی طرح جیسا کہ یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے' پس سب مصالح اور حکمتوں پر اس کی نظر ہے اور احکام میں ان کی رعایت فرماتا ہے۔"[1]

نابالغ بھی بعد از بلوغت اجازت لیں:

اسلام نے ان نابالغ بچوں پر بھی بعد بلوغت عام وقتوں میں استیذان کی پابندی عائد کی ہے جن پر بلوغت یا قریب البلوغت ہونے سے پہلے صرف مخصوص ہی وقتوں میں پابندی تھی۔ ہندوستان میں جو یہ رواج ہو گیا ہے کہ بچپن سے جو آتا رہا ہے' بلوغت کے بعد بھی ان کو اندر آنے کی اجازت رہتی ہے۔ اور عورتیں بلوغت کے بعد بھی ان سے پردہ نہیں کرتیں۔ اور یہ بالکل غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔ پردہ دار گھرانوں میں یہ رسم بھی غلط طور پر رائج ہے' حالانکہ اسلام نے شدت کے ساتھ اس کی روک تھام کی ہے اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اجازت لینی ہو گی' بلوغت سے پہلے والی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

(النور: ۲۴/ ۵۹)

"اور جب تم میں سے نابالغ بچے بلوغت کی حد کو پہنچیں تو ان کو ایسے ہی اجازت لینی چاہیے' جیسے تمہارے اگلے (یعنی بڑے) لیتے رہے ہیں۔ اللہ یوں کھول کر تم کو اپنی

[1] بیان القرآن ۸/ ۳۲، ۳۳

باتیں سناتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

یعنی اب تک ان بچوں کو تین مخصوص وقتوں میں ہی طلب اذن کا حکم تھا' مگر اب جب بالغ ہو چکے' تو اب کسی وقت بھی بغیر اجازت اندر نہ جائیں' جس طرح دوسروں کو استیذان کا حکم ہے ان کے لیے بھی استیذان ضروری ہو گیا ہے' کیونکہ پہلے عدم بلوغت کی وجہ سے پردہ کی باتوں کا ان کو علم نہ تھا' نہ خود ان کے لیے اپنے اندر نہ کوئی کشش تھی اور نہ غیر کے لیے ان کے اندر کوئی کشش تھی' مگر اب ان کی حالت بدل چکی ہے' اب احساس پیدا ہو چکا ہے' خود یہ اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کرتے ہیں اور دل جذبات سے معمور پاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی طرف کشش ہو سکتی ہے' اس لیے قدرتاً حکم بدلنا بھی ضروری ہے۔ مولانا تھانویؒ اس آیت کا تفسیری ترجمہ لکھتے ہیں:

''اور جس وقت تم میں سے یعنی احرار میں سے وہ لڑکے جن کا اوپر حکم آیا ہے حد بلوغت کو پہنچیں' یعنی بالغ یا قریب بہ بلوغ ہو جائیں' تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے یعنی ان سے بڑی عمر کے لوگ اجازت لیتے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کو مکرر لایا گیا' کہ قانونِ استیذان کی مصلحتیں نہایت واضح اور اس کے احکام نہایت قابل رعایت ہیں' تکریر سے اہتمام ظاہر ہو گیا۔''[1]

''اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر:

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے' سوائے چہرہ اور کفین (ہتھیلیوں) کے' جس کی طرف قرآن پاک نے اِلَّا مَاظَهَرَ سے اشارہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہاں اِلَّا مَاظَهَرَ کے مفہوم کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو اور وہ اپنے ماحول کے مطابق یہ سمجھے کہ ان کا ہمیشہ کھلا رکھنا جائز ہے' اس لیے یہاں آ کر اللہ تعالیٰ نے مَاظَهَرَ کے مفہوم کو صاف فرما دیا اور مَاظَهَرَ سے غلط فہمی کا معجزانہ انداز میں ازالہ کر دیا کہ چہرہ اور کفین جو مَاظَهَرَ میں داخل ہے' بالذات تو ستر نہیں ہے' مگر یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ انہیں خواہ مخواہ کھلا رکھیں بلکہ وہ بھی ضرورت کے علاوہ وقتوں میں اجنبی سے واجب الستر ہیں تاکہ فتنہ وفساد کی آگ مشتعل نہ ہو سکے' ہاں بوڑھی عورتیں جو اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی ہیں وہ ان اعضاء (مَاظَهَرَ) کو کھلا رکھ سکتی ہیں' گو

[1] بیان القرآن ٨ / ٣٣

بہتر چھپانا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (النور: ۲۴/ ۶۰)

''اور جو بڑی بوڑھی عورتیں ہیں کہ ان کو نکاح (یا اولاد) کی امید نہیں رہی' وہ اگر (گھروں میں) اپنے کپڑے (مثلاً: دوپٹہ وغیرہ) اتار کر رہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ[1] اپنا بناؤ سنگار دکھاتی پھریں اور (جو اس سے بھی) بچی رہیں (یعنی جوان عورتوں کی طرح پورے جسم کا پردہ رکھیں) تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔''

چہرہ چھپانے کا حکم:

یہاں بوڑھی سن یاس کو پہنچی ہوئی عورتیں مراد ہیں' ان کو بھی حکم ہے کہ مواقع زینت نہ کھولیں۔ اسی سے جانا جا سکتا ہے کہ جوان عورتوں کو مَاظَهَرَ کے خواہ مخواہ کھلے رکھنے کی اجازت کیوں کر مل سکتی ہے؟ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

''ایک یہ بات جاننا چاہئے کہ وجہ اور کفین کو وجوب استثناء سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بالذات ستر نہیں' نہ یہ کہ عورتیں کھلی مہار اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھریں' کیونکہ فتنہ کے احتمال سے بالغیر وہ بھی واجب الستر ہے' البتہ جہاں احتمال فتنہ کا نہ ہو مثلاً: جو بڑی بوڑھی عورتیں ہیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کچھ امید نہ رہی ہو' یعنی اصلاً محل رغبت نہیں رہیں' ان کو البتہ اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے غیر محرم کے روبرو اتار رکھیں' بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نہ کریں جن کا ظاہر کرنا' نامحرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے' بس صرف وجہ اور کفین اور بقولے قدمین کا بھی اظہار جائز ہے بخلاف جوان عورت کے کہ بوجہ احتمال فتنہ کے اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے مگر بعذر شرعی اور ہر چند کہ عجائز کو کشف وجہ کی اجازت ہے لیکن اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان

[1] یعنی انہیں دوپٹہ کے اوپر کی چادر اتارنے کی اجازت ہے' مگر اس لیے نہیں کہ وہ اپنی زینت کی نمائش کریں' بلکہ محض آرام لینے کے لئے۔ (ابن کثیر)

کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔"[1]

ابن العربی لکھتے ہیں:

((وَاِنَّمَا خُصَّ الْقَوَاعِدُ بِذَالِكَ دُوْنَ غَيْرِهِنَّ لِانْصِرَافِ النُّفُوْسِ عَنْهُنَّ وَ لَاَنْ يَسْتَعْفِفْنَ بِالتَّسَتُّرِ الْكَامِلِ خَيْرٌ لَّهُنَّ مِنْ فِعْلِ الْمُبَاحِ لَهُنَّ مِنْ وَّضْعِ الثِّيَابِ)) [2]

"اس میں بوڑھیوں کو مخصوص کیا اوروں کو چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے کہ نفس ان بوڑھیوں کی طرف سے پھرا رہتا ہے اور اگر یہ بھی تستر کامل (جسم کا مکمل طور پر پردہ) اختیار کریں تو بلاشبہ یہ اس فعل مباح سے بہتر ہے کہ کپڑا اتار دیں۔"

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

((وَالْمَعْنٰى تُمْنَعُ مِنَ الْكَشْفِ لِخَوْفِ اَنْ يَرَى الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ لِاَنَّهُ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظَرُ اِلَيْهَا بِشَهْوَةٍ)) [3]

"عورت کو چہرہ کے کھولنے سے روکا جائے گا' تا کہ مرد یکھنے نہ پائے' کیونکہ کھلنے کی صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے۔"

باریک کپڑے کا استعمال مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں:

اوپر کی آیت کے "غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِيْنَةٍ" کے جملہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ عورتیں اتنا باریک کپڑا استعمال نہ کریں جو ساتر نہ ہو کہ اس سے حسن چھنتا ہو۔ ابن العربی لکھتے ہیں:

((وَمِنَ التَّبَرُّجِ اَنْ تَلْبَسَ الْمَرْاَةُ ثَوْبًا رَقِيْقًا يَصِفُهَا)) [4]

"تبرج میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اتنا باریک کپڑا استعمال کرے جو چغلی کرتا ہو۔"

اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رُبَّ كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيْلَاتٌ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا)) [5]

"بہت سی لباس پہننے والی عورتیں ننگی کے حکم میں ہیں' جو خود مائل ہوتی ہیں' دوسروں کو

---

[1] بیان القرآن ۸/۳۳۔
[2] احکام القرآن ۲/۱۱۴۔
[3] رد المختار ۱/ ۲۸۴۔
[4] احکام القرآن ۲/ ۱۱۴۔
[5] رواہ مسلم۔ کتاب اللباس: باب النساء الکاسیات العاریات (ح۲۱۲۸) باختلاف یسیر۔

مائل کرتی ہیں لیکن ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی بو پائیں گی۔"

اس حدیث کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں "کاسیات" کے بعد "عاریات" اسی لیے فرمایا کہ وہ اتنا باریک کپڑا زیب تن کرتی ہیں کہ وہ گویا ننگی ہیں' اور پھر فرماتے ہیں کہ اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر کامل نہ ہو حرام ہے۔[1]

پہلے ہم یہ آیت نقل کر چکے ہیں:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۝﴾

(الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

"اور عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور جاہلیت کی زیبائش کے ساتھ نہ پھیریں۔"

ام علقمہ کہتی ہیں کہ سیدہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن سیدہ عائشہ صدیقہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا باریک دوپٹہ ڈالے ہوئے تھیں۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا تو ان سے دوپٹہ لے لیا اور اسے پھاڑ ڈالا اور اس کے بدلے ایک گاڑھے (موٹے) کپڑے کا دوپٹہ ان کو مرحمت فرمایا۔[2] (یہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجی تھی)۔

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ج ۲ ص ۱۱۴۔

[2] مؤطا امام مالک ۲ / ۹۱۳۔ کتاب اللباس: باب ما یکرہ للنساء لبسہ من الثیاب (ح۶)

ابو داؤد۔ کتاب اللباس: باب فیما تبدی المرآۃ من زینتھا ح ۴۱۰۴

اس روایت سے دلیل پکڑتے ہوئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کا چہرہ اور ہتھلیاں پردہ کی قید سے آزاد ہیں۔ "یعنی وہ اپنے چہرے کو نہ ڈھانپے اور ننگا رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

(لیکن یہ روایت انتہائی ضعیف ہے) امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہذا مرسل خالد بن دریک لم یدرک عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ "یہ مرسل ہے' خالد بن دریکؒ نے عائشہ رحمہا اللہ کو نہیں پایا۔" اسی طرح اس کی سند میں ولید بن مسلم ہے جو تدلیس تسویہ کرتا ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اور اس کے علاوہ سعید بن بشیر بھی اس میں ضعیف راوی ہے۔ امام محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں "یہ منکر الحدیث ہے' قتادہ سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے" اس کے کئی ایک اور بھی طرق ہیں بہرکیف یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی تفصیل کے لیے دیکھیں فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی نیل المقصود تحت رقم (۴۱۰۴)۔ لہٰذا جو لوگ اس روایت کو دلیل بنا کر عورت کے لیے چہرہ اور ہاتھ کا کھلا رکھنا جائز قرار دیتے ہیں' ان کی بات درست نہیں' عورت مکمل طور پر چھپانے اور ڈھکنے کی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "المرأۃ عورۃ" (ترمذی ۱۱۷۳) "عورت چھپانے کی چیز ہے۔" لہٰذا عورت کو مکمل اوڑھنی ڈھانک کر باہر نکلنا چاہئے' کھلے چہرے کے ساتھ پھرنا شرعاً جائز نہیں۔ چہرے ←

ایک دوسرا واقعہ بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما (یعنی ان کی بہن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لائیں' یہ باریک کپڑا ڈالے ہوئے تھیں' ان سے اعراض فرماتے ہوئے ارشاد کیا:

''اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جاتی ہے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا کا دیکھا جانا درست نہیں ہے۔''[1]

مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوا عُرَاةً))[2]

''اپنے اوپر کپڑا لازم کرلو' ننگے مت پھرو۔''

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتیں بتاتی ہیں کہ عورت و مرد دونوں کو ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہیے' جو بدن کو ڈھانپ سکے اور آدمی کا حسن و جمال اس سے رسوا نہ ہو۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکدامنی اور عفت بے داغ رہے گی اور حکماً یا حقیقتاً کوئی دھبہ دامن عصمت پر نہیں پڑ سکے گا۔

عورتوں کے پردے سے متعلق جو کچھ اختصار سے عرض کیا گیا' آپ غور کریں گے تو ان نہیں میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پائیں گے اور اگر آپ کی نظر میں یورپ کا اخلاق باختہ معاشرے اور بے پردہ لڑکیوں کے دن رات کے واقعات آئیں گے تو سمجھنے میں اور بھی سہولت رہے گی۔

❀❀❀

← کے پردے کے متعلق شیخ عبدالقادر حبیب اللہ السندھی رحمہ اللہ نے مفصل طور پر لکھا ہے اور اور منکرین وجوب حجاب کا مکمل رد کیا ہے ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

[1] مسلم۔ کتاب الحیض: باب اعتناء بحفظ العورۃ (ح ۳۴۱)

ابوداؤد۔ کتاب الحمام: باب فی التعری (ح ۴۰۱۶) واللفظ لہ۔

[2] مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ۔

بدکاروں کی زندگی کا دنیا میں ہی عبرتناک انجام

اسلام کی نظر میں عفت وعصمت اور اخلاق واعمال دین ودنیا کی بڑی دولت ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے امن وامان اور سکون واطمینان ناپید ہو جائے اگر عفت وعصمت کے قوانین ناہموار ہوں' اور اخلاق واعمال کی مٹی پلید ہو جائے' اگر بدکاری اور عصمت فروشی پر پابندی عائد نہ ہو۔

دنیا کی تاریخ کا ''باب اخلاق'' پڑھیے اور غور کیجیے کہ انسانوں کے اعمال واخلاق کو سب سے زیادہ کس چیز سے نقصان پہنچا؟ بلکہ ساتھ ہی اس کا بھی تجزیہ کیجیے کہ قوم اور ملک کی بربادی کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ اپنا خیال ہے کہ آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی استوار قانون نہ تھا۔

اتہام باندھنا

اسلام نے اسی وجہ سے اس شعبہ زندگی کے قوانین میں کہیں سے کوئی رعایت نہیں کی ہے' زنا اور زنا کار کے متعلق اسلام کا نقطہ نگاہ شروع کتاب میں پڑھ آئے ہیں' یہاں یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے متعلق کیا احکام دیے ہیں' جو عفت وعصمت کو داغ دار کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کی عزت وآبرو اور عفت واخلاق پر حرف لاتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی پاکدامن عورت یا مرد کو برائی سے متہم کرتا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ الْغَٰفِلَٰتِ الْمُؤْمِنَٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۲۳ تا ۲۵)

"جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو ایسی باتوں سے پاکدامن ہیں' بے خبر ہیں' ایمان والیاں ہیں ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا' جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ دنیا میں رہ کر کیا کرتے تھے' اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا بات کھول دینے والا ہے۔"

اس آیت میں بار بار غور کیا جائے' غیظ وغضب اور وعید وتہدید کس قہر آمیز انداز کا ہے' دنیا میں بھی ایسا شخص ملعون قرار دیا گیا اور آخرت میں بھی۔

اتہام لگانے کی سزا:

اگر کسی پاکدامن کو زنا سے متہم کیا' اور چار عینی شرعی گواہ پیش نہ کر سکا تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ اسے اَسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور آئندہ کے لیے ایسا شخص مردود الشہادہ قرار دے دیا جائے گا' ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ﴾ (النور: ۱۹/۲۴)

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں' تو ایسے لوگوں کو اَسّی (۸۰) درے لگاؤ' اور انکی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیت سے عفت وعصمت کی اسلام میں جو قدر ومنزلت ہے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک جرم کی وجہ سے اس قاذف پر قرآن پاک نے تین دفعات قائم کیں۔ یعنی اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو:

- اس کو اَسّی (۸۰) کوڑے لگواؤ
- اس کی گواہی آئندہ کے لیے غیر معتبر قرار دو' گویا یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے'
- یہ کہ اس پر فسق کا عیب چپک گیا۔

مسلمان کی عزت اسلام کی نظر میں:

کسی پاکباز مسلمان کی آبروریزی کوئی معمولی جرم نہیں ہے جتنی قیمت ایک مسلمان کے

خون کی ہے کم وبیش اسی درجہ میں اس کی عزت اور آبرو کی بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کی اہمیت جتائی ہے ان میں ایک عزت وآبرو بھی ہے' کہ جو درجہ مکہ مکرمہ کے اندر ماہ ذی الحجہ کے یوم عرفہ کو حاصل ہے ایسا ہی درجہ مسلمان کی عزت وآبرو کو بھی حاصل ہے۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَ مَالُهُ وَ دَمُهُ))[2]

''مسلمان کی مسلمان پر عزت وآبرو اور اس کا مال وخون حرام ہے۔''

اور متہم کرنے والے کا یہ فعل اس آیت کے ضمن میں بھی آ جاتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (النور: ۱۹/۲۴)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو' ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔''

اگر فرض کر لیجیے تہمت لگانے والا سچا ہے' مگر جب کہ اس کو معلوم ہے کہ ہم چار گواہ شرعی فراہم نہ کر سکیں گے اور یہ کہ بغیر گواہ شرعی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے' تو ایسی حالت میں بھی اس کو تہمت لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے' کیونکہ ایسی شکل میں جس کو تہمت لگا رہا ہے اس کی بے وجہ رسوائی ہے اور اپنی اذیت اور سزا۔ اس لیے بہتر ہے چشم پوشی کر جائے' ہاں خود بدکار کو سمجھانا چاہیے اور عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیے' اس طرح ثواب بھی مل جائے گا اور ممکن ہے مجرم اپنے جرم سے توبہ کر لے۔ لیکن اگر اس نے چار شرعی گواہ پیش کر دیے اور شرعی طور پر اس کا جرم زنا ثابت ہو گیا تو پھر کوئی طاقت اسے قانون کی زد سے نہیں بچا سکتی اور شرعاً اس پر حد جاری ہو گی' اگر محصن شرعی (شادی شدہ) ہے تو اس کی سزا رجم ہے' ورنہ سو کوڑے۔

اسلام میں سزا کی نوعیت:

اس سزا پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اسلام نے جرائم کی سزا عموماً اس کی

[1] بخاری۔ کتاب الحج: باب الخطبة ایام منی (ح۱۷۳۹)
مسلم۔ کتاب القسامة: باب القسامة (ح۱۶۶۹)

[2] مسلم۔ کتاب البر و الصلة: باب تحریم ظلم المسلم (ح۲۵۶۴)

نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی ہے یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہوتی ہے اسی طرح کی سزا بھی اس کو دی جاتی ہے مثلاً: چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے کہ اس کام میں ہاتھ کو بڑا دخل ہے ڈاکو کی سزا شریعت نے یہ مقرر کی ہے کہ ایک پیر اور ایک ہاتھ کاٹا جائے کھلی بات ہے کہ اس کا جرم چور سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سزا کی دو قسمیں مقرر کی ہیں ایک کا نام ''حد'' ہے دوسری کو ''تعزیر'' کہتے ہیں۔ آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ''حدود'' میں ان جرموں کو رکھا ہے جن کی طرف طبیعت کو رغبت ہوتی ہے اور ان کی سزا کے اندر بھی رغبت اور طبعی رجحان کی مناسبت سے شدت بڑھ گئی ہے۔ حدود میں چوری ڈکیتی مے خواری زنا وغیرہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان جلد ہوتا ہے اور اس میں انسانی طبیعت کے لیے بڑی کشش اور ظاہری طور پر بڑی لطف اندوزی ہے۔ اس لیے اسلام نے اسے ''حدود'' میں شمار کیا اور اس جرم کی سزا میں بڑی شدت اور سخت گیری سے کام لیا نرمی کا کوئی نام ونشان نہیں اور طرز سزا بڑا ہی عبرت انگیز اور دردناک ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

زنا کی سزا اور جرم کی نوعیت:

اوپر جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے مطابق زنا کار مرد وعورت کی سزا یہ ہونی چاہیے تھی کہ ان کی شرمگاہیں کاٹ دی جاتیں اور زنا کار کے اس حصہ کو خصوصیت سے اذیت پہنچائی جاتی جس سے یہ فعل صادر ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں وطی ہوتی ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وطی اور جماع میں لذت صرف خاص اعضاء ہی کو نہیں ملتی بلکہ اس وقت جسم کے کونے کونے میں اس لذت کی بجلی دوڑ جاتی ہے اور وقت خاص میں آدمی کا بال بال لذت اور لطف محسوس کرتا ہے اس لیے اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی جائے جس کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی تمام جسم کو اذیت پہنچے۔

عضو خاص کے کاٹ دیے جانے کی صورت میں سزا کا جو منشاء ہے وہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ سزا سے تکلیف کے ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مجرم کی رسوائی اور زجر وتوبیخ ہو ہر شخص دیکھے کہ یہ سزا فلاں جرم کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس حصہ کا مقام پردہ میں ہے جس پر کسی طرح نگاہ پڑ سکتی ہی نہیں مثلاً: چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس پر ہر شخص کی نگاہ پڑتی ہے مگر شرمگاہ پر کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہوتی کہ سزا جرم سے بڑھ جاتی' کیونکہ ''عضو خاص'' کے کاٹ دیے جانے سے قطع نسل لازم آتی' پھر یہ کہ قطع عضو کی صورت میں ہلاکت کا تیقن نہیں تو ظن غالب بہر حال ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہی وجوہ سے زنا کی سزا اسلام نے قطع ''عضو خاص'' مقرر نہیں کی۔

پھر تھوڑے تامل سے یہ بات بھی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جس طرح چور اور ڈاکو کی سزا میں تفاوت ہے' اسی طرح اس شخص کی سزا میں بھی تفاوت ہونا چاہئے جو ''محصن شرعی'' (شادی شدہ) ہے اور جو ''محصن شرعی'' نہیں ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے اور دونوں کی سزا میں نمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے۔

زناکار کو سزا کی تاکید:

اتنی بات جب آپ معلوم کر چکے تو آیئے بتائیں کہ اسلام نے زنا کی سزا کیا مقرر کر رکھی ہے' ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۝﴾ (النور ۲۴: ۲)

''زنا عورت کرے' یا مرد کرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو[1] اگر تم اللہ

---

[1] شروع اسلام میں عفت و عصمت کے قاتلوں یعنی زانیوں پر کوئی باقاعدہ حد مقرر نہ تھی۔ بلکہ زانی اور زانیہ کو قید رکھنے یا ان کی پٹائی کرنے کا حکم تھا۔ یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے' یا اللہ ان کے بارے میں کوئی دوسرا راستہ نکال دے (یعنی شرعی حد مقرر کر دے)۔ (دیکھئے النساء: ۴/ ۱۶' ۱۷)

اس آیت میں اسی شرعی حد کا اعلان کیا گیا ہے۔ احادیث میں کوڑوں کی سزا کے علاوہ زانی کو ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ کی روایت ہے۔ (بخاری ح ۶۸۲۷ مسلم ۱۶۹۷) اور اکثر علماء اس کے قائل ہیں۔ شادی شدہ زانی و زانیہ کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ اور پھر خلفاء کے دور میں سنگساری ہوتی رہی' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں خطبہ دیتے ہوئے بڑے شد و مد کے ساتھ اس کا اعلان کیا۔ (بخاری ۶۸۲۷) اور یہ بھی ثابت ہے کہ رجم کی آیت قرآن میں موجود تھی' مگر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم برابر باقی رہا۔ پھر صحابہؓ اور تابعینؒ کے درمیان بھی یہ مسئلہ متفق علیہ رہا۔ اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ ایک زمانہ میں صرف خوارج نے اس کا انکار کیا تھا کہ جب یہ سزا حدیث صحیح سے ثابت ہے جو اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے تو اس سے انکار محض ضلالت و گمراہی ہے۔ بعض آئمہ نے شادی شدہ زانی کو ایک ساتھ دو سزاؤں کوڑوں اور رجم کا بھی فتویٰ دیا ہے۔ اور رجم کے ←

پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو پھر (ان پر) اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اس کے دین کے معاملہ میں ان دونوں (کو سزا دیتے ہوئے تمہیں) ان پر ذرا رحم (ترس) نہ آنا چاہیے۔''[1]

اللہ اکبر! لب ولہجہ پر غور کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے' مجرم کی سزا جو ہے وہ ظاہر ہے' مگر حاکم کو بھی تنبیہ اور تہدید ہے' اور اس کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ترحم اور ترس کھانا یہاں بھول جاؤ۔

اس شخص پر کیسے ترس کھایا جائے' جس کے سامنے اسلام نے عفت و عصمت کی اہمیت کھول کر رکھی' ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات اس پر ظاہر کیے اور جائز طریقے سے جنسی میلان کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی اور پھر با ایں ہمہ اس نے حدود اللہ کو توڑا۔

اس موقع پر عدم رأفت کی تاکید غالباً اس وجہ سے بھی ہے' کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آ جاتا ہے' کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے' جس سے کبھی وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا' دونوں کی رضاء مندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کی بھی مدافعت مقصود ہے۔

← بارے میں آئمہ کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

لیکن آجکل کے بعض غزوہ فکری کے شہسوار اور ماڈرن علماء خوارج کے انداز میں پھر رجم کے منکر ہو رہے ہیں۔ وہ کچھ دیر کے لیے رک کر غور کریں کہ وہ ایسا کر کے دین کی خدمت کر رہے ہیں یا کہ عفت و عصمت کے قاتلوں کو ڈھیل دے کر اور نمبرا شادی شدہ زانی و زانیہ کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت اور صلیبی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلام کی خدمت کی بجائے ایسے مجرمانِ عفت و عصمت کو کھلا اور بے فکر چھوڑ کر تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ (یا للعجب)

[1] کیونکہ بدکاروں پر رحم کرنا سارے اسلامی معاشرے کے ساتھ بے رحمی اور ظلم ہے' اور حدود الٰہی میں نرمی سے پہلی امتوں پر تباہی آئی ہے۔ قانون کا نفاذ اور احترام باقی نہ رہے تو قوم اندرونی انتشار اور جرائم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے نفاذ سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک حد کا قائم کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے''۔ (ابن کثیر) یاد رہے کہ سلام یہ سارے التزامات صرف اور صرف عفت و عصمت کی پامالی کو روکنے کے لیے کر رہا ہے۔ عورت کے حقوق اور عفت کی حفاظت کے لیے دنیا بھر کے ضابطے و قوانین کبھی بھی الٰہی قوانین کا نہ تو مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی نعم البدل ہو سکتے ہیں۔

زنا کار کی سزا کی تشہیر:

بے رحمی سے سو کوڑے مارے جانے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ جب زنا کار نے اپنی عفت کو داغ لگایا' اور اس کی شرم اور حیاء کو زمین و آسمان نے جذب کر لیا تو پھر اس کی سزا پردہ میں کیوں ہو' بلکہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو کہ سزا کی خوب تشہیر ہو' تاکہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی یہ عبرت و بصیرت بن سکے۔

﴿ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (النور: ۲۹/ ۲)

''اور دونوں (زنا کے مرتکبین) کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔''

شاید لوگوں کی موجودگی سے یہ بھی مقصود ہو' کہ عوام کو اس کا علم ہو جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے' جو ممکن ہے کسی نازک موقع پر اس کو معاف نہ کریں اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں' اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ قرآن پاک کی یہ آیت:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ز وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۝﴾ (النور: ۲۴/ ۳)

''زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا' بجز زانی یا مشرک کے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا کار ہوتا ہے اس کی اوّل نظر زنا ہی پر جاتی ہے اور اس فعل کی وجہ سے' بطور عذاب' زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رچ بس جاتا ہے' اس لیے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

بے حیاء عورت پر پابندی:

بے حیاء عورت کے متعلق قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے' کہ جب اس کی بے حیائی ظاہر ہو چکی تو اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور خیال رکھا جائے کہ وہ گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ پائے' کیونکہ اس کا نکلنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے' یا عورت خود پھر بے حیائی کے کام کا موقع ڈھونڈ نکالے گی' یا برے مرد اس کو خواہ مخواہ چھیڑیں گے' گو وہ نہ بھی چاہے' کیونکہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ جس نے ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا' اس سے دوبارہ اس جرم کا ارتکاب لوگ بعید نہیں سمجھتے' ہاں اگر شادی نہیں ہوئی ہے تو شادی کے ذریعہ اصلاح کی امید کی جا سکتی ہے۔ جس

آیت سے پابندی عائد کرنے کا حکم سمجھ میں آتا ہے' یہ ہے:

﴿ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝﴾ (النساء: ۴/ ۱۵)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں' تو تم لوگ ان پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ کر لو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے' یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی اور راہ تجویز کر دیں۔''

گو علماء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے' کہ زانیہ عورت کی شروع میں یہی سزا تھی' اب باقی نہ رہی اور اس طرح یہ آیت منسوخ ہے۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو' بلکہ زنا کی سزا تو وہی ہو جو اوپر کی آیت میں کوڑے بیان کی گئی اور اس آیت کا منشاء یہ ہو کہ اجراء حد کے بعد عورت پر پابندی لگا دی جائے' کہ گھر سے نہ نکلنے پائے' تاکہ اس کی عصمت کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

چنانچہ صاحب کشاف کے قول سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے' وہ لکھتے ہیں:

((وَیَجُوْزُ اَنْ تَكُوْنَ غَیْرَ مَنْسُوْخَةٍ بِاَنْ یُّتْرَكَ ذِكْرُ الْحَدِّ لِكَوْنِهٖ مَعْلُوْمٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَ یُوْصٰی بِاِمْسَاكِهِنَّ فِی الْبُیُوْتِ بَعْدَ اَنْ یَحُدُّوْ اصِیَانَةً لَهُنَّ عَنْ مِثْلِ مَاجَرٰی عَلَیْهِنَّ بِسَبَبِ الْخُرُوْجِ مِنَ الْبُیُوْتِ وَ التَّعَرُّضِ لِلرِّجَالِ)) [1]

''یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو اور ''زنا'' کا ذکر یہاں اس لیے چھوڑ دیا گیا ہو کہ یہ کتاب وسنت سے معلوم ہے اور یہاں اس کی تاکید کی جا رہی ہو کہ زنا کار عورتوں پر حد کے اجراء کے بعد گھروں کے اندر رہنے کی پابندی لگا دی جائے' کہ وہ اب پھر ایسی سزا سے محفوظ رہیں جو گھر سے نکلنے اور' مردوں کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے۔''

بہر حال اتنی بات ضرور ہونی چاہئے' کہ زنا کار مرد اور عورت کے ساتھ سلوک اس طرح ہو کہ وہ محسوس کرے کہ جو کچھ میں نے کیا' برا کیا' اتنا برا کہ سماج اور سوسائٹی بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے کیے پر پچھتائے' کسی لفظ سے اس کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو پیدا نہ ہونے پائے' تاکہ دوسرے پر بھی یہ معاملہ اثر انداز ہو۔

---

[1] کشاف ۱/ ۲۵۶

عہد نبوی میں ''حد زنا'' کی عملی مثال موجود ہے' کتب حدیث میں واقعات پڑھے جا سکتے ہیں۔ اوپر جو سزا بیان کی گئی وہ اس شخص کی ہے جو آزاد' عاقل' بالغ اور غیر محصن ہو یعنی غیر شادی شدہ ہو' اور ایسے شخص نے بخوشی زنا[1] کا ارتکاب کیا ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہے جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائیں گے' صرف چہرہ اور ان اعضاء کو جن پر ضرب لگنے سے انسان مر جاتا ہے' محفوظ رکھیں گے۔

اسلام کا قانون رجم

اور یہ شخص مکلّف اگر آزاد ہونے کے ساتھ محصن بھی ہو یعنی نکاح صحیح کر کے اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو' تو اس کی حد ''رجم'' ہے' یعنی ایسے زنا کار مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور اس کی چار بار اپنے اوپر شہادت دی' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمایا' جو محصن تھا۔[2]

اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا ابو ہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے' کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو پکار کر کہا: ''یارسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا۔'' یہ سن کر پہلے آپ نے منہ پھیر لیا' لیکن اس نے اپنی یہ بات چار مرتبہ کہی۔ اس کی خود پر چار گواہیوں کے بعد آپ نے اسے بلایا اور پوچھا: ''تو پاگل ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے پوچھا ''هَلْ أَحْصَنْتَ'' (کیا تو شادی شدہ ہے؟) اس نے کہا ''نعم'' (ہاں) اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو لیجاؤ اور رجم کرو۔''[3]

سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ کتب حدیث میں بہت مشہور ہے' کہ انہوں نے خود آ کر خدمت نبوی میں جرم کا اعتراف کیا۔ آپؐ نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی' مگر انہوں نے چار بار اس کا اقرار کیا' اس طرح جب یقین ہو گیا تو آپؐ نے ان کے ''رجم'' کا حکم جاری فرمایا اور وہ سنگسار

[1] زنا کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ ''عاقل و بالغ کے ذکر کا حشفہ ایسی عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے جو نہ اس کی منکوحہ ہو' نہ شرعی لونڈی' اور یہ وطی شبہ اور دباؤ کی وجہ سے نہ ہوئی ہو۔

[2] بخاري- كتاب الحدود: باب رجم المحصن (ح٦٨١٤)

مسلم- كتاب الحدود: باب من اعترف على نفسه بالزنى (ح١٦/ ١٦٩١)

[3] بخاري- كتاب الحدود: باب لا يرجم المجنون والمجنونة (ح٦٨١٥)' مسلم' حواله سابق۔

کیے گئے۔[1]

رجم کی حقانیت:

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے۔ جب کہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس طرح کی مثالیں موجود ہیں اور خود ارشادِ نبوی میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اپنے زمانہ میں اس خدشہ کا اظہار فرما کر اس کی تاکید فرمائی تھی۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ يَطُولَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُولَ قَائِلٌ لَانَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ' اَلَا وَ اِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى وَ قَدْ اُحْصِنَ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَمْلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ))[2]

''مجھے خوف ہے کہ ایک عرصہ دراز کے بعد کہنے والے یہ کہنے پر نہ اتر آئیں' کہ ہم کتاب اللہ میں ''رجم'' کا حکم نہیں پاتے ہیں' اگر ایسی بات ہوئی تو وہ اس ایک فریضہ کی ترک کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ سن رکھو! شادی شدہ زانی پر رجم حق ہے' جب ثبوت شرعی یا دلیل' یا اعتراف پایا جائے۔''

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور بعد کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے وہی کہا جس کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیش گوئی کی' مگر الحمدللہ ان لوگوں کی یہ بات انہی تک محدود رہی اور امت اس انکار کے گناہ سے محفوظ رہ گئی' جمہور امت کے یہاں رجم کا حکم بالکل بجا ہے اور امت میں یہی حکم رائج ہے۔

عقل سے بھی رجم کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ محصن اور غیر محصن کی سزا میں ضرور فرق ہونا چاہیے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر محصن کے راہ راست پر آ جانے کی امید ہے' کہ شادی سے جنسی میلان کا راستہ کھل جائے گا اور اس میں بری عادت باقی نہ رہے گی۔ مگر شادی شدہ سے جب یہ جرم سرزد ہوتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس کا وجود مرض متعدی کی حیثیت

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود: باب هل يقول الامام للمقر الخ (ح۶۸۲۴)

[2] بخاری۔ کتاب الحدود: باب الاعتراف بالزنا (ح۶۸۲۷)

اختیار نہ کرلے' اس لیے اچھا ہے کہ اس کے وجود سے سوسائٹی پاک ہو جائے۔

رجم کا طریقہ:

بہر حال محصن مرد اور عورت سے اگر زنا پایا جائے اور ثابت ہو جائے تو ان کو سنگسار کیا جائے گا' اس کی صورت یہ ہو گی کہ ایک کھلی ہوئی جگہ مجرم کو لے جایا جائے' جہاں قاضی اور گواہ موجود ہوں' اگر اعتراف جرم سے یہ فیصلہ ہوا ہے تو حاکم بسم اللہ کرے گا۔ اور گواہی سے مجرم ثابت ہوا ہے تو گواہ ابتدا کریں گے۔ یعنی پہلے یہ پتھر اٹھا کر اس پر ماریں گے۔ پھر عام پبلک۔ اور اس طرح پتھر مارتے مارتے اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ عورت کو رجم کرنا ہو گا تو اس کے لیے گڑھا کھودا جائے گا اور اس کا نصف بدن اس میں گاڑ دیا جائے گا' تاکہ بے پردگی کا خوف نہ رہے۔

غلام اور لونڈی کے احکام میں نے قصداً چھوڑ دیئے ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ ان کے لیے رجم نہیں ہے اور کوڑوں میں آزاد سے آدھے ان کو لگائے جائیں گے' یعنی حد قذف میں چالیس کوڑے اور حد زنا میں پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔

زبردستی زنا اور اس کا حکم:

اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا گیا ہے تو اس عورت پر حد نہیں ہے۔ بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے ''اس عورت پر حد نہیں ہے جس سے زبردستی زنا کیا گیا ہو'' اور اس باب کے تحت پہلے یہ آیت نقل کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

(النور: ۲۴/ ۳۳)

''اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔''

پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک غلام نے ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا' یہ مقدمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں پیش ہوا' تو آپ نے ثبوت کے بعد غلام پر حد جاری کی' مگر لونڈی کو بری کر دیا' کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی۔[1]

عہد نبوی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نماز کے لیے نکلیں' راستہ میں ایک مرد سے

[1] بخاری۔ کتاب الاکراہ: باب اذا استکرهت المرآة علی الزنا فلاحد علیها (ح ۶۹۴۹)

ان کی ملاقات ہوگئی' مرد نے اس خاتون کو پکڑ لیا اور زبردستی ان کے ساتھ زنا کیا' یہ خاتون چیخی چلائی تو لوگ دوڑے اور زانی کو گرفتار کیا۔ پھر یہ زانی دربار نبوی میں پیش ہوا' چنانچہ اس شخص نے جرم کا اقرار کرلیا' عورت سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذْهَبِیْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ))

''تو جا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا۔''

اور زانی کے لیے رجم کا فیصلہ فرمایا۔[1]

پاگل کا حکم:

پاگل کا حکم بھی یہی ہے' یعنی اس پر بھی حد نہیں ہے:

((اِنَّ الْقَلَمَ مَرْفُوْعٌ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَعْقِلَ))[2]

''تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ ① پاگل سے جب تک جنون کے مرض سے اچھا نہ ہو جائے۔ ② سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو' ③ اور بچہ سے جب تک وہ عاقل نہ ہو۔''

اگر کسی مرد نے کسی کے دباؤ کی وجہ سے زنا کیا ہو' اس کے متعلق اختلاف ہے' امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس پر حد ہے' مگر یہ کہ دباؤ ڈالنے والا خود سلطان ہو تو حد نہیں ہے' اور صاحبین اور امام شافعی کا قول ہے کسی کے بھی زبردستی کرنے سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو بہرحال اس پر حد نہیں ہے۔[3]

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے عرض کرنا ہے کہ اسلام کے ان قوانین سے عصمت وعفت کی جو اہمیت سمجھ میں آتی ہے اس پر بار بار غور کیا جائے' اور انصاف کیا جائے' اگر اسلام کا یہی قانون پوری دنیا میں نافذ کر دیا جائے تو کیا یقین نہیں ہے کہ دنیا سے بدکاری (جو وبا کی طرح پھیل پڑی ہے) ختم ہو جائے گی؟ دنیا چاہتی ہے کہ اخلاق و اعمال کی بلندی اور عفت و عصمت کا تحفظ عمل میں آئے تو اسے اسلام کے ان قوانین (کے عملی نفاذ پر) غور کرنا چاہیے۔

---

[1] ابوداؤد۔ كتاب الحدود: باب فى صاحب الحد يجيء فيقر (ح۴۳۷۹)
ترمذی۔ كتاب الحدود: باب ماجاء فى المرأة اذا استكرهت على الزنا (ح۱۴۵۴)

[2] ابوداؤد۔ كتاب الحدود: باب فى المجنون يسرق او يصيب حدا (ح۴۳۹۹)

[3] احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۱۹

قوم لوط کے عمل سے کیسے بچیں؟

شروع کتاب میں لکھ آیا ہوں کہ لواطت حرام ہے خواہ اپنی بیوی کے ساتھ ہو یا کسی دوسری عورت یا مرد کے ساتھ۔ یہ ایسی برائی ہے جس پر تقریباً تمام سلیم الطبع اہل علم کا اتفاق ہے' غالباً کچھ لوگ شیعی علماء میں ایسے ہیں' جو اپنی بیوی سے لواطت کو جائز کہتے ہیں اور وہ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾

(البقرہ :۲/ ۲۲۳)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرف سے چاہو۔''

وطی فی الدبر:

مگر تعجب ہے کہ وہ اس آیت کو اپنی دلیل میں کیسے پیش کرتے ہیں' حالانکہ یہ آیت تو ان کی تردید کرتی ہے' کیونکہ ''حرث'' (کھیتی) کا لفظ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ موضع کاشت عورت کے آگے کا مقام ہے نہ کہ پیچھے کا۔ کیا کوئی مثال ہے کہ پیچھے کے حصہ (دبر) سے کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو' یا کوئی ڈاکٹر اپنے فن کے اعتبار سے اس کی کاشت کو ثابت کرسکتا ہے' جب یقینی طور پر ایسی بات نہیں تو پھر کوئی ذی عقل اور سمجھ دار اس آیت سے کیونکر ثابت کرسکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا جائے تو مقاصد نکاح کا کیا حشر ہوگا؟ [1] فرض کر لیجیے کوئی بدطینت مرد عورت کے پچھلے حصہ (دبر) سے اپنی جنسی خواہشپوری کر بھی لے مگر سوال یہ ہے کہ عورت کیا کرے گی؟ قرآن میں اس کی تفسیر خود موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

[1] لواطت کرنے والوں کی فطرت پلٹ کر اس مقام سے ہٹ جاتی ہے جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مردوں کی طبیعت اس بشری تقاضے سے دور ہو جاتی ہے' جس کو اللہ نے مردوں میں رکھا ہے اور وہ عورتوں کی طرف شہوانی میلان ہے' نہ کہ مردوں کی طرف۔ ←

﴿ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۝ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۲۲)

''سو تم ان کے پاس آؤ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔''

کتب حدیث میں بیسیوں حدیثیں صراحتاً بتاتی ہیں کہ عورت کے ساتھ بھی وطی فی الدبر حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتَى النِّسَاءَ فِي اَعْجَازِهِنَّ فَقَدْ كَفَرَ))[1]

''جس نے عورتوں سے وطی فی الدبر کی اس نے کفر کیا۔''

نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ اَتَى حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِي دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ

← ② کتنی بری بات ہے کہ ان لوگوں کے لذت و مزے اور شہوت' نجاسات' میل کچیل اور پاخانے میں ہیں اور اپنا مادہ گندی جگہ ٹپکاتے ہیں۔

③ یہ لوگ شرم وحیاء اور طبیعت کے لحاظ حیوانات سے بھی سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔

④ یہ لوگ دائمی طور پر فکر مند رہتے ہیں اور ان کا دھیان اور سوچ ہر وقت اسی کام میں کھوئی رہتی ہے کیونکہ آدمی اور لڑکے ہر وقت سامنے آتے رہتے ہیں' تو ظاہر ہے کہ پھر صورتیں تصور میں رہتی ہیں۔

⑤ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو گے تو محسوس ہوگا کہ اس کے چہرے سے حیا کافور ہو چکی ہے۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے نہ بندوں سے۔ ایسے شخص میں کیا خیر ہو سکتی ہے؟۔

⑥ مردانہ قوت کا خاتمہ ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

⑦ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی اور غصے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی فاسق وفاجر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک وہ برے اور بدکردار لوگ تھے۔'' (الانبیاء)

⑧ مسرفین ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔'' (الاعراف)

⑨ مفسدین ہیں: ''لوط علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری نصرت فرما''۔

⑩ ظالمین ہیں: ''ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں' کہ یہاں کے رہنے والے ظالمین ہیں۔''

ایسے آدمیوں کے بارے میں غور کیجیے جن کی اللہ تبارک وتعالیٰ اس حد تک مذمت فرما رہے ہیں۔ وہ کس قابل ہیں؟ وہ ایسے گناہوں کے مرتکب ہیں جو طبیعتوں' عقل واذہان اور فطرت کے لیے غیر مانوس ہیں۔ یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کا قول ہے' کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تقدس قرآن مجید میں آلِ لوط کا ذکر نہ بھی فرماتے تو پھر بھی میرا گمان تھا کہ اس فعل کو کوئی نہ کرتا۔ لاتقربوا الفواحش۔ (بدکاریوں کی تباہ کاریاں: ۵۸)

[1] مجمع الزوائد (۴/ ۲۹۹) بحوالہ طبرانی فی الاوسط (۹۱۷۵)

عَلٰی مُحَمَّدٍ))[1]

''جو شخص حائضہ سے' یا عورت کی دبر سے جنسی میلان پورا کرے' یا کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد ﷺ سے انکار کیا۔''

اس فرمانِ نبوی کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت کے ساتھ لواطت کسی حال میں جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے' ائمہ اربعہ بھی لواطت کو (عورت کے ساتھ بھی) حرام ہی کہتے ہیں۔

اور جس حدیث میں یہ ہے کہ عورت کے پیچھے سے آ سکتے ہیں اس کا مطلب خود صحابہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پیچھے کی طرف سے اگلے حصہ سے استمتاع کرے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں:

((وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ الَّذِيْنَ يُعْتَدُّ بِهِمْ عَلٰى تَحْرِيْمِ وَطْيِ الْمَرْأَةِ فِيْ دُبُرِهَا حَائِضًا كَانَتْ أَوْ طَاهِرًا لِأَحَادِيْثَ كَثِيْرَةٍ مَشْهُوْرَةٍ))[2]

''بہت سی مشہور احادیث کے پیش نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا خواہ حائضہ ہو' خواہ پاک' حرام ہے۔''

بہرحال یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے عقلی طور پر بھی اور نقلی لحاظ سے بھی۔

استلذاذ بالمثل:

مرد کا مرد سے اپنے جنسی میلان کا پورا کرنا یہ اپنے پیچھے ایک افسوس ناک تاریخ رکھتا ہے۔ قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ اس فعل بد کی ابتداء قوم لوط نے کی' اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا' قوم لوط کے اس فعل بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۷/ ۸۰'۸۱)

''اور ہم نے لوط کو بھیجا' جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: تم ایسا فحش کام کرتے ہو'

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الطب: باب فی الکھان (ح ۳۹۰۴)
ترمذی۔ کتاب الطھارۃ: باب ما جاء فی کراھیۃ اتیان الحائض (ح ۱۳۵)
ابن ماجہ۔ کتاب الطھارۃ: باب النھی عن اتیان الحائض (ح ۶۳۹)

[2] شرح مسلم ۱/ ۴۶۳

جس کو تم سے پہلے دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا' کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو' بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔''

اس معنی کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ''استلذاذ بالمثل'' مردوں میں قوم لوط سے شروع ہوا اور یہی قوم اس کی موجد ہے' لوط علیہ السلام کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کا اس طرح آغاز کیا کہ ان کی قوم سے پہلے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط کی خباثت اس سلسلہ میں بہت بڑھی ہوئی تھی' اس برائی پر ان کو ذرہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی' بلکہ قوم علی الاعلان اس برائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطنت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت لڑکے کو دیکھا لوگ ٹوٹ پڑے' مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پروا نہ تھی بلکہ زبردستی کرتے تھے۔

قوم لوط اور اس کا انجام:

سورۂ ہود' ساتویں رکوع میں اللہ رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے' جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسانوں کی صورت میں مہمان بن کر لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچتے ہیں اور قومِ لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہوگئی ہے' یعنی چاہا کہ ان سے اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے' قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی تسکین چاہو' اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو' پھر دکھ کے ساتھ فرما رہے ہیں اور اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے مہمان ہیں تم نے کوئی گندگی حرکت کی تو میری رسوائی ہوگی۔ مگر ملعون قوم ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور قوم لوط بری طرح سے تہ و بالا ہوئی' زمین کو الٹ کر اس قوم پر دے مارا گیا اور پھر پتھروں کی بارش بھی ہوئی۔ اس عذاب کا نقشہ قرآن میں کھینچتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۝﴾

(ھود: ۱۱/ ۸۲' ۸۳)

''سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اس سرزمین پر

کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔"

قوم لوط کے بعد:

قوم لوط کے بعد بھی اس فعل کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ لواطت کا وجود قبل مسیح بھی تھا۔ یونان اور رومہ کے متعلق بیان ہے' کہ یہاں یہ ذوق انتہائی عروج پر تھا۔ اس "تلذذ بالمثل" یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط' ارسطو' سکندر اعظم اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے۔

فرانس کے متعلق لکھا ہے' کہ تیرھویں صدی عیسوی میں امرد پرستی اور تلذذ بالمثل کا بڑا زور تھا' اور حکومت کو اس سلسلہ میں ۱۲۱۲ء میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس فعل کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح چودھویں اور اٹھارہویں صدی کے متعلق بھی بیان ہے کہ فرانس میں اس جرم کی بڑی کثرت تھی' جرمنی کا بھی یہی حال تھا۔[1]

[1] بلکہ اب تو یورپی معاشرہ اس قبیح فعل میں بہت آگے تک جا چکا ہے اور ذلت کی گہری کھائی میں غرق ہو چکا ہے' کہ ان کے افعال بد کا تذکرہ کرتے ہوئے خوف اور حیاء سے قلم رک رک جاتا ہے۔ سوّر کا گوشت کھا کھا کر یہ معاشرہ سوّر کی صفات کا عملی حامل بن چکا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ سوّر ایک ایسا جانور ہے کہ غلاظت کا فضلہ جس کا من بھاتا ہے کھا جاتا ہے۔ پس جو لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں ان میں یہ اثرات آ گئے ہیں چنانچہ Caprio نے اپنی کتاب "Variations in sexual behaviour" میں مختلف جنسی افعال کا ذکر کیا ہے' جو مغربی دنیا میں عام ہیں ان میں سے ایک Anilingus ہے۔ جس کے معنی میں لکھتا ہے کہ یہ ایسی عادت ہے کہ جس میں کوئی شخص دوسرے انسان کے خاص پاخانہ نکلنے کے مقام کو زبان سے چاٹ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ سوّر کا گوشت کھانے والوں میں ایسے انسان نما کتوں کا پیدا ہونا کوئی زیادہ تعجب کی بات بھی نہیں۔ یورپ میں لواطت کا عام رواج بھی خنزیر ہی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ اب تو وہاں مردوں کی مردوں سے شادیاں بھی ہونے لگی ہیں۔ ایک ایسے کیس کے متعلق مصنف مذکور لکھتے ہیں کہ:

Paradaxically some homosexuals claim that the idea of having sex relaticns with a women is revolting. the mere mention of curtnilingus disgusts there. yet they have no reluctance to performing fellatio to complation or performing amilingus on men.

"الٹی بات یہ ہے کہ کچھ ہم جنسی میں مبتلا مرد کہتے ہیں' کہ ان کے لیے عورت سے ہم بستری کا خیال بھی ←

قابل نفرت ہے۔ اور عورت کی شرمگاہ کے بوسے کا خیال بھی ان میں نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ لوگ مردوں کی شرمگاہوں پر کام دہن کا استعمال کر کے ان کو منزل کرنے' یا ان کی مقعد کو چاٹنے' جیسی حرکات کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے' مندرجہ بالا حقائق پر نظر ڈالنے کے بعد اپنے ملک کے ان نیم تعلیم یافتہ لوگوں (نیم تعلیم یافتہ اس لیے کہ ان کی اکثریت صرف فیشن کے طور پر یا روپیہ کمانے کی غرض سے تعلیم حاصل کرتی ہے ورنہ ان کو نہ علم کا ذوق ہوتا ہے اور نہ کتابوں کا) ان کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ جن کی ایک قسم تو مغربی افکار کو وحی الٰہی سے بھی بلند درجہ دے کر ان کے پیچھے اندھا دھند اور دیوانہ وار چلی جارہی ہے۔ اور رفتہ رفتہ ذہنی غلامی کی انتہاء تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح کی ایک صاحبہ چند ماہ انگلینڈ میں گزار آئی تھیں۔ انگریزوں کے دفاع میں ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ لوگ سور کا گوشت کھاتے ہیں' لیکن وہ سوروں کو غلاظت نہیں کھانے دیتے۔

امریکہ کے ایک اہل قلم ہنری ملر اور ولیم بردہ جو باقاعدہ اپنی تحریروں کے ذریعے اغلام بازی کی ترغیب دیتے ہیں' ان کی ایک فلم میں یہ گیت بھی ہے:

شراب موجود ہے
ناچ بہت عمدہ ہے
لیکن اس لذیذ عمل
میں کیا دیر ہے
جو دو آدمی کیا کرتے ہیں
یہ عمل شیریں ترین
کامل ترین
اور لذیذ ترین ہے

(مسائل نواز جیلانی برق ص ۱۳۶)

میرے ایک عزیز دوست پروفیسر نجیب اللہ چند سال پہلے اعلیٰ تعلیم کے لیے شکاگو (امریکہ) گئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں ان کی موجودگی کے دوران شکاگو کا میئر گرفتار ہوا۔ وہ نوعمر لڑکوں کو ورغلا کر اپنے گھر لے جاتا اور بدفعلی کے بعد انہیں قتل کر کے لاش تہہ خانے میں پھینک دیا کرتا تھا۔ چنانچہ گرفتاری کے بعد اس کے تہہ خانے سے ۳۲ بچوں کی گلی سڑی لاشیں برآمد ہوئیں۔ لیکن اس کے باوجود میئر کے وکیل نے بڑے دھڑلے سے کہا کہ میرا موکل رہا ہو جائے گا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکہ میں بڑے سے بڑا مجرم بھی جلد رہا ہو کر باہر آجاتا ہے۔ (یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر ص ۴۰۱)

اب ہم آپ کے سامنے مولانا تقی عثمانی کی زبانی اور یورپی اخبار کی دلیل سے ایک ایسا واقعہ رکھتے ہیں کہ جس کو پڑھ کر آپ حیران وششدر رہ جائیں گے۔ اس واقعہ میں ایک سفاک' درندہ صفت اور جنگلی انسان ۱۱

عدد بچوں اور بچیوں کو اپنے ساتھ لے گیا' اور پھر تنہائی میں ان کو زہریلی نشہ آور گولیاں کھلائیں اور ان کی عزت لوٹنے کے بعد ان کو قتل کر دیا۔ گرفتاری کے بعد ان کی لاشیں برآمد کروانے کے عوض' اس نے حکومت کے محکمہ پولیس سے ۱۰ لاکھ ڈالر وصول کیئے۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں:

یہ اخبار ٹورنٹو (کینڈا) سے شائع ہونے والا ''(نیشنل انکوائر)'' ہے جس کا یہ دعویٰ اس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے کہ وہ امریکی براعظم کا سب سے کثیر الاشاعت ہفت روزہ ہے۔ اس کی ۱۷/ اکتوبر ۸۹ء کی اشاعت میں صفحہ ۵۰ پر ایک خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کینڈا کے ایک علاقہ ''برٹش کولمبیا'' کے ایک وحشت ناک مجرم کلفر ڈاولسن کو قتل' زنا بالجبر' اور غیر فطری عمل کے الزامات میں گرفتار کیا گیا۔ یہ شخص نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو روزگار دلانے کے بہانے اپنے ساتھ لے جاتا' ان کو نشہ آور گولیاں دیتا' پھر ان کے ساتھ زبردستی جنسی عمل کرتا۔ اور بالآخر انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں دور دراز کے مقامات پر دفن کر دیتا تھا۔ جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس نے گیارہ نوعمر بچوں اور بچیوں کے بارے میں اعتراف کیا' کہ اس نے ان سب کو ورغلا کر ان کے ساتھ زنا یا لواطت بالجبر کا ارتکاب کیا اور ان سب کو قتل کر کے انہیں مختلف علاقوں میں چھپا دیا تھا۔ اور قتل بھی اس بربریت کے ساتھ کیا کہ جب ایک بچے کی لاش برآمد ہوئی تو اس کے سر میں لوہے کی ایک میخ اس درندے نے ٹھونکی ہوئی تھی۔

لیکن دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جب پولیس نے اس درندہ صفت مجرم سے یہ مطالبہ کیا کہ جن گیارہ بچوں کو اس نے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا ہے ان کی لاشوں کی نشاندہی کرے' تو اس نے کہا کہ میں نے ان گیارہ کے گیارہ بچوں کی لاشیں خود اپنے ہاتھوں سے مختلف جگہوں پر چھپائی ہیں اور مجھے وہ جگہیں معلوم ہیں' لیکن اگر آپ مجھ سے ان جگہوں کی نشاندہی کرانا چاہتے ہیں تو مجھے فی لاش دس ہزار ڈالر معاوضہ ادا کریں۔

چوری اور سینہ زوری کی ایسی تاریخی مثال کب کسی کے تصور میں آئی ہوگی؟ لیکن نظام قانون کی بے بسی کا اندازہ کیجئے کہ پولیس نے بالآخر اس کے اس مطالبے کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور منت وخوشامد کے بعد جو زیادہ سے زیادہ رعایت اس مجرم نے پولیس کو دی وہ یہ تھی کہ اگر دس بچوں کی لاشوں کی برآمدگی کا معاوضہ یعنی ایک لاکھ ڈالر آپ مجھے دے دیں گے' تو گیارھویں بچے کی لاش میں مفت برآمد کرا دوں گا۔ بالآخر پولیس نے اس ''رعایت'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اولسن کو ایک لاکھ ڈالر معاوضہ ادا کیا۔

اس کے بعد اس نے کینڈا کے مختلف شہروں سے گیارہ بچوں کی لاشیں پولیس کے حوالے کیں۔ ان گیارہ بچوں کی تصویریں بھی اخبار نے شائع کی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچے بارہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے ہوں گے۔

اس ''تفتیش'' ''اعتراف'' اور ایک لاکھ ڈالر کے نفع بخش سودے کے بعد جب مجرم پر مقدمہ چلایا گیا تو

چونکہ کینیڈا میں سزائے موت کو "وحشیانہ سزا" قرار دے کر ختم کر دیا گیا ہے اس لیے عدالت اس مجرم کو جو زیادہ سے زیادہ سزا دے سکی وہ عمر قید تھی۔ البتہ عدالت نے جرم کی سنگینی کے اعتراف کے طور پر سزا دیتے وقت یہ "سفارش" ضرور کر دی کہ اس مجرم کو کبھی پیرول پر رہا نہیں کیا جا سکے گا۔ اخبار نے "سفارش" لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید عدالت کو ایسا "حکم" دینے کا اختیار نہیں تھا' وہ صرف "سفارش" کر سکتی تھی۔

ان گیارہ بچوں کے ستم رسیدہ ماں باپ کو جب یہ پتہ چلا کہ جس درندے نے ان کے کمسن بچوں کی جان لی اور ان کی عزت لوٹی' اسے ایک لاکھ ڈالر کا معاوضہ ادا کیا گیا ہے' تو ان میں اضطراب اور اشتعال کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اولسن پر ایک ہرجانے کا مقدمہ دائر کیا' جس میں یہ مطالبہ کیا گیا' کہ کینیڈا کے ٹیکس دینے والوں کے ایک لاکھ ڈالر جو اس درندہ صفت مجرم کی جیب میں گئے ہیں' کم از کم وہ اس سے واپس لے کر مرنے والے بچوں کے ورثاء کو دلوائے جائیں۔ لیکن ان کو اس مقدمہ میں شکست ہوگئی۔ اپیل پر کورٹ نے بھی ان کا مقدمہ خارج کر دیا اور سپریم کورٹ نے یہ کیس سننے سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف مجرم اولسن نے ۲۴ جنوری کو ہائی کورٹ میں ایک درخواست دی' جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے جیل میں بہتر رہائشی سہولیات مہیا کی جائیں اور ہائی کورٹ نے یہ درخواست سماعت کے لیے منظور کر لی ہے۔ بلکہ اس درندے نے یہ درخواست بھی دی تھی کہ مسلسل قید کی وجہ سے مجھے اپنے پاگل ہونے کا خطرہ ہے' اس لیے مجھے رہائی دی جائے لیکن عدالت نے یہ کرم کیا کہ یہ درخواست مسترد کر دی۔

جن لوگوں کے بچے اس وحشت ناک ظلم وستم کا نشانہ بنے' انہوں نے اس صورت حال کے نتیجے میں ایک انجمن بنائی ہے' جس کا نام "نشانہ ہائے تشدد" ہے۔ اس انجمن نے پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ کینیڈا میں سزائے موت کو واپس لایا جائے۔ اس انجمن کے ایک نمائندے نے اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے ہار نہیں مانی' ہم نے ایک گروپ بنایا ہے اور ہم نے کینیڈا کی پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے' کہ کینیڈا میں سزائے موت کو واپس لایا جائے۔ اولسن جیسے درندوں کو سیدھا جہنم میں بھیجنا چاہیے' جہاں کے وہ واقعتاً مستحق ہیں۔"

اخبار کی رپورٹ کا یہ خلاصہ ہم نے بے کم وکاست عرض کر دیا ہے' جو کسی طویل تبصرے کا محتاج نہیں۔ مجرموں کو دی جانے والی عبرت ناک سزاؤں کو "وحشیانہ اور غیر مہذب" قرار دے کر مجرموں کے ساتھ قانونی پیار کا سلوک کر کر کے حالت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے' کہ مجرم کو ایک لاکھ ڈالر (جو اس وقت تقریباً پچپن لاکھ روپے پاکستانی بنتے ہیں) کا معاوضہ ادا کیا گیا۔ اور دوسری طرف بیٹے پر اولاد کا زخم کھائے ہوئے ستم رسیدہ افراد کو ایک پیسہ ہرجانہ ادا کرنے کی گنجائش پیدا نہ ہوئی۔ مجرم کو جیل میں بہتر "سہولیات" فراہم کرنے

پر عدالتیں غور کر رہی ہیں لیکن ''نشانہ ہائے ستم'' کی فریاد سننے کے لیے کوئی عدالت تیار نہیں۔

دوسری طرف ہمارے ملک کے نام نہاد دانشور اور وزراء ہیں کہ انہیں ہمارے پیارے نظام قانون میں سب سے بڑی خرابی اس ''حدود آرڈی نس'' میں نظر آتی ہے' جس کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ اس نے اس قسم کے درندہ صفت مجرموں کے لیے وہ سزائیں تجویز کیں' جن کے وہ واقعی مستحق ہیں۔

اسلام نے قصاص ودیت اور حدود وتعزیرات کے ذریعہ انسانی نفسیات کے ہر پہلو کا اس باریک بینی سے خیال رکھا ہے' کہ اس میں ایک طرف مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے اور اسے دوسروں کے لیے سامان عبرت بنانے کا پورا اہتمام موجود ہے اور دوسری طرف جو لوگ اس قسم کے جرائم کا نشانہ بنتے' یا ان سے متاثر ہوتے ہیں' ان کی جذباتی تسکین اور مالی تلافی دونوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی جرم کا ارتکاب ہو تو اس کے تمام تر نتائج وثمرات اسی ایک موقعہ پر ختم ہو جائیں' نفرتوں اور عداوتوں کی آگ کو مزید بھڑکا کر اور زیادہ جرائم کو ہوا دینے کا موقع نہ ملے۔

ورنہ ظاہر ہے کہ مجرم کو کیفر کردار تک نہ پہنچتا دیکھ کر متاثر افراد کا اشتعال ٹھنڈا نہیں ہوگا' بلکہ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ ایسے گھناؤنے جرائم کے ذمہ دار نہ صرف آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں' بلکہ انہیں ان کے جرائم پر معاوضہ سے نوازا جا رہا ہے تو ان کے سینے کی آگ کسی نہ کسی دن ضرور کوئی شگوفہ کھلائے گی۔ اس لیے اسلام نے ایک طرف عبرت ناک سزاؤں کا نظام قائم فرمایا ہے اور دوسری طرف ضرر رسیدہ افراد کے لیے دیت یا خون بہا کی شکل میں مالی تلافی کا بھی انتظام کیا ہے۔ لیکن چونکہ مغرب کے اسلام دشمن حلقوں کے منہ سے ایک مرتبہ یہ بات نکل گئی کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ اور غیر مہذب ہیں' تو ہمارے وہ مغرب پرست حلقے جن کے دماغ سے لے کر دل تک کوئی چیز اپنی نہیں ہے اور جن کی سوچ سے لے کر جذبات تک ہر چیز مغرب سے مانگی ہوئی ہے' وہ اب اسلام کی مقرر کردہ سزاؤں پر تنقید کرنے سے ہی نہیں ان کے خلاف دریدہ ذہنی سے بھی نہیں چوکتے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ ہوگا ناپائیدار ہوگا

بشکریہ: ایشیاء لاہور۔ تحریر: جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی

برطانیہ میں ہونے والی لواطت اور اغلام بازی اور زناکاری کے متعلق پندرہ حکومتی ارکان نے سروے اور تحقیق کے بعد ان غلیظ لوگوں کو یوں تحفظ فراہم کر دیا کہ: ''مردوں کے باہمی تعلقات کی کثرت کو دیکھ کر کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بالغ مردوں کے درمیان لواطت اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اب اسے کوئی جرم قرار نہ دیا جائے اس لیے کہ شہریوں کی نجی زندگی میں قانون کو دخل دینے کی حاجت نہیں۔''

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ نازی دور سے پہلے ایک صاحب ڈاکٹر ماگنوس ہر شفیلڈ تھے' جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے ہیں' انہوں نے عمل قوم لوط کے حق میں چھ سال پروپیگنڈا کیا' آخر کار جمہوریت کا اِلٰہ اس حرام کو حلال کر دینے پر راضی ہو گیا اور جرمن پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے' بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور معمول کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا ولی ایجاب وقبول کی رسم ادا کرے۔[1]

مشرقی ممالک میں اس حوالے سے ایران کا نام بدنام ہے' فارسی کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے' کہ ۱۹۴۵ء میں تین اڈے ایسے پائے گئے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے۔ افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفوں کا بیان ہے۔[2]

مغربی ممالک میں' جیسا کہ کنسے رپورٹ کے تذکرے سے معلوم ہو چکا ہے' اب تک اس کا چرچا ہے۔ اور کافی چرچا ہے۔ ہندو پاکستان کو بھی اس سلسلہ میں پاک نہیں کہا جا سکتا' مگر یہاں عوام میں نہیں ہے بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ہے۔ اسکول کالج یونیورسٹی اور مدارس بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں:

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ اس برائی سے بھی سختی سے روکا اور اس فعل بد کی سزا نہایت سخت سے سخت تجویز کی اور ذرا سی بھی رورعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اوّل تو قرآن پاک میں قوم لوط کا واقعہ تفصیل سے متعدد مقامات میں ذکر کیا گیا' اس برائی کے سلسلہ میں لوط علیہ السلام نے جس جس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اسے نقل کیا گیا' اس سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس قوم کو تلذذ بالمثل اور ''امرد پرستی'' کی عادت ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی حالت کس قدر پست اور ذلت آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے' پھر قوم کی عبرت انگیز سزا کا نقشہ پیش کیا' تاکہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں' اور اس طرح اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔

---

[1] پردہ ص ۴۵۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے اسلام اور جنسیات استلذاذ بالمثل۔

قرآن وحدیث میں اس امت کے لیے اس غیر فطری فعل کی سزا بھی بیان کی گئی' اور اس سے روکنے اور امت کو بچانے کے لیے بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے' شروع میں قرآن میں ان غیر فطری فعل کے کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿ وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾ (النساء: ۴/ ۱۶)

''تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے دلنشین پیرایہ میں اس غیر فطری فعل کی برائی ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی' طرح طرح سے روکا' اس کی سخت سے سخت سزائیں بیان کیں۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ))[1]

''مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خطرہ قوم لوط کے عمل کا ہے۔''

گویا یہ پیش بندی تھی کہ قوم کا رخ ادھر نہ ہونے پائے' اور امت محسوس کرے کہ یہ ایسی برائی ہے جس کا اندیشہ ظاہر کر کے پیغمبر اسلام روک چکے ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا جنسی میلان مرد سے پورا کرتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے اللہ رب العزت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔''[2]

لوطی نقل وعقل کی روشنی میں:

خالق کائنات کو لوطی سے شدید نفرت ہے اور اس پر اس کا سخت غضب ہوگا' کیونکہ قوم لوط کا عمل دنیا میں سب سے بدترین عمل ہے جو بالکل غیر فطری ہے' اور یہ جو حیوانوں اور جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا' اس عمل کا ارتکاب کر کے انسان انسانیت کی مٹی پلید کرتا ہے' نسل کشی کا اعلان کرتا ہے اور یہی نہیں عورتوں کی تباہی و بربادی بھی اس میں مضمر ہے اس میں خود اس کا ارتکاب کرنے والے مجرم کی بھی ہلاکت ہے جو اپنے کو طرح طرح کی بیماریوں کا شکار بناتا ہے' کیونکہ اس کے اعضائے رئیسہ مضمحل ہو جاتے ہیں' چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے کسی کام کا نہیں رہتا' یہ محروم القسمت انسان اولاد جیسی نعمت اور ''عفت'' جیسی عظیم الشان دولت

---

[1] ترمذی۔ کتاب الحدود: باب ماجاء فی حد اللوطی (ح۱۴۵۷)
ابن ماجہ۔ کتاب الحدود: باب من عمل عمل قوم لوط (ح۲۵۶۳)

[2] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان النساء فی ادبارھن (ح۱۱۶۵)

سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔[1][2]

---

[1] ترمذی۔ کتاب الحدود: باب ماجاء فی حدالوطی (ح ۱۴۵۶)

ابن ماجہ۔ کتاب الحدود من عمل عمل قوم لوط (ح ۲۵۶۱)

[2] علامہ جمال بن عبدالرحمن اسماعیل اس کے علاوہ میڈیکل اور جدید سائنس کے نقطہ نظر سے اس فعل بد کے نقصانات کی نشاندہی کرتے ہیں:

شیخ سید سابق فرماتے ہیں' کہ اس جرم کے سنگین نتائج اور نقصانات کی وجہ سے اسلام میں اس کے مرتکب کی سزا انتہائی شدید ہے۔ کتاب ''اسلام اور طب'' (مصنفہ محمد وصفی) سے اقتباس نقل کرتے ہوئے ہم چند نقصانات کا ذکر کر رہے ہیں:

(۱) **عورت سے دوری:** ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے دور ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ بیوی سے صحبت کے قابل نہیں رہتا۔ جس وجہ سے وظیفہ زوجیت' جو اولاد کے حصول کا اہم ذریعہ ہے' معطل ہو جاتا ہے۔ بیوی اس کے لیے قربانی کا جانور بن کر رہ جاتی ہے۔ اب نہ وہ محبت سے راضی ہوتی ہے' نہ نرمی سے اور نہ اچھی رہائش سے' جو کہ شادی کا دستور ہے۔ وہ اپنی زندگی تکلیف اور عذاب میں لٹک کر گزارتی ہے کہ جیسے وہ نہ شادی شدہ ہو اور نہ طلاق والی۔

(۲) **اعصاب پر اثر:** اس عادت کا خاص طور پر پٹھوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے' حتیٰ کہ مرد اپنے آپ کو مرد نہیں سمجھتا۔ اس کی سوچ ہم جنس کے خیال میں رہتی ہے۔ لڑکوں کے اعضاء تناسل کا تصور ہر وقت اس کے ذہن میں رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے قوائے جسمانی میں ضعف آ جاتا ہے۔ اور پٹھوں کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی کی لذتیں اس سے چھن جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں قضیب' اس کی جڑ اور حشفہ میں بھی خرابی آ جاتی ہے۔

(۳) **دماغ پر اثر:** ہم جنسی سے مریض کا عقلی توازن بگڑ جاتا ہے۔ انسان افکار کے جال میں ایسا پھنس جاتا ہے۔ قوتِ ارادی کمزور ہونے کی وجہ سے صائب الرائے نہیں رہتا۔ دماغی غدود اور ان کے افعال میں شدید اختلال آ جاتا ہے۔ لواطت کرنے والوں کو بے وقوفی' فکر کی پراگندگی' عقل کا فتور اور دیگر امراض لاحق ہو جاتے ہیں' عموماً جوانی میں موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۴) **مالیخولیا:** لواطت مالیخولیا کا قوی سبب ہے کہ اس کے سبب سے عموماً مالیخولیا پیدا ہوتا ہے۔ جس سے تمام اعضاء کے وظائف میں خلل اور بے قاعدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) **لواطت کا کافی نہ ہونا:** لواطت کرنے والا اپنی خواہش کو صحیح طور سے پورا نہیں کر سکتا' کیونکہ یہ طبیعت کے خلاف ہے۔ پٹھوں کے اندر کمزوری کی وجہ سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ وطی میں زور لگانے کی وجہ سے عضلات پر بوجھ پڑتا ہے اور انسان وطی کے قابل نہیں رہتا۔

(۶) **اعضاء کا ڈھیلا ہونا:** دوسری طرف' ہم جنسی درست اعضاء کے بکھر جانے کا سبب بنتی ہے' عضلات ←

لوگوں کا بیان ہے کہ جو اس غیر فطری برائی میں مبتلا ہوا' دنیا میں بھی عذابی کیڑے ہمیشہ کے لیے اس سے چپک گئے' یعنی پھر اس لت اور عادت کا دُور ہونا قریب قریب ناممکن ہے' فاعل و مفعول بہ دونوں کا یہی حال ہوتا ہے' موت ہی اس سے یہ بری عادت کو چھڑا سکتی ہے اس سے پہلے کوئی امید نہیں' ایسے مجرم بوڑھے ہونے کے بعد بھی اس برے فعل میں مبتلا رہتے ہیں یعنی فاعل بڑھاپے تک یہ فعل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور مفعول بہ کروانے کی۔

لوطی کی سزا

غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی سزا قتل بیان فرمائی:

((مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ))[1]

← ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان پاخانہ روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ چنانچہ بہت سے مفعولین کو ہم پاخانے کے مواد میں لتھڑا ہوا پاتے ہیں' کہ ان کے بدن سے پاخانہ بلا ارادہ و بلا شعور نکلتا رہتا ہے۔

(۷) **اخلاق پر اثر:** ایسے لوگوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ طبیعت میں فساد آ جاتا ہے' اور اچھے برے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ قوتِ ارادی کی کمی کی وجہ سے وہ وجدان ختم ہو جاتا ہے' جو ان کو برائی پر متنبہ کرے' نہ ضمیر ہی باقی رہ جاتا ہے' جو انہیں جھنجھوڑے۔ وہ لوگ برائی میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اور نہ ضمیر ان کو بچوں' لڑکوں' چھوٹوں پر چڑھنے اور ان پر سختی کے استعمال سے روکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی گندی شہوت کی تسکین کرتے ہیں اور جرائم کے ارتکاب پر دلیر ہو جاتے ہیں۔

(۸) **صحت عامہ پر اثر:** ہم جنسی اپنے مرتکب میں سینے کی تنگی' بوجھ اور خفقان کا عارضہ پیدا کرتی ہے۔ جس میں عام کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۹) **اعضائے تناسل پر اثر:** لواطت سے جہاں مراکز انزال کمزور ہوتے ہیں وہاں یہ حیوانات منویہ (مادہ منویہ کے جراثیم) کو مارنے میں بھی عمل کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا اثر براہ راست قوم پر پڑتا ہے۔ تھوڑے عرصے بعد نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ نسل بڑھانے کی قوت ختم ہو کر بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱۰) **ٹائی فائیڈ و دیگر امراض:** ہم کہہ سکتے ہیں کہ لواطت کی وجہ سے ٹائیفائیڈ جیسے بخار بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور انسانی فضلے میں جو جراثیم ہوتے ہیں' وہ اس کام کی وجہ سے دوسروں کو منتقل ہو کر امراض خبیثہ کا سبب بنتے ہیں۔ جناب صفوت نور الدین نے ہمیں بتلایا کہ مقعد کے جراثیم آنے والی منی کو چوستے ہیں' جس سے خون پھٹ جاتا ہے۔ اس وجہ سے خون میں موجود نرم و نازک جراثیم جو جسم کو نقصان دینے والے جراثیم کو مار کر جسم کو امراض سے محفوظ رکھتے ہیں' ختم ہو جاتے ہیں۔ اور لواطت کی وجہ سے 100% مرض منتقل ہو جاتا ہے۔

[1] ترمذی۔ کتاب الحدود: باب ماجاء فی حدالوطی (ح ۱۴۵۶)

ابن ماجہ۔ کتاب الحدود من عمل عمل قوم لوط (ح ۲۵۶۱)

"تم قوم لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو' قتل کر ڈالو فاعل (کرنے والے کو بھی) اور مفعول (جس کے ساتھ کیا جائے) کو بھی۔"

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح الاسناد ہے امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔[1]

اس حدیث کی بنیاد پر جمہور کا مسلک یہ ہے' کہ جو شخص لواطت کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے' خواہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہ ایسا جرم ہے جس میں معافی کی کوئی صورت ہے ہی نہیں' کیونکہ اس غیر فطری فعل کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' سیدنا علی رضی اللہ عنہ' سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' سیدنا خالد بن زید رضی اللہ عنہ' سیدنا عبداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ' پھر زہری رحمہ اللہ' ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ' امام مالک رحمہ اللہ' اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان تمام بزرگوں کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک یہی قول ہے۔[2]

ایک جماعت کہتی ہے کہ جو زانی کی سزا شریعت میں مقرر ہے وہی لوطی کی بھی ہے' دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے قائلین میں عطاء بن رباح رحمہ اللہ' حسن بصری رحمہ اللہ' سعید بن مسیب رحمہ اللہ' ابراہیم نخعی رحمہ اللہ' قتادہ رحمہ اللہ' اوزاعی رحمہ اللہ' امام ابو یوسف رحمہ اللہ' امام محمد رحمہ اللہ' اور امام شافعی رحمہ اللہ (اپنے ظاہر قول میں) شامل ہیں' ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ہے۔[3]

اس کے خلاف دوسری جماعت کہتی ہے کہ زنا اور لواطت میں بڑا فرق ہے' زنا پر حد مقرر ہے اور لواطت پر کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لیے لوطی کی بعینہ وہی سزا نہ ہوگی' جو زنا کار کی ہے۔ ہاں حاکم کو البتہ اختیار ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دردناک سزا دے' لوطی کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کچلوا دیا جائے' پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا جائے' یا آگ میں جلا کر مار دیا جائے' امام ابوحنیفہؒ اور امام حاکمؒ کا یہی مذہب ہے۔[4]

پس معلوم ہوا کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اسی پر ہے کہ لوطی کو قتل کر دیا جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے' اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا والی حد جاری کی جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے بھی لوطی کو مارا جائے جائز ہے۔ بہرحال اتنی بات مشترک ہے کہ لوطی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے' قتل کی نوعیت میں البتہ اختلاف ہے۔[5]

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۳۰۔ [2] ایضاً

[3] الجواب الکافی ص ۲۲۹۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً

سزا عقل کی روشنی میں:

لوطی کی سزا کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کے فیصلے پڑھ کر تعجب نہ ہونا چاہیے' قوم لوط کا جو حشر ہوا اس کو سامنے رکھنے کے بعد کسی سختی کو سختی بھی نہیں کہا جا سکتا' لوطی کی خباثت و شیطنت کو مدنظر رکھا جائے تو کہنا ہو گا کہ درست ہے اگر آسمان اس پر ٹوٹ پڑے' پہاڑ گر جائے زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنسا دیا جائے۔

مفعول بہ (جس نے فعل بد کروایا ہے) یہ تو اس درجہ میں ہے کہ اس کا قتل ہو جانا ہی بہتر ہے' کیونکہ جب اس کی رضاء سے اس سے لواطت کی گئی تو اس پر ایسی موت طاری ہو گی' جس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں' زمین پر متعفن زندہ لاش ہے' بے گناہ قتل ہوتا تو اچھا تھا کہ لوگوں میں محبت و شفقت سے یاد کیا جاتا اور مظلوم شہید کا درجہ حاصل کرتا' مگر اس (وطی فی الدبر) کے بعد اس کے حق میں کوئی رحم و کرم نہیں' نہ شریعت کی نظر اور نہ انسانی سوسائٹی میں۔

سوچیے تو کہ قاتل کو اگر مقتول کا وارث چاہے بچا سکتا ہے مگر لواطت کرنے والے کے لیے بچنے کی کوئی گنجائش ہے؟ یقیناً نہیں۔

عہد صحابہ کا ایک واقعہ:

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک ایسا شخص ہے جو لواطت کراتا پھرتا ہے' سیدنا خالدؓ نے یہ واقعہ خلیفۃ المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا اور مشورہ طلب کیا۔ چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت بلائی اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قوم لوط کے عمل سے ہے' سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے' میری رائے ہے اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے یہی سزا خالد بن ولیدؓ کو لکھ بھیجی' چنانچہ سیدنا خالدؓ کو جب یہ فرمان ملا' تو آپ نے اسے گرفتار کیا اور آگ میں جلوا ڈالا[1]

یہ وہ ملعون فعل ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی اور اس کی قباحت کا اظہار فرمایا[2]

---

[1] کنز العمال (۱۳۶۴۲) بحوالہ الشافعی وابن ابی الدنیا

[2] مسند احمد (۱/ ۲۱۷) مستدرك حاكم (۴/ ۳۵٦) صحيح ابن حبان (۵۳)

بچنے کی تدبیر

اسلام چاہتا ہے کہ اس غیر فطری فعل سے انسان اپنے کو محفوظ رکھے' اس کی صورت یہی ہے کہ خوبصورت لڑکوں سے اجتناب کیا جائے' اور جو اس کے دواعی ہو سکتے ہیں ان سے الگ تھلگ رہنے کی سعی کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

"مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہئے' کیونکہ یہ اپنی شکل و صورت اور لباس و پوشاک سے سراپا فتنہ ہیں' ایسا فتنہ کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں۔"

پھر انہوں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ واقعہ لکھا ہے' کہ ایک دن سیدنا سفیان رحمہ اللہ غسل خانے میں داخل ہوئے' اتفاق سے اسی وقت ایک لڑکے نے بھی غسل خانہ میں داخل ہونا چاہا' آپ نے دیکھا تو فرمایا: "اسے یہاں سے نکالو اور جلد نکالو اور وجہ یہ بیان فرمائی:

((فَانِّیْ اَرٰی مَعَ امْرَأَۃٍ شَیْطَانًا وَمَعَ کُلِّ صَبِیٍّ بِضْعَۃَ عَشَرَ شَیْطَانًا)) [1]

"عورت کے ساتھ مجھے ایک ہی شیطان دکھائی دیتا ہے' مگر "امرد" کے ساتھ کچھ اوپر دس شیطان۔"

امرد سے پرہیز:

اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا امام احمد رحمہ اللہ کا لکھا ہوا ہے کہ امام موصوف کی خدمت میں ایک شخص کسی ضرورت سے حاضر ہوا' اس شخص کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا' اسے دیکھ کر آپ نے پوچھا: "یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟" اس شخص نے بتایا: "یہ میرا بھانجا لگتا ہے" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "دیکھو! اب دوبارہ اسے ہمارے یہاں نہ لانا' اور تم اس کو ساتھ لے کر بازار میں چکر نہ لگانا' تاکہ کسی کو تمہارے متعلق برا گمان کرنے کا موقع نہ ملے۔" [2]

یہ ان بزرگوں کی رائے ہے' جو اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں مسلم ہیں۔ پھر کیا خوبصورت امرد لڑکوں سے احتراز کی یہ رائے بے وجہ ہے؟ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو ہدایت فرمائی وہ بالکل درست ہے اور قابل عمل ہے۔

---

[1] مفتاح الخطابة ص ۲۱۷۔

[2] مفتاح الخطابه ص ۲۱۷۔

ہمارے زمانہ کے ان حضرات کے لیے ان واقعات میں عبرت وبصیرت ہے جو تنہائی میں ''امرد لڑکوں'' سے پاؤں دبواتے ہیں اور بے تکلف ہو کر ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے' بلکہ آگاہ کرنا ہے کہ فتنہ کے دواعی سے اپنی حفاظت ایک ضروری فریضہ ہے۔

امرد کا چہرہ دیکھنا:

فقہاء شہوت کے اندیشہ کے وقت ''امرد'' کے چہرہ کو دیکھنا حرام کہتے ہیں:

((فَانَّهٗ یَحْرُمُ النَّظَرُ اِلٰی وَجْھِھَا وَ وَجْهِ الْاَمْرَدِ اِذَا شَكَّ فِی الشَّهْوَةِ))[1]

''جنسی میلان کا خطرہ ہو تو اس وقت عورت اور ''امرد'' کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا حرام ہوتا ہے۔''

''امرد'' اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی نہ نکلی ہو' مونچھ آ رہی ہو۔ بعض علماء تو لکھتے ہیں کہ امرد اگر حسین ہو تو عورت کے حکم میں ہے' یعنی سر سے پاؤں تک اس کا جسم ستر ہے' اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے' مگر ابوالقاسم کی رائے ہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنا تو جائز نہیں مگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ تلذذ مقصود ہو تو حرام ہے' ورنہ نہیں:

((قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّهٗ یَحْرُمُ النَّظَرُ اِلٰی غَیْرِ الْمُلْتَحِیْ بِقَصْدِ التَّلَذُّذِ وَ تَمَتُّعِ الْبَصَرِ بِمَحَاسِنِهٖ وَ اَجْمَعُوْا عَلٰی جَوَازِهٖ بِغَیْرِ قَصْدِ اللَّذَّةِ وَالنَّاظِرُ مَعَ ذَالِكَ اٰمِنَ الْفِتْنَةَ))[2]

''ابن القطان فرماتے ہیں' امرد جس کی داڑھی نہیں نکلی ہے' تلذذ اور اس کی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادے سے ایسے لڑکوں کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے' اور تلذذ مقصد نہ ہو اور دیکھنے والا فتنہ سے مامون ہو تو بالاجماع جائز ہے۔''

شہوت کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تفسیر میں مختلف قول ہیں' مگر زمانہ کے لحاظ سے علامہ شامی کی یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ:

((اَنَّهَا مَیْلُ الْقَلْبِ مُطْلَقًا))[3]

''شہوت دل کے میلان کا نام ہے۔''

---

[1] در مختار برحاشیہ ردالمختار ۱/ ۲۸۵

[2] ردالمختار ۱/ ۲۸۵ [3] ایضاً

دو مردوں کا ایک ساتھ لیٹنا یا سونا:

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے' کہ اسی فتنہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چادر میں دو مرد نہ سوئیں' ارشاد نبویؐ ہے:

((لَا يُفْضِ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ))[1]

''ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ آئے۔''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس حدیث کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں' کہ ایک کپڑے میں لیٹنے یا سونے سے اس لیے روکا گیا ہے' کہ اس سے جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے کبھی کبھی لواطت کی رغبت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس حدیث کو دلیل بنا کر امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَلَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ مُضَاجَعَةُ الرَّجُلِ وَاِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ جَانِبٍ مِنَ الْفِرَاشِ)) [2]

''دو مردوں کا ایک ساتھ سونا یا لیٹنا جائز نہیں ہے' گو دونوں بستر کے کنارے کنارے ہی کیوں نہ ہوں۔''

یہ حکم نفسیات کے بالکل مطابق ہے۔ دو شخصوں کا یکجا سونا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں۔ اور غالباً دیگر وجوہ کے ساتھ اس سے ممانعت کی یہ وجہ بھی تھی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

((مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) [3]

''تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اور دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز کے لیے پٹائی بھی اور الگ الگ بستر پر سلاؤ۔''

عمر کے اس حصہ میں بچوں کا بستر علیحدہ کر دینے سے نفسیاتی طور پر بھی بڑا فائدہ ہوگا اور صحت کے اعتبار سے بھی بچے فائدہ میں رہیں گے' کیونکہ عمر کے اس حصہ سے انسان میں جنسی میلان کی سوجھ بوجھ شروع ہونے لگتی ہے۔

---

[1] مسلم۔ کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات (ح ۳۳۸)

[2] تفسیر کبیر ۲/ ۲۵۹

[3] ابو داؤد۔ کتاب الصلاۃ: باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ (ح ۴۹۵)

ہمارے اس دور میں خصوصیت سے اس پر عمل کرنا چاہیے اس لیے کہ اس دور میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے' جو جنسی میلان کو مشتعل کرتی رہتی ہیں اور کم وبیش ہر شخص پر اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیے' کہ جس طرح یہ حرام ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ان حصوں کو دیکھے جن کو ''ستر'' سے تعبیر کرتے ہیں' اس طرح یہ بھی حرام ہے کہ بغیر ضرورت دو مردوں کے جسم اس طرح مل جائیں کہ بیچ میں کوئی چیز حائل باقی نہ رہے' ہاں اس حکم سے مصافحہ وغیرہ جیسی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔[1]

حافظ ابن حجر اس کی بھی صراحت فرماتے ہیں:

((وَ يَحْرُمُ لَمسُ عَوْرَةِ غَيْرِهٖ بِاَيِّ مَوْضِعِ بَدَنِهٖ كَانَ بِالْاتِّفَاقِ))[2]

''غیر مرد کے ستر کو مس کرنا (چھونا) حرام ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ بدن کے جس حصہ سے بھی ستر چھوئے' سب حرام ہے۔''

ہمارے اس دور میں ان لوگوں کے لیے اس میں عبرت وبصیرت کا سبق ہے' جو امرد لڑکوں کے سامنے گھٹنے کھولنا اور تیل کی مالش کرانا عیب نہیں سمجھتے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ))[3]

''ایک مرد دوسرے مرد کی ''ستر'' (پردہ کی جگہ) نہ دیکھے۔''

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعِفَافَ وَالْغِنٰى

محمد ظفیر الدین پورہ نوڈیہادی

[1] فتح الباری پ ۲۱/ ۸

[2] مسلم۔ کتاب الحیض: باب تحریم النظر الی العورات (ح۳۳۸)

اہل مغرب کے ہاں بداخلاقی کے سوتے مستقلاً آج بھی جاری و ساری ہیں۔ طہارت، طیب، حیا اور عفت و عصمت جیسے الفاظ مغرب کی لغت سے خارج ہیں۔ ان کے جنس کو بیدار کرنے کے کلب، تعلیمی نصابات میں جنس کی تشہیر و ترغیب، صنفی میلانات، آزادانہ جنسی میل جول، روز افزوں شرح طلاق اور ہم جنس پرستی کی کثافت و غلاظت نے مغربی تمدن کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ افسوس کہ آج کل مشرق بالخصوص عالم اسلام کے معاشروں اور ممالک میں بھی بداخلاقی کا یہ طوفان بدتمیزی اپنی کئی شکلوں اور صورتوں میں حملہ آور ہے۔ پیش نظر کتاب تمام انسانیت کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص جنسی بے راہ روی اور اخلاق باختگی سے بچانے کی ایک بھرپور علمی کاوش ہے۔ جس میں اسلام کے موقف کو کتاب و سنت کے حوالے سے نمایاں کیا گیا ہے۔ آج سے نصف صدی قبل اسلام کے نظام عفت و عصمت پر ایک علمی اور تحقیقی کاوش جناب محمد ظفیر الدینؒ کے قلم سے سامنے آئی۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر مستند کتاب ہونے کے باعث اسے اہل علم اور عامۃ المسلمین میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ عزیز گرامی محمد طاہر نقاش حفظہ اللہ نے دارالابلاغ کے سٹیج سے اس اہم کتاب کے متن کو تدوین نو کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اس کے تمام حوالوں کی تحقیق و تخریج کر دی ہے۔ اور پوری کتاب میں صحیح روایات کا التزام کیا ہے۔ حوالہ جات کی نشان دہی اور تکمیل کے ساتھ ساتھ بعض ایسے حواشی اور تعلیقات بھی لکھے ہیں جو کم و بیش ستر صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان مفید اضافہ جات اور جدید معلومات نے کتاب کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا ہے۔ اس کتاب کے ابواب پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک ہر وہ شخص جو اپنے خاندان گھر اور وجود کو شیطانی تلذذ اور حرام کاری کے فساد سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ جنس کے موضوع پر کتاب و سنت کی تعلیمات کی حکمت کیا ہے اور ان پر عمل درآمد سے ہم عفت و عصمت کے گوہر آبدار کو کیسے محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ اسلامی معاشرے کی اخلاقی تربیت کے لیے ان اہم مسائل کی وضاحت کرنا اس کتاب کا مقصد وحید اور غایت خاص ہے۔ حق تعالیٰ اسے عامۃ المسلمین کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور

دارالابلاغ
کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ
DARULIBLAGH